جسے دیکھو نظر آتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

غیر مسلموں کی نظر میں

مولانا
محمد حنیف یزدانی

مکتبۂ نذیریہ لاہور

جسے دیکھو نظر آتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

غیر مسلموں کی نظر میں

از

مولانا محمد حنیف یزدانی

قرآن غیر مسلموں کی نظر میں

اسلام غیر مسلموں کی نظر میں

صحابہ کرامؓ غیر مسلموں کی نظر میں

محدثین عظامؒ غیر مسلموں کی نظر میں

ناشر

مکتبہ نذیریہ ○ لاہور

قینچی امرسدھو فیروزپور روڈ۔ ڈاکخانہ کوٹ لکھپت

نام کتاب ——— محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
(غیر مسلموں کی نظر میں)
مصنف ——— مولانا محمد حنیف یزدانی
مطبع ——— شاہ اینڈ سنز پریکس پرنٹرز لاہور
طابع ——— مکتبہ نذیریہ، لاہور
تاریخ اشاعت ——— مئی ۱۹۷۹ء
تعداد ——— ایک ہزار ۱۰۰۰
کتابت وتزئین ——— [illegible] خوشنویس چاہ میراں لاہور
قیمت ———

"افضل ما شہدت بہ الاعداء"

بادشاہِ دوسرا ہے کون؟ ——— کوئی بھی نہیں

شافعِ روزِ جزا ہے کون؟ ——— کوئی بھی نہیں

صدرِ بزمِ انبیاء ہے کون؟ ——— کوئی بھی نہیں

اور محبوبِ خدا ہے کون؟ ——— کوئی بھی نہیں

میرے آقاؐ کے علاوہ میرے حضرتؐ کے سوا

پربھو دیال صاحب عاشق لکھنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات



تبصرے

محدّث

ماہنامہ "محدّث" دسمبر ۱۹۷۲ء کے شمارہ میں لکھتا ہے:

"محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں"

محمد حنیف یزدانی نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم سے متعلق غیر مسلم مستشرقین اور راہنماؤں کے خیالات جمع کیے ہیں۔ کتاب واضح طور پر تین حصّوں میں منقسم ہے۔ نبی اکرم، قرآن، اور صحابہؓ (غیر مسلموں کی نظر میں) دوچار نومسلموں کے قبولِ اسلام کی ایمان افروز کہانی بھی پیش کی گئی ہے۔ جسے قرونِ وسطیٰ میں عیسائیوں پادریوں نے یورپ میں مسلمانوں کی یہ تصویر پیش کی ؏

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے فسانوں سے

مگر گذشتہ صدی ڈیڑھ میں یہ طلسم ٹوٹ چکا ہے۔ کارلائل نے اس طلسم کو توڑنے کی پہلی کوشش کی اور پھر غیر مسلم مستشرقین کے لیے مخالفت کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت سے انکار ناممکن ہوگیا۔ کتاب میں درج آراء وخیالات پڑھنے سے بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محسنِ انسانیت اور عظیم راہنما قرار دیتے ہیں تو اسلام ہی کیوں نہیں قبول کر لیتے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض ایک عرب راہنما کی حیثیت سے مطالعہ کیا اور قرآن کریم کو شخصی افکار وخیالات سے تعبیر کیا۔ اس ذہنی پس منظر کے لوگوں سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ حلقۂ اسلام میں داخل ہو جاتے۔ تاہم جن سعید روحوں نے قرآنِ کریم کو الہامی کتاب کے طور پر مطالعہ کیا وہ اسلام کی گود میں آگرے۔ ایک غیر مسلم کا

یہ قول ان لوگوں کے لیے سرمایۂ بصیرت ہے جو قرآن کو محض اخلاقی کتاب قرار دیتے ہیں۔ غیر مسلموں کا قول ہے۔

قرآن مذہبی قواعد و احکام ہی کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام پیش کرتا ہے۔

مرتب کتاب کی سعی قابلِ قدر ہے۔

وفاق

روزنامہ "وفاق" ۳ر نومبر ۱۹۷۲ء بروز جمعۃ المبارک کے پرچہ پر لکھتا ہے:

"محمد رسول اللہؐ غیر مسلموں کی نظر میں"

زیرِ نظر کتاب مولانا یزدانی کے نزدیک ان کی دس سالہ محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں انہوں نے ہندوؤں، عیسائیوں، سکھوں اور پارسیوں کے افکار و خیالات اور حاصل مطالعہ اور گلہائے عقیدت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیے ہیں انہیں یک جا کر کے عمدہ کتابت، طباعت، مضبوط جلد خوب صورت ٹائیٹل کتابی شکل میں منظرِ عام پر لائے ہیں۔ بڑے عجیب و غریب واقعات جن میں نو مسلم تعلیم یافتہ حضرات نے بتایا ہے کہ ہم نے پیغمبر اسلام اور اسلام کی خوبی سے متاثر ہو کر اپنا آبائی اور خاندانی مذہب چھوڑا اور دامنِ اسلام میں آ گئے۔ تورات۔ انجیل۔ زبور۔ وید۔ اور ہندوؤں کی کلگی پران اور دیگر آسمانی الہامی کتابوں میں آنحضرت فداہ ابی و امی کی علامات۔ پیشگوئیاں اور بشارتیں جو مختلف اوراق میں منتشر تھیں انہیں اس کتاب میں سمو دیا گیا ہے: کتاب کے متعلق عنوانات یہ ہیں:

محمد رسول اللہ غیر مسلموں کی نظر میں۔ اخلاقِ محمدی۔ تعلیماتِ محمدیہ۔ قرآن غیر مسلموں کی نظر میں۔ تعلیماتِ قرآن۔ اسلام غیر مسلموں کی نظر میں۔ صحابہ کرامؓ غیر مسلموں کی نظر میں۔

خدماتِ محدثین کرام غیر مسلموں کی نظر میں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و دیانت کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے:۔ کہ آپ کی حیاتِ طیبہ سے لے کر آج تک آپ کے مخالفین ومعاندین آپ کے اوصافِ حمیدہ کی شہادت دے رہے ہیں۔

اس پرفتن دَور میں جب کہ لوگ مذہب اور اہلِ مذہب سے دُور ہو رہے ہیں اور رسولِ خداؐ کے خلاف اخلاق باختہ لوگ پراگندہ باتیں کر رہے ہیں، اس جیسی کتابوں کو منظرِ عام پر لانا ایک اچھی کوشش ہے۔ نوجوان طبقہ میں بالخصوص اور دیگر حضرات میں یہ کتاب زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔

روزنامہ مشرق لاہور

۳ر دسمبر ۱۹۷۲ء

مرتب:۔ مولانا محمد حنیف یزدانیؒ۔

زیرِ نظر کتاب میں ان بیانات کو مرتب کیا گیا ہے جو غیر مسلم شخصیتوں کی طرف سے آنحضرت کی شان میں خراجِ تحسین کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ شخصیتیں ایسی ہیں جنہوں نے فکر وعمل کے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دے کر ممتاز مقام حاصل کیا ہے۔ ان کے خراجِ تحسین سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت نے پورے انسانی ذہن کو کتنا متاثر کیا ہے۔

اس کتاب میں منظوم خراج ہائے تحسین بھی جمع کیے گئے ہیں۔ یہ مختلف ہندو شاعروں کی کہی ہوئی نعتیں ہیں۔

کچھ ایسی شخصیتوں کے بیانات بھی جمع کیے گئے ہیں جو نومسلم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

انہوں نے بتایا ہے کہ کون سی چیز تھی جس نے انہیں اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا۔

ہفت روزہ "زندگی" لاہور — ۶ تا ۱۲ جنوری ۱۹۷۴ء، جلد ۱۱، شمارہ ۲۹

محمد رسول اللہ ﷺ
(غیر مسلموں کی نظر میں)

مرتب: مولانا محمد حنیف یزدانی۔

"محمد رسول اللہ صلعم — (غیر مسلموں کی نظر میں)" جیساکہ نام سے ظاہر ہے آقائے دوجہاںؐ کے بارے میں مختلف مذاہب سے متعلق افراد کے اقوال پر مشتمل ہے۔ جن میں گاندھی جی، ٹیگور، مادھوجی ایل رسوانی، سروجنی نائیڈو، پروفیسر میڈیو، جارج سل، کارلائل، دیوان سنگھ مفتون اور منٹگمری واٹ قابلِ ذکر ہیں۔ بعض غیر مسلم شعراء کا منظوم خراجِ عقیدت بھی شامل کیا گیا ہے۔

ایک باب "اخلاقِ محمدیؐ کا بیان" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عادات واطوارِ مبارک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ "قرآن غیر مسلموں کی نظر میں" نامی باب میں تیس۳۰ غیر مسلموں کے قرآنِ پاک کے بارے میں خیالات کو یکجا کیا گیا ہے۔ یہ سب کے سب اپنے شعبہ کے ممتاز افراد ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر موری سن، پروفیسر اڈوائر مونتے، موسیو اجرجین، ڈاکٹر گبن، پروفیسر آرنلڈ وغیرہ۔

"قرآن" اس باب میں قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی عقائد کی تشریح کی گئی ہے۔ "اسلام غیر مسلموں کی نظر میں" اور "صحابہ کرام غیر مسلموں کی نظر میں" ان ابواب میں بھی فاضل غیر مسلموں کے اقوال جمع کیے گئے ہیں۔

آخری باب "خدماتِ محدثین" غیر مسلموں کی نظر میں — میں محدثین کی

گراں قدر خدمات اور لازوال کارناموں پر غیر مسلموں کا خراجِ تحسین مرتب کیا گیا ہے۔ ابواب کی تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب اپنے موضوع کے علاوہ بھی بہت کچھ سمیٹے ہے۔

اس دور میں جب کہ غیر ملکی نظریات کا سیلاب نوجوان ذہنوں پر چڑھ دوڑا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ایمان کو تازہ کرنے اور مضبوط بنانے کا باعث ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ

(غیر مسلموں کی نظر میں)

ہفت روزہ "خدام الدین" شیرانوالہ گیٹ لاہور۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ

بروز جمعۃ المبارک

۹ جون ۱۹۷۲ء

محسنِ انسانیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپ کی سیرتِ طیبہ کے موضوع پر اب تک جو کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اس کا احاطہ مشکل ہے۔ اور تا قیامت بہت کچھ لکھا جائے گا۔ اہلِ اسلام کے علاوہ غیر مسلموں نے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے سامنے عقیدت و محبت کے جو نذرانے پیش کیے ہیں وہی اگر یک جا کر دیئے جائیں تو کتب خانے قائم ہو جائیں۔

"محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غیر مسلموں کی نظر میں" کتاب بھی اسی مقدس سلسلہ کی ایک زریں کڑی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں چند شعراء کا نعتیہ کلام پیش کیا گیا ہے۔ اور بعد میں اپنے اپنے دور کی

مشہور اور عظیم تر غیر مسلم شخصیات مثلاً نپولین، بونا پارٹ، جارج برناڈ شاہ، ہٹی، سر ولیم میور، گاندھی، رابندرناتھ ٹیگور، سروجنی نائیڈو وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے فلسفیوں، دانش وروں اور عظیم اہلِ علم و فضل کا ندرانۂ عقیدت درج ہے۔

ترتیب، تدوین اور طباعت و اشاعت کے اعتبار سے کتاب معیاری ہے۔

★

عرضِ ناشر

(طبع دوم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفیٰ وَسَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفیٰ

امّا بعد

ناظرینِ کرام! کتاب "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، غیر مسلموں کی نظر میں" آپ کے سامنے ہے۔ ہم نے موجودہ ایڈیشن میں پہلے سے زیادہ اس کتاب میں اضافہ کیا ہے اور بعض مباحث کے متعلق قدرے تفصیل سے مواد جمع کیا ہے۔ جس کے متعلق غیر مسلم معترض ہوتے تھے۔ اس کا جواب انہی کی برادری کے لوگوں کی طرف سے لکھا ہے، بالخصوص تعدّد ازدواج کے بارہ میں۔ ابتداء میں ہندو شعراء کا نعتیہ کلام بھی پیش کیا ہے۔ کتاب کے مستقل عنوانات حسبِ ذیل ہیں:

- "محمد رسول اللہؐ - غیر مسلموں کی نظر میں"
- "قرآن - غیر مسلموں کی نظر میں"
- "اسلام - غیر مسلموں کی نظر میں"
- "صحابہ کرامؓ - غیر مسلموں کی نظر میں"
- "خدماتِ محدّثین کرامؒ - غیر مسلموں کی نظر میں"

آج غیر ملکی فحش و عریاں لٹریچر کی موجودگی میں اس امر کی ضرورت ہے کہ دینی و اسلامی لٹریچر نہایت خوبصورت انداز میں طبع کیا جائے اور نوجوان طبقہ

میں اسے پھیلایا جائے کیونکہ نوجوان قوم کی ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتے ہیں۔
جس قوم کے نوجوان پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور اسلام کے دالہ وشیدا
ہوں گے اس قوم کا مستقبل دینی و دنیاوی لحاظ سے ہمیشہ روشن رہے گا۔ دعا
ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس پاکیزہ کوشش کو دنیا و آخرت میں شرفِ قبولیت
بخشے۔ آمین ثم آمین یا ارحم الراحمین۔

۱۵ ر جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ
۱۲ ر مئی ۱۹۷۹ء
بروز ہفتہ

الخادم المخلص
العبد الضعیف

محمد حنیف یزدانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مؤلّف

ہرطرح کی حمدوثنا، خدائے واحد و یکتا کے لیے ہے۔ جس نے کل کائنات کو پیدا کیا، اور درود و سلام ہو اس نبئ برحقؐ پر جس نے کائنات میں حق کا بول بالا کیا۔

امّا بعد: اس احقر العباد طالب الرشاد کی دیرینہ آرزو تھی کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات جامع الصفات مجمع حسنات حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے متعلق دنیا بھر کے غیرمسلم دانش وروں اور مفکّروں کے اقوال جمع کر کے نوجوان تعلیم یافتہ دوستوں کی خدمت میں پیش کروں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ مغربی طبقہ جس مقدّس انسان اور اس کی تعلیمات کے متعلق آج گمراہ کن پراپیگنڈا کر رہا ہے اس کے متعلق اپنوں کا نہیں بلکہ دوسروں کا حاصلِ مطالعہ کیا ہے۔ جنہوں نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی کے ہر پہلو کو ناقدانہ طور سے دیکھا اور پڑھا ہے۔

الفضل ما شہدت بہ الاعداء

حقیقت یہ ہے کہ آج تک جتنے بھی دنیا میں نبی، پیغمبر، رسول، امام، رہنما، رشی اور بزرگ آئے ہیں۔ ان سب میں حبیبِ خدا اشرف الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ زندگی مبارک نہایت ارفع و اعلیٰ اور کامل و اکمل

قابلِ عمل، قابلِ تقلید اور لائقِ اتباع زندگی ہے۔ آپ کی سیرتِ پاک کو قرآن مجید میں "اسوۂ حسنہ" فرمایا گیا ہے۔ یہاں دنیا کا ہر شخص زندگی کے ہر پہلو کو بآسانی دیکھ سکتا ہے اور اپنی زندگی انہی اصول و آداب کے مطابق گزار سکتا ہے۔ آپ کی تعلیم اتنی جامع ہے کہ آپ کی زندگی مبارک میں آپ کی کھُلی مخالفت کرنے والے اور قتل کے پروگرام بنانے والے بھی آپ کو "صادق و امین" جیسے پیارے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ اعلانِ نبوت سے چند سال قبل جب کفارِ مکہ میں حجرِ اسود کے نصب کرنے پر خونریز جنگ چھڑنے والی ہے۔ آپ ہی کی حسنِ تدبیر سے یہ نزاع ختم ہوئی۔ اور پوری قوم نے آپ کو راستباز، دیانت دار قرار دیا۔ کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلی دفعہ اپنی قوم کو توحید کا اعلان سنایا تو آپ نے سب لوگوں سے دریافت کیا هَلْ وجدتمونی صادقًا اوکاذبًا (کیا تم نے مجھ کو سچا پایا یا جھوٹا) تو ساری قوم نے بیک زبان کہا۔ ماجربنا علیك الّا صدقًا (ہم نے آپ کو ہر حال میں سچا پایا)۔

ہجرت کی رات جب آپ گھر سے نکلتے ہیں تو اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کے لیے کہا اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں جا رہا ہوں لیکن میرے پاس جو یہاں کے لوگوں کی امانتیں ہیں وہ ان تک پہنچا کے آنا۔

ابوسفیان نے قبل از اسلام قیصر روم کے دربار میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوبیاں بیان کیں تو قیصر روم متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

پیارے ناظرین! اب غور طلب امر یہ ہے کہ جو لوگ آپ کو "صادق"

"امین" کہتے رہے۔ وہ پھر بھی کافر، مشرک قرار دیئے گئے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ واقعی راستباز اور دیانت دار تھے۔ لیکن وہ لوگ آپ کی ان خوبیوں کا اعتراف کرنے کے باوجود آپ کی دعوتِ توحید قبول نہیں کرتے اور آپ کی رسالت و نبوت پر ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کے دو جزو بیان کئے ہیں:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

جس طرح کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو خالق، مالک، رازق، علیم، خبیر، غفور، رحیم کہنے سے موحد نہیں ہوتا جب تک وہ الٰہ (معبود) نہ مانے۔ اسی طرح کوئی انسان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ محمد رسول اللہ نہ کہے۔ آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے، دنیا بھر کے غیر مسلم دانش وروں نے آپ کے حضور گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ آپ کی تعلیم کو سراہا ہے۔ آپ کے اخلاق کو مانا ہے۔ آپ کی سیرت کو بے داغ گردانا ہے۔ ان سب باتوں کے تسلیم کرنے کے باوجود وہ مسلمان نہیں اس لیے کہ انہوں نے قرآن پاک کا اعلان

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس کو تسلیم نہیں کیا۔

حدیث شریف میں صاف طور پر آیا ہے محمد فرق بین الناس آپ ہی کی رسالت سے کفر و اسلام، حق و باطل اور مسلم و غیر مسلم میں فرق ہے۔

آج دنیا میں مسلمان تمام انسانوں سے ایک علیحدہ قوم کیوں ہیں۔

اس لیے کہ یہ محمد رسول اللہ کا اعلان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اسی کلمہ پر قائم رکھے اور اسی پر موت نصیب فرمائے آمین۔

راقم آثم نے جہاں آپ کے متعلق غیر مسلموں کے اقوال جمع ہے اس کے ساتھ ساتھ اسلام، قرآن مجید اور صحابہ کرامؓ اور خدماتِ محدثین کا بھی ذکر مبارک کیا ہے اس لیے کہ قرآن مجید آپ کی رسالت و نبوت کی جیتی جاگتی زندہ اور تابندہ دلیل و برہان ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ اگر آج مسلمانوں کے ہاتھ میں قرآن نہ ہوتا تو پھر اس جیسی کوئی اور دلیل ان کے پاس کب ہوتی۔

اُم المؤمنین حبیبہ حبیب رب العالمین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے آپ کے "خُلق" کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواباً فرمایا

كان خلقه القران

یعنی آپ کا "خلق" قرآن ہے۔

جو باتیں قرآن نے اخلاقِ حسنہ کی بیان کی ہیں وہ تمام کی تمام آپ میں موجود ہیں، اور جو باتیں آپ میں اخلاقِ حسنہ کی موجود تھیں وہ قرآن میں ہیں۔

تو گویا کہ آپ چلتا پھرتا "قرآن" ہیں۔

تو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوگا، وہاں کلام اللہ کا ذکر بھی ضرور ہوگا۔

ایسے ہی جن خوش قسمت لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

زبان سے "کلام اللہ" سن کر ایمان قبول کیا، ان کا ذکر نہ کرنا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو تشنہ چھوڑنا ہے۔

"احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہیں"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

توجہاں آپ کا ذکر ہے وہاں آپ کی احادیث کو جمع کرنے والے مقدس گروہ کا بھی ذکر ہو گا یعنی یہ تمام چیزیں ایک زنجیر کی مختلف کڑیاں ہی ہیں۔ راقم آثم نے اسی لیئے "قرآن غیر مسلموں کی نظر میں"۔ صحابہ کرامؓ غیر مسلموں کی نظر میں، خدماتِ محدّثین غیر مسلموں کی نظر میں، مستقل عنوان قائم کر کے یہ تمام چیزیں بیان کی ہیں۔ کیونکہ ان سب چیزوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

آج جب کہ دنیا بھر کے غیر مسلم راہنماؤں اور لیڈروں کے بیانات اور خطبات بڑی تیزی کے ساتھ منظرِ عام پر آ رہے ہیں تو ضرورت اس امر کی ہے کہ آنحضرت فداہ ابی واُمّی، روحی وقلبی، عرضی ومالی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبات، ارشادات اور فرمودات بالخصوص آپ کے متعلق غیر مسلم مفکروں کے تاثرات منظرِ عام پر لانے چاہئیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ آج جن "حضرات" کے اقوال ہمیں دنیا میں امن، صلح اور معاشی ہمواری پیدا کرنے کے لیے سنائے جا رہے ہیں وہ خود تمام کے تمام آستانۂ نبوت و رسالت پر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ اور جو کچھ وہ "بول" رہے ہیں یہ ان کا اپنا بول نہیں بلکہ نبی اُمّی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی "میٹھا بول" دنیا والوں کو سنا چکے ہیں۔ تو جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں یہ سب کچھ موجود ہے تو تمام سمتوں اور جہتوں سے منہ موڑ کر اسی "مرکزِ اعظم" کی طرف ہمیں اپنا منہ کرنا چاہیئے اسی میں ہماری فلاح اور دنیا کا امن موجود ہے۔

پیارے ناظرین! یہ بات نہایت دُکھ کے ساتھ عرض کی جارہی ہے کہ جو ملک ہم نے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مقدس نام پر حاصل کیا تھا۔ آج اسی ملک میں "ماؤ" اور "لینن" وغیرہ بے دین لوگوں کا پرچار ہو رہا ہے۔ ان کی تقریریں اور خطابات نہایت بے دریغی سے یہاں پھیلائے جارہے ہیں بلکہ ان لوگوں کی "ہمتِ مردانہ" کی داد دیجئے کہ کروڑوں کی تعداد میں دنیا کی ہر زبان میں نئے خوبصورت انداز میں ان کی تقریریں طبع ہو کر نوجوان طبقہ میں "مفت" تقسیم ہو رہی ہیں۔ اور ہمیں غیب سے یہ آواز سنائی نہیں دیتی ؏

تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

علمائے کرام اور "مخیر" حضرات کو چاہیئے کہ وہ دیگر تبلیغی امور کو معطل کر کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات اور فرمودات کو بذریعہ لٹریچر نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ میں زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کریں۔ یہ کام صرف علمائے کرام کی کوششوں سے نہیں ہونے والا جب تک کہ مالدار حضرات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کردار ادا نہ کریں۔

انگریز بہادر جب سے متحدہ ہندوستان میں آیا اس کے بعد بیچارے علماء ہی اس کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ متحدہ ہندوستان، قبل از تقسیم بعد از تقسیم ہندو پاکستان میں جتنا بھی دین کا کام ہو رہا ہے وہ صرف علمائے کرام کی ہمتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان کا تو ذکر چھوڑیئے پاکستان جو کہ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اس میں برسرِاقتدار طبقہ کی طرف سے آج تک کوئی ایسا ٹھوس تبلیغی و اشاعتی ادارہ قائم نہیں کیا گیا جس کا مقصد واحد پاکستان اور دیگر ممالک میں تبلیغ اسلام ہو اور خود سرکاری طبقہ اس دینی ادارہ سے ہدایات حاصل کرے۔

علماء کرام صد مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ اس گئے گزرے دور میں بھی قرآن وحدیث اور کتاب وسنّت کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں جن کے دم قدم سے آج دنیا بھر کی لاکھوں مسجدیں، ہزاروں مدرسے، سینکڑوں کتب خانے اور بیسیوں تبلیغی واشاعتی ادارے قائم ہیں۔

دورِ حاضر کی بے دینی، لادینی، عیاشی، فحاشی، بے حیائی، بے پردگی اور دین سے بے پرواہی بلکہ دین کے مقابلہ پر ڈھٹائی کا مقابلہ صرف اور صرف "مُلّا" ہی کر رہا ہے۔

لیکن پھر بھی ؎

برق گرتی ہے تو بیچارے "مسلمانوں" پر

اللہ تعالیٰ مرحومین علماء کرام کی لغزشیں معاف کرے، درجات بلند فرمائے اور موجود زندہ علماء کو مزید خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔

ہماری قومی، ملکی، وطنی، دینی اور اسلامی ترقی وکامیابی بلکہ زندگی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات وارشادات میں موجود ہے ؎

تیری زندگی اسی سے، تیری آبرو اسی سے

ورنہ

تیرے در سے جو یار پھرتے ہیں یونہی دربدر خوار پھرتے ہیں

پیارے ناظرین! آیئے ہم اللہ تعالیٰ سے عہد وپیمان کریں کہ ہم ساری زندگی تیری اور تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک تعلیم کو عام کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقط والسلام

الخادم المخلص

محمد حنیف یزدانی

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ

۴ ردسمبر ۱۹۶۹ بروز جمعرات

بوقت ۲ بجے دن

ہندو شعراء

کا

نعتیہ کلام

اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

کس نے ذرّوں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا؟

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اسکے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا؟

شوکتِ مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کر دیا؟

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا؟

کہہ دیا لا تقنطوا اخترؔ کسی نے کان میں
اور دل کو سر بسر محوِ تمنّا کر دیا؟

سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسنِ کائنات
اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا؟

آدمیّت کا غرض ساماں مہیّا کر دیا
"اِک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا"

پنڈت هری چند اختر ایم۔اے دھلی

رحمت اللعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم)

(جگن ناتھ آزاد)

خلیق آئے، کریم آئے، رؤف آئے، رحیم آئے
کہا قرآن نے جس کو صاحب خُلقِ عظیم آئے
بشر بن کر جمالِ اوّلیں (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے
متاعِ صدق لے کر صادق الوعد و امینؐ آئے
وہ آئے جن کو کہیئے فخرِ آدمؑ، ہادیٔ اکرمؐ
وہ آئے جن کو لکھیئے زندگی کا محسنِ اعظمؐ
تجلّی عام فرماتے ہوئے شمس الضحےٰ آئے
امام الانبیاء آئے، محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے
مبارک ہو زمانے کو کہ ختم المرسلینؐ آئے
سحابِ رحم بن کر رحمت اللعالمینؐ آئے

(ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۲ مئی ۱۹۷۰ء)

جانِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

(چوہدری دِتّو رام کوثری)

عظیم الشان ہے شانِ محمدؐ
خدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ

کتب خانے کیے منسوخ سارے
کتابِ حق ہے قرآنِ محمدؐ

فرشتے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں
غلامانِ غلامانِ محمدؐ

نبی کا نطق ہے نطقِ الٰہی
کلامِ حق ہے فرمانِ محمدؐ

ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ
یہی ہیں چار یارانِ محمدؐ

علی و فاطمہ شبّیر و شبّر
بسا ان سے گلستانِ محمدؐ

بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا
میں ہوں ہر دم ثنا خوانِ محمدؐ

(صلی اللہ علیہ وسلم)

بتایا تو نے

لالہ لال چند صاحب فلک

نغمۂ وحدتِ حق دہر میں گایا تو نے
کملی والے یہ عجب گیت سنایا تو نے

ربِّ بے مثل کا دنیا میں بٹھا کر سکّہ
نقش اوہام پرستی کا مٹایا تو نے

پڑ گئے ماند سبھی شرک خودی کے اختر
مہرِ توحید کا جلوہ جو دکھایا تو نے

جو شراب اور نشے کے تھے ازل سے مشتاق
مئے وحدت کا انہیں جام پلایا تو نے

باہمی نفرت و کینہ تھا وطیرہ جن کا
انس و اُلفت کا سبق ان کو پڑھایا تو نے

خوابِ غفلت پڑے سوتے تھے مکّی مدّنی
لبِ اعجاز سے قُم کہہ کے اُٹھایا تو نے

ریت کے ذرّوں کو بارُود کی طاقت بخشی
خاکِ ناچیز کو اکسیر بنایا تو نے

کر دیا اک شہنشاہ و گدا کا رُتبہ
اُونچ اور نیچ کا سب فرق مٹایا تو نے

دخترِ حارث غمگین کو رہائی بخشی
قیدِ پرغم سے غلاموں کو چھڑایا تو نے

کیوں نہ قربان مسلمان تیرے نام پہ ہوں
حق پرستی کا جنہیں طور بتایا تو نے

گنبد و سقفِ فلک گوش زمیں گونج اٹھے
نعرۂ توحید اللہ جو لگایا تو نے

درود و سلام

جناب عرش ملسیانی۔ بی اے

ہے جبریل در کا غلام اللہ اللہ نبوّت کا یہ اہتمام اللہ اللہ

یہ شانِ فصاحت یہ آیاتِ مصحف کلیم اللہ اللہ، کلام اللہ اللہ

لبِ مُصطفےٰ پر یہ اسرارِ وحدت یہ بادہ یہ مینا یہ جام اللہ اللہ

نہ قول و عمل میں کوئی فرق مطلق پیامی سراسر پیام اللہ اللہ

یہ ملّت کی شیرازہ بندی کا آئین

یہ تنظیم دیں کا نظام اللہ اللہ

★

دُعائے خلیل علیہ السّلام

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا

عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔

(پارہ ۱، رکوع ۱۵)

ترجمۃ : اے ہمارے مولا! تو ان میں ان ہی میں سے ایک رسولؐ پیدا کیجیو۔ جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سُنا دے۔ اور کتاب آسمانی اور نیک اخلاق ان کو سکھا دے اور ان کو پاک صاف کرے بے شک تو غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

از مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

★

★

نوید مسیحا علیہ السّلام

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ

رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ

التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْم بَعْدِی

اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ ؕ (پارہ ۲۸، رکوع ۹)

تَرجَمَہ : اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے اسرائیل کے بیٹو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول (ہو کر آیا) ہوں، میں اپنے سے پہلی کتاب توراۃ کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور ایک رسول کی خوشخبری سناتا ہوں۔ اس کا نام بڑی تعریف والا ہے۔

(از مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ)

★

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر تورات اور انجیل میں

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵

(پارہ ۹ رکوع ۹)

ترجمہ :- (اللہ تعالیٰ کی رحمت ان لوگوں کے لیے ہے) جو رسول نبی امی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی (دینی امور) میں تابعداری کریں گے۔ جس کو وہ تورات، انجیل میں لکھا ہُوا اپنے پاس پائیں گے۔ جو ان کو نیک باتوں کا حُکم دے گا اور ناجائز کاموں سے منع کرے گا اور حلال طیب ان کو حلال بتائے گا اور (جو) حرام (رہوں گے) ان کو حرام ٹھہرائے گا اور ان (یہودیوں اور عیسائیوں) سے احکام کی سختی اور گلے کے پھندے جو اِن پر پڑے ہوں گے دُور کر دے گا۔ پس جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کی عزت و توقیر کی اور اس کی مدد کی اور جو نور (قرآن) اس نبی کے ساتھ اُترا اس کی تابعداری کیے ہوں گے۔ وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

(از مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ)

عن عطاء بن يسار قال لقيت عبد الله بن عمرو بن العاص قلت اخبرني عن صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم في التوراة قال اجل والله انه لموصوف في التوراة ببعض صفته في القرآن يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شاهدا ومُبشّرًا ونذيرًا وحرزا للاميّين انت عبدی و رسولی سمّيتك المتوكل ليس بفظٍّ ولا غليظ ولا سخّاب في الاسواق ولا يدفع بالسّيّئه السّيّئه ولكن يعفو ويغفر ولن يقبضه الله حتّٰى يقيم به الملّة العوجاء بان يقولوا لا اله الا الله ويفتح بها اَعْيُنًا عُمْيًا واٰذانًا صُمًّا و قلوبًا غُلْفًا۔

رواه البخاری والدارمی۔ کذا فی المشکوٰة صد ۵۱۲

روایت ہے عطا بیٹے یسار کے سے کہ کہا انہوں نے ملا میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا میں نے مجھ کو خبر دو بعضے صفتوں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سے کہ جو تورات میں مذکور ہیں۔ کہا عبداللہ نے ہاں خدا کی قسم بے شک وصف کیے گئے ہیں آنحضرتؐ تورات میں ساتھ بعضے صفتوں اپنی کے جو مذکور ہیں قرآن میں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحقیق بھیجا ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور پناہ واسطے امیتوں (اَن پڑھ لوگوں) کے تو بندہ خاص ہے میرا اور رسول ہے میرا میں نے تیرا نام رکھا متوکل نہیں بدخو اور نہ سخت گو اور نہ غل مچانے والے بازاروں میں اور نہیں دُور کرتا بدی کو بدی کے ساتھ ولیکن درگزر کرتا ہے اور ڈھانپتا ہے اور نہ قبض کرے گا اللہ رُوح اس کی یہاں تک کہ سیدھا کرے بسبب

ان کے قوم گمراہ کو ساتھ اس طرح کے کہ کہیں نہیں کوئی معبود مگر اللہ اور یہاں تک کہ کھولے بسبب اس کلمہ طیبہ کے آنکھیں اندھی اور کان بہرے اور دل کہ پردہ میں ہیں۔ ترجمہ از مشکوٰۃ غزنوی حصہ چہارم صنہ ۲۳

عن کعب یحکی عن التوراۃ قال نجد مکتوبا محمد رسول اللہ عبدیَ المختار لافظٌّ ولا غلیظٌ ولا سخّابٌ فی الاسواقِ ولا یجزی بالسیّئۃِ السیّئۃَ ولکن یعفو ویغفر مولدہ بمکۃ وھجرتہ بطیبۃ ومُلکُہٗ بالشام وامّتہ الحمادون یحمدون اللہ فی السرّاء والضرّاء یحمدون اللہ فی کل منزلۃ ویکبّرونہ علیٰ کل شرف رعاۃ للشمس یُصلون الصّلوٰۃ اذا جاء وقتھا یتازّرون علی انصافھم ویتوضئُون علےٰ اطرافھم منادیھم ینادی فی جوّ السّماء صفھم فی القتال وصفھم فی الصلوٰۃ سواءٌ لھم باللیل دوی کدوی النحل۔

ہذا لفظ المصابیح وروی الدارمی مع تغییر یسیر

کذا فی المشکوٰۃ ص۱۵۱

روایت ہے کعب احبار سے روایت کرتے ہیں تورات سے کہا لکھا ہُوا پاتا ہوں میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا ہُوا خدا کا بندہ میرا ہے برگزیدہ، نہیں درشت خو اور نہیں سخت گو اور نہ چلّانے والا بازاروں میں اور بدلہ نہیں لیتا ساتھ بُرائی کے بُرائی کا۔ ولیکن معاف کرتا ہے اور بخش دیتا ہے۔ اس کی پیدائش مکہ میں ہے، اور جگہ اس کی ہجرت کی مدینہ ہے اور بادشاہی اس کی شام میں ہے اور اُمت اس کی بہت حمد کرنے والی ہے۔ شکر کریں گے وہ خدا کا شادی اور غمی میں۔ شکر کریں گے وہ خدا کا ہر منزل میں اور

خدا کی بڑائی کریں گے ہر بلندی پر. نگہبانی کرنے والے ہوں گے سورج کی۔ ادا کریں گے نماز جب آئے وقت اس کا۔ آزار باندھیں گے اپنے کمروں پر۔ اور وضو کریں اپنی طرفوں پر آواز کرنے والا ان کا آواز کرے آسمان و زمین کے درمیان۔ صف ان کی لڑائی میں اور صف ان کی نماز میں برابر ہے۔ ان کی ہے رات کو پست آواز جیسا کہ شہد کی مکھی کی آواز۔

عن عبد اللہ بن سلام قال مکتوب فی التوراۃ صفۃ محمد وعیسٰی بن مریم یدفن معہ قال ابومودود وقد بقی فی البیت موضع قبر۔

رواہ الترمذی کذا فی المشکوٰۃ ص۵۱۵

روایت ہے عبد اللہ بن سلام سے کہا کہ لکھی ہوئی ہیں صفتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور یہ بھی لکھا ہے کہ عیسیٰ بیٹے مریم علیہ السلام کے دفن کیے جائیں گے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ ان کے حجرہ میں۔ کہا ابومودود (راوی ہے اس حدیث کا) نے اور تحقیق باقی ہے حجرہ شریف میں ایک قبر کی جگہ روایت کی یہ ترمذی نے۔

بعثتِ نبویؐ کی حیرت انگیز پیش گوئی

ہندوؤں کی مشہور کتاب کلنگی پران کے بارھویں باب میں حسبِ ذیل پیش گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے متعلق موجود ہے۔

"جگت گرو وشنو بھگت اور سومتی سے پیدا ہوگا۔ اس کی پیدائش ۱۲ بیاکھ

پیر کے دن سُورج نکلنے سے دو گھڑی بعد ہو گی۔ اس کا پتا اس کے پیدا ہونے سے پہلے پرلوک سدھار جائے گا۔ اس کی ماتا بھی بعد میں فوت ہو جائے گی۔ جگت گرو کی سمبل دیپ کی شہزادی سے شادی ہو گی۔ شادی کے موقع پر اس کا ایک چچا اور تین بھائی موجود ہوں گے۔ ایک غار میں پرسرام اسے تعلیم دے گا۔ اور جس وقت سمبل دیپ میں اپنے شہر سمبالا میں آئے گا۔ وہ اپنی تعلیم کا پرچار شروع کر دے گا۔ جس پر اس کے عزیز و اقارب سخت ناراض ہوں گے۔ ان مصائب سے تنگ آ کر وہ شمالی پہاڑیوں کی طرف بھاگ جائے گا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد اسی شہر میں وہ تلوار لے کر آئے گا اور تمام ملک فتح کرے گا۔ جگت گرو کے پاس ایک گھوڑا ہو گا۔ جس میں بجلی سے زیادہ پھرتی ہو گی جس پر سوار ہو کر وہ زمین اور سات آسمانوں کی سیر کرے گا۔"

★

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابت پیشگوئی سام وید میں آپکا نام مبارک خاص طور پر ذکر کر کے اس طرح کی گئی ہے

۱۔ وہ ہر مقدس رسم کا مربی۔

۲۔ رعد والا (یعنی بارُعب)

۳۔ نہایت تعریف کیا گیا (آپ کے اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معنیٰ ہے۔

۴۔ اندر یعنی صاحبِ اقبال۔

۵۔ قلعوں کو توڑنے والا جوان، عقیل، بے اندازہ قوت کا پیدا کیا گیا۔

۶۔ پتھر رکھنے والا (حجرِ اسود نصب کرنے کی طرف اشارہ ہے)

۷۔ گڑھے کا کھودنے والا (واقعہ خندق کی طرف اشارہ ہے)

سام وید۔ دوسرا حصہ۔ باب پنجم۔ فصل اوّل
پر پاٹھک بستم ص ۲۵ امترجمہ بابو پیارے لال صاحب
زمیندار بروٹھا مطبوعہ ودیا ساگر پریس۔ پروٹھا ضلع علی گڑھ ۱۸۹۷ء

ماخوذ از محمد رشی

مؤلفہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

★

حضرت محمدؐ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

غیر مسلموں کی نظر میں



سردارِ اعظم

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دراصل سردارِ اعظم تھے ۔ آپ نے اہلِ عرب کو درسِ اتحاد دیا ۔ آپ نے ان کے تنازعات اور مناقشات ختم کیے ۔ تھوڑی ہی مدت میں آپ کی امت نے نصف دنیا کو فتح کر لیا ۔ پندرہ سال کے عرصے میں لوگوں کی کثیر تعداد نے جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی ۔ مٹی کی بنی ہوئی دیویاں مٹی میں ملا دی گئیں ۔ بت خانوں میں رکھی ہوئی مورتیوں کو توڑ دیا گیا ۔ یہ حیرت انگیز کارنامہ تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا ۔ یہ سب کچھ صرف پندرہ ہی سال کے عرصے میں ہو گیا ۔ جب کہ پندرہ سو سال میں بھی حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام اپنی امتوں کو صحیح راہ پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تھے ۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عظیم انسان تھے جب آپ دنیا میں تشریف لائے اس وقت اہلِ عرب صدیوں سے خانہ جنگی میں مبتلا تھے ۔ دنیا کے سٹیج پر دیگر قوموں نے جو عظمت و شہرت حاصل کی ۔ اس قوم نے بھی اس طرح ابتلاء و مصائب کے دَور سے گزر کر عظمت حاصل کی ۔ اور اس نے اپنی رُوح و نفس کو تمام آلائشوں سے پاک کر کے تقدس و پاکیزگی کا جوہر حاصل کیا ۔

(نپولین بونا پارٹ)

انسانیّت کے نجات دہندہ

ازمنہ وسطیٰ میں عیسائی راہبوں نے جہالت و تعصب کی وجہ سے مذہب اسلام کی بڑی بھیانک تصویر پیش کی ہے۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ انہوں نے تو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے مذہب کے خلاف باضابطہ تحریک چلائی۔ انہوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا۔ میں نے اِن باتوں کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک ہستیٔ عظیم اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔

(جارج برناڈ شا)

بطلِ عظیم

ہم میں سے ان لوگوں کے لیے جن کے نزدیک انسان ہی سب کچھ ہے ماحول کچھ نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس حقیقت کی عظیم الشان مثال ہیں کہ ایک انسان کیا کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن وہ لوگ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تاریخ کے انقلابات کسی ایک فرد کی کوشش سے کہیں زیادہ ماحول کی خصوصیات اور قلبِ انسان کی استعداد قبولیّت کے رہینِ منّت ہیں۔ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اگر تاریخ میں انقلاب آنا ہی تھا (جو عرب میں آیا) تو محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بغیر یہ انقلاب ایک غیر متعیّن عرصہ تک معرضِ التوا میں رہتا۔

یہ انقلاب کیا تھا؟ عربوں کے لیے یہ انقلاب ایک نئی زندگی تھی جو انہیں تاریکی سے نور کی طرف لے آئی تھی۔ عرب اس کے ذریعے پہلی دفعہ زندہ ہوا۔ ایک ایسی قوم جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کے عالم میں ریوڑ چراتی پھرتی تھی۔ ان کی طرف ایک رسول آیا۔ جو اپنے ساتھ ایک ایسا پیغام لایا جس پر وہ قوم ایمان لے آئی۔ وہ دیکھو دیکھو ہی گمنام پروا ہے دنیا کی ممتاز ترین قوم بن گئے۔ وہ حقیر قوم ایک عظیم الشان ملّت میں تبدیل ہو گئی۔ ایک صدی کے اندر اندر عرب ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی تک چھا گئے۔ اس کے بعد سینکڑوں برس ہو چکے ہیں۔ کہ یہ اسی شان و شوکت اور درخشندگی و تابندگی سے کرۂ ارض کے ایک عظیم حصے پر مسلط ہیں (یہ سب کچھ ایمان کی حرارت سے ہوا) ایمان بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان ہی سے زندگی ملتی ہے۔ جونہی کسی قوم میں ایمان پیدا ہوا۔ اس قوم کی تاریخ اعمال میں نتائج اور روح میں بالیدگی پیدا کرنے والی بن گئی۔

وہ عرب۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ایک سو سال کا عرصہ۔ کیا یہ انقلاب ایسا ہی نہیں جیسے ریت کے کسی سیاہ گمنام ٹیلے پر آسمان سے بجلی کی لہر آگرے۔ اور وہ ریت کا تودہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک آتش گیر مادہ میں تبدیل ہو کر اس طرح سے بھک سے اڑ جائے۔ کہ دہلی سے غرناطہ تک اس کے شعلوں کی لپیٹ میں آجائے۔ نوعِ انسانی خشک نیستاں کی طرح ایک شرارہ کے انتظار میں تھی۔ وہ شرارہ اس بطل جلیل کی صورت میں آسمان سے آیا۔ اور تمام نوع انسانی کو شعلہ صفت بنا گیا (ٹامس کارلائل)

★

بھائی بھائی

یہ عرب کی تاریخ میں پہلی کوشش تھی کہ انہیں خون کی بجائے مذہب کے نام پر ایک مرکز پر جمع کیا جا رہا تھا۔ اللہ اس سلطنت کا حاکم اعلےٰ تھا۔ بنا بریں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے روحانی فرائض کے علاوہ ایسے فرائض بھی انجام دیتے تھے جیسے سلطنتوں کے احکام اس کی ملت میں سب کے سب قبائلی رشتوں اور پرانے علاقات سے یکسر منقطع ہو کر اصولاً بھائی بھائی بن گئے۔

(ہٹی مصنف تاریخ عرب)

ایک انقلاب

ہمیں بلاتکلف اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیئے کہ (تعلیم نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان تاریک توہمات کو ہمیشہ کے لیے جزیرہ نمائے عرب سے باہر نکال دیا۔ جو صدیوں سے اس ملک پر چھا رہے تھے۔ بُت پرستی خارج البلد ہو گئی۔ توحید اور خدا کی موجودہ رحمت کا تصور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متبعین کے دلوں کی گہرائیوں اور زندگی کے اعماق میں جاگزیں ہو گیا۔ معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہ رہی۔ ایمان کے دائرہ میں برادرانہ محبت، یتیموں کی پرورش، غلاموں سے احسان، حرمتِ خمر، سب جوہر نمودار ہو گئے۔ امتناعِ شراب میں جو کامیابی اسلام نے حاصل کی اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی۔

(سر ولیم میور مصنف لائف آف محمد)

★

"آپ نے ہر مذہب کی اصلاح کر دی"

سب سے پہلے اس حقیقت کا بلا تکلف اعتراف کر لینا چاہیئے کہ اپنی قوم کے لیے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات بڑے احسانات کی موجب تھی۔ وہ اس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں سیاسی تنظیم، معقول عقائد اور پاکیزہ اخلاق سے کوئی شناسا نہ تھا۔ انہوں نے یہ تینوں چیزیں پیدا کر دیں۔ انہوں نے اپنی ذہانت سے بیک وقت سیاسی حالت، مذہبی عقائد اور ضابطۂ اخلاق کی اصلاح کر دی۔ انہوں نے مختلف قبیلوں کی جگہ انہیں ایک قوم بنا دیا مختلف دیوتاؤں اور آقاؤں کی جگہ ایک خدا پر ایمان کی تعلیم دی۔ اور بڑی بڑی معیوب اور قبیح رسومات کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیا۔ جوں جوں اسلام اپنے قدم عرب کی سرزمین سے باہر رکھتا گیا۔ کئی وحشی قومیں جنہیں اس نے اپنی آغوش میں لیا۔ نعمائے اسلام کی وارث بنتی چلی گئیں۔ اسلام (نوعِ انسانی کے لیے) برکات کا موجب تاریکی سے نور اور شیطان سے خدا کی طرف رجعت کا باعث ہے۔ (ریو سٹیفنس)

عالمی انقلاب کا معلّم

اسلام اس دنیا کے لیے پیغامِ نجات و سعادت تھا جو جسمانی اور ذہنی مصائب میں مبتلا تھی اور دوسروں کی غلامی نے جسے چکنا چور کر رکھا تھا۔ اس نے عدل و انصاف کے عصر جدید کا اعلان کیا۔ جس عالمگیر حکومت کی طرح

اسلام نے رکھی۔ اس میں نسلی امتیاز کا کوئی دخل نہ تھا۔ اس کا ایک ہی قانون تھا۔ سب کے لیے یکساں عدل اور محبت۔ اس حقیقتِ کبریٰ کو جتنی مرتبہ دہرایئے کم ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ صرف ایک عظیم القدر مذہب کا پیغامبر تھا جس نے اس دنیا کی روحانی تسکین کا سامان فراہم کیا، بلکہ وہ ایک ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی انقلاب کا معلم تھا جس کی نظیر تاریخ نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ (جارج ریلواری)

گاندھی جی کا ہدیۂ عقیدت

اسلام نے اپنے انتہائی عروج کے زمانہ میں تعصب اور ہٹ دھرمی سے پاک تھا۔ اسلام نے تمام دنیا سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ جب مغرب پر تاریکی اور جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اس وقت مشرق سے ایک ستارہ نمودار ہوا۔ ایک روشن ستارہ جس کی روشنی سے ظلمت کدے منور ہو گئے۔ اسلام دینِ باطل نہیں ہے، ہندوؤں کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ بھی میری طرح اس کی تعظیم کرنا سیکھ جائیں۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اسلام بزورِ شمشیر نہیں پھیلا۔ بلکہ اس کی اشاعت کے ذمہ دار رسولِ عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایمان، ایقان، ایثار اور اوصافِ حمیدہ تھے۔ ان صفات نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔ یورپی اقوام جنوبی افریقہ میں اسلام کو سُرعت کے ساتھ پھیلتا دیکھ کر خوفزدہ ہیں۔ اسلام جس نے اُندلس کو مہذب بنایا۔ اسلام جو مشعلِ ہدایت کو مراکو تک لے گیا۔ اسلام جس نے اخوت کا درس دیا۔ جنوبی افریقہ میں یورپی اقوام محض اس لیے ہراساں ہیں کہ وہ جانتی ہیں

کہ اگر اصل باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تب وہ ہمسرانہ حقوق کا مطالبہ کریں گے اور لڑا کریں گے۔ اگر اخوت گناہ ہے تب ان کا خوف راستی پر مبنی ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے۔ زولو عیسائیت قبول کرنے پر بھی عیسائی حقوق حاصل نہیں کر سکا۔ لیکن جونہی وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوا، مسلمانوں کے ساتھ اس کا رابطہ اتحاد پیدا ہو گیا۔ یورپ اس اتحادِ اسلام سے خائف ہے۔

"یتیموں کا والی"

پیمبرؐ کی توجہ خصوصی کے مرکز غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے۔ وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے اس لیے دل سے چاہتے تھے کہ جو حسنِ سلوک ان کے ساتھ خدا نے کیا ہے وہی دوسروں کے ساتھ رکھیں۔

(محمڈ اینڈ محمڈنزم صہ۲۵۱ برطانوی مصنف باسورتھ اسمتھ)

"یتیموں سے محبّت"

قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوار ترین چیز یہ معلوم ہوتی ہے کہ محمدؐ کو بچوں کا کس قدر خیال تھا۔ خصوصاً ان بچوں کا جو والدین کی سرپرستی سے محروم ہو گئے ہوں۔ بار بار تاکید بچوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ملتی ہے۔

(ڈاکٹر رابرٹس سوشل لاز آف دی قرآن صہ۴۰-۱۴۱)

یتیموں کے حقوق کا علمبردار

محمدؐ نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی۔ یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر اور ان سے بدسلوکی کرنے والوں اور ان کے حقوق غصب کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرتِ محمدیؐ کے اس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں جس پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے۔

(ص ۱۴۱ مذکور کتاب)

ڈاکٹر سر رابندر ناتھ ٹیگور

اسلام دنیا کے مذہبوں میں سب سے بڑا مذہب ہے۔ میں آج سیرت النبیؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبارک موقع کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور مسلمان بھائیوں کے ساتھ نبی اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیغام رحمت کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اسلام کا پیغام ساری دنیا کے لیے ہے۔ دنیا میں امن وسکون اسی پیغام ربانی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ میں پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں تعظیم وتکریم ارادت اور عقیدت مندی کا ناچیز تحفہ پیش کرتا ہوں۔

سادھو ٹی، ایل وسوانی

میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کورنش بجا لاتا ہوں۔ وہ دنیا کی ایک عظیم الشان ہستی ہیں۔ وہ ایک قوت تھی جو انسان کی بہتری کے لیے صرف

ہوئی۔ ایامِ سلف کی داستان کا مطالعہ کرو تاکہ تمہیں اس کی شوکت و سطوت کا پتہ چلے۔ بادشاہ اور روحانی رہبر ہوتے ہوئے وہ اپنی گلیم کو خود پیوند لگاتے۔ وہ غائب کی آواز پر لبیک کہتے۔ اے کملی والے اُٹھ اور تبلیغ کر۔ لوگوں نے انہیں ایذا دی اور ان کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ لیکن انہوں نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہ کی۔ وہ امن و راستی کی تلقین کرتے رہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پیغمبر اور راہبر تھے۔ میں ان کے آخری الفاظ پر اکثر غور کرتا رہتا ہوں۔ "مالک مجھے بخش دے اور اپنے نیک بندوں میں اٹھا۔" تم میں سے کون ہے جو اس امر سے انکار کرے کہ وہ اعلیٰ زندگی اور اعلیٰ موت رکھتے ہیں۔ اسلام نے دنیا میں رہبانیت کا خاتمہ کر دیا۔ اسلام نے دُختر کُشی کی رسم کو بند کر دیا۔ اسلام نے اپنے شیدائیوں پر امّ الخبائث (شراب) کو حرام کر دیا۔ اسلام نے ہمت، شجاعت اور بُردباری کی تعلیم دی۔ اس زمانے میں جب کہ یورپ علم و حکمت سے بے بہرہ تھا۔ اسپین کے مسلمان علم و ادب کی مشعل کو ہاتھ میں لے کر گمراہ لوگوں کو راہِ راست دکھلا رہے تھے۔ وہ ادبیات، ریاضیات، کیمیا، تاریخ اور فلسفہ میں اپنا ہمعصر نہ رکھتے تھے۔ ہندوستان کی گردن اسلام کے احسانوں سے دبی ہوئی ہے۔ ہندوستانی فلسفہ شعر و سخن اور فنِ تعمیر کو اسلام نے چار چاند لگا دیئے۔ تاج (محل) اقلیم تعمیر کا شہنشاہ ہے۔

اسلام حریّت و اخوت کا داعی ہے۔ غلامی کے خلاف سب سے پہلے (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جہاد کیا۔ جب کہ انہوں نے فتح یروشلم پر تمام غلام رہا کر دیئے۔

★

لین پول نے کہا

"ظلم محمدؐ کی سرشت ہی میں نہ تھا۔"

بارسورتھ سمتھ کا بیان

"انہوں نے عمر بھر کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ کوئی مصافحہ کرتا تو نہ وہ اپنا ہاتھ الگ کرنے میں پہل کرتے، نہ از خود اس سے الگ ہوتے۔ گفتگو بہت نرم و شیریں کرتے۔"

ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے

"پیغمبرؐ کا میلانِ طبع ہمیشہ نرمی ہی کی جانب رہتا۔"

سروجنی نائیڈو کا حجازی نغمہ

میرا تعلق ایک ایسے مذہب سے ہے جسے عام طور پر الہامی مذاہب کے دائرے سے خارج سمجھا جاتا ہے یعنی اس کی بنیاد الہامی کتاب پر نہیں۔ تاہم میں اپنے آپ کو اس قابل پاتی ہوں کہ اس عالمگیر اخوت کا آپ کے سامنے اعتراف کروں جس کے نقش میرے دل پر موجود ہیں۔ اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پاکیزہ اور شاندار کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ پیغمبر اسلام کو اس عالی شان اور عجیب و غریب صداقت کا پورا علم تھا۔ اس پاک انسان نے اپنے آپ کو معبودیت اور پرستش کا محل قرار نہیں دیا۔ اس کو انسان کی طاقت اور کمزوری کا پورا علم تھا۔ وہ بنی نوع انسان کے اندر تھا۔ لوگوں کے ساتھ

بولتا، انہیں کے ساتھ چلتا پھرتا اور کام کرتا پھرتا تھا۔ وہ خود بھی انسان تھا۔ اپنے رات دن کے عملی نمونوں سے اس مقدس انسان نے یہ شاندار سبق اپنے پیروؤں کو سکھلایا کہ زبان سے جو کچھ کہتا ہے اور جس بات کی تلقین کرتا ہے اس پر اس کا خود بھی عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ وہ خدا ہو کر دنیا میں نہیں آیا بلکہ انسان ہو کر انسانوں ہی کی طرف آیا۔ وہ پاک انسان ایک نفرت سے بھرپور، بغض و تعصب سے مخمور دنیا کی طرف آیا۔ اور اس صحرا کے اندر جو اس کی پیدائش کا گہوارہ تھا، ایک نہ مٹنے والی صداقت کا اس پر انکشاف ہوا۔ جو رب العالمین کے دو پاکیزہ الفاظ میں مضمر ہے۔ یعنی اس خدا کو آپ نے پیش کیا۔ جو تمام اقوام و ممالک اور تمام مذاہب کا ایک ہی خدا ہے۔ اسلام میں حقیقی اور خالص جمہوریت کا رنگ پایا جاتا ہے جو اعلیٰ شان و شوکت کے لحاظ سے ہمارے زمانے کی نام نہاد اور بدنام جمہوریت کی بے حقیقت اور قابلِ اعتراض اشکال سے کوسوں دور اور اعلیٰ تر ہے۔

فرنچ پروفیسر سیڈیو لکھتے ہیں

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خندہ رو، ملنسار، اکثر خاموش رہنے والے، بکثرت ذکرِ خدا کرنے والے، لغویات سے دُور، بیہودہ پن سے نفور، بہترین رائے اور بہترین عقل والے تھے۔ انصاف کے معاملے میں قریب و بعید آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک برابر تھا۔ مساکین سے محبت فرمایا کرتے۔ غرباء میں رہ کر خوش ہوتے۔ کسی فقیر کو اس کی تنگ دستی کی وجہ سے حقیر نہ سمجھا کرتے۔ اور کسی بادشاہ کو بادشاہی کی وجہ سے بڑا نہ جانتے۔ کسی شخص سے خود علیحدہ نہ ہوتے جب تک کہ وہی نہ چلا جائے۔ صحابہ سے کمال محبت فرمایا کرتے، اپنے

جوتے خود گانٹھ لیتے۔ اپنے کپڑے کو خود پیوند لگا دیتے۔ دشمن اور دوست سے بکشادہ پیشانی ملا کرتے تھے۔ (خلاصہ تاریخ عرب صفحہ ۴۲)

جارج سیل کا اعتراف

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کامل طور پر فطری قابلیتوں سے آراستہ تھے۔ شکل میں نہایت ہی خوبصورت، فہیم اور دور رس عقل والے، پسندیدہ وخوش اطوار غربا پرور، ہر ایک سے متواضع، دشمنوں کے مقابلے میں صاحبِ استقلال وشجاعت۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا تعالیٰ کا نام نہایت ادب واحترام سے لینے والے۔ جھوٹی قسمیں کھانے والے، زانیوں، سفاکوں (خونیوں) جھوٹی تہمت لگانے والوں، فضول خرچی کرنے والوں، لالچیوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے خلاف نہایت سخت، بردباری وصبوری، صدقہ خیرات۔ رحم وکرم۔ شکرگزاری۔ والدین اور بزرگوں کی تعظیم کی نہایت تاکید کرنے والے اور خدا کی حمد وثنا میں، نہایت کثرت سے مشغول رہنے والے تھے۔

(انگریزی ترجمہ قرآن جارج سیل)

COMPTON PICTURED ENCYCLOPEDIA.

میں آپ کی حربی صلاحیتوں کی گواہی ان الفاظ میں رقم ہے۔

"آپ ہجرت کے بعد مدینے کے حکمران اور فوجی کمانڈر بن گئے اور اپنے پیروکاروں کو ایک مضبوط اور منظم فوج میں تبدیل کر دیا اور اپنے مکی اور لاتعداد دوسرے دشمنوں کے خلاف مدینہ کا کامیاب دفاع کیا۔ انہوں نے اپنے مخالف قبائل پر باموقع اور فائدہ مند حملے کیے۔ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ معمولی مزاحمت کے

بعد آپ کے قبضہ میں آگیا ۔ آپ نے بتوں کو توڑ کر کعبہ کی عظمت بحال کی ۔ آپ کی وفات کے وقت سارا عرب آپ کے جھنڈے تلے متحد تھا ۔ اور ایک پُرجوش فوج ساری دنیا میں آپ کا پیغام پہنچانے کے لیے کھڑی تھی ۔

ENCYCL OPEDIA BRITAINICA

میں آپ کی عظمت کے سامنے یوں سرِتسلیم خم کیا ہے :

" آپ اگرچہ اُمّی تھے ۔ لیکن علمی ذہانت کا وافر حصہ آپ حاصل کر چکے تھے ۔ آپ کا مذہب حقیقتاً دینِ ابراہیمؑ کا احیاء تھا ۔ قانون ساز ، ماہرِ حرب ، منتظم اور جج آپ کی شخصیت کے مختلف پہلو تھے ۔ اس خوفناک قبائلی تعصب کا خاتمہ کرنا جس کی بنا پر ایک خون ، طویل جنگوں کا باعث بن جاتا تھا ۔ عورتوں کو اُن کے حقوق خاص کر وراثت میں حصہ دلانا اور دُختر کُشی کا خاتمہ آپ کی عظیم اصلاحات ہیں ۔"

HEROES AND HEROWORSHIP

میں کارلائل آپ کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتا ہے ۔

" بانیٔ اسلام کے ناقابلِ انکار فضائل کا انکار انصاف کا خون کرنا اور حق پسندی کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگانا ہے ۔ ہمارے خیال میں سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا وجود جن کا مرتبہ انسانی عظمت کی بلندیوں سے کہیں ارفع ہے ۔ دنیا کی باعظمت ہستیوں میں فضائل اور صفات کے لحاظ سے بے مثال ہے ۔ آپ کی ذات خلوص وصداقت اور سچے اعتقادات کا خزانہ ہے ۔ آپ کا ہر فعل تصنع اور تکلیف سے مبرّا اور حقیقت پر مبنی ہے ۔ آپ کا کلام وحی آسمانی تھا ۔ ایسی مقدس ہستی کا وجود خالقِ کائنات کے وجود کی ایک زبردست اور

روشن دلیل ہے۔ آپ کا دماغ علم و معرفت کا خزانہ اور حکمت وفضیلت کی کان ہے۔ آپ کے حکیمانہ ارشادات سے فائدہ اٹھانا انسانیت کا فرضِ مبین ہے۔ خدائے برتر کے بھیجے ہوئے پیغمبروں میں آپ کی ذات سب سے زیادہ جدید قسم کی ہے، جس پر رسالت ختم ہوتی ہے۔ صحرائے عرب کی پُرسکون فضا میں آپ کے مشاہدہ نے انسان کی اصلاح کا دستور العمل مرتب فرما دیا۔ آپ کی مقدس سیرت کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ بچپن ہی سے راستباز اور امین تھے۔ آغازِ شباب سے آخر جوانی تک پاکبازی اور زہد وعفاف کا ایسا نمونہ پیش فرمایا جس کی مثال مقدس تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ آپ کی ذات سرچشمۂ اصول تھی۔ آپ کے اصولوں نے دنیا کو تاریکی سے نکال دیا۔ اور یونان کی حکمتوں، یہودیوں کے عقیدوں اور ایامِ جاہلیت کے عرب قبائل کی بت پرستی کو ختم کر دیا۔ یہ بات مسلّم ہے کہ جو حقیقت حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے حاصل کی تھی آپ نے بھی اسی حقیقت[1] کی طرف انسان کو متوجہ کیا۔

دیوان سنگھ مفتوںؔ کی گواہی

حدیث "افضل[2] الجہاد کلمۃ الحق عند سلطان جائر" سُن کر دیوان سنگھ مفتوںؔ کہتا ہے کہ ان ہونٹوں کی قدر وقیمت کا اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا جن سے یہ الفاظ نکلے۔

---

[1] یعنی توحید خداوندی کی طرف ۱۲

[2] افضل جہاد ظالم، جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے ۱۲

رابرٹ ایل گلک کی شہادت

"مغربی مصنف یہ کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے۔ اور وہ عرب کی تصویر بناتے ہوئے اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار دکھاتے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں، کہ یہ ان کے فہم کا قصور ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں مجرم مسلمان نہیں، بلکہ عیسائی ہیں۔ جبکہ انہوں نے چین میں بیس لاکھ مسلمانوں کو موت کی دھمکی دے کر عیسائی بنایا تھا۔ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے ایک اور مصنف کی تحریر پیش کرتا ہوں۔ یہ کہنا کہ مسلمان کی دوسرے غیر مسلموں کے خلاف جنگیں مذہبی تھیں۔ اور دوسرے مذاہب کو دبانے کے لیے تھیں۔ خارج از بحث ہیں۔ کیونکہ یہ بات مادی اور سیاسی دلیلوں سے ثابت نہیں کی جا سکتی۔"

منٹگمری واٹ کی شہادت

آپ کو تین عدیم المثال صفات سے نوازا گیا تھا۔ اول آپ کی فراست ہے جس سے آپ نے عرب دنیا کے لیے ایک نظریاتی ڈھانچہ تیار کر دیا۔ اور معاشرے کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر دیا۔ دوم یہ کہ ایک سیاست دان تھے۔ قرآن میں صرف بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنی ذہانت اور دُور اندیشی سے کام لے کر ان اصولوں کی بنا پر ایک عظیم الشان عمارت کھڑی کر دی۔ اور مدینہ کی ایک چھوٹی سی ریاست کو عالمگیر سلطنت میں تقسیم کر دیا۔ تیسرے یہ کہ بطور منتظم کے آپ کی مہارت اور اپنے عمّال اور نمائندوں کے انتخاب میں آپ کی ذہانت۔ کیونکہ عمدہ پالیسی بھی عدم مہارت کی صورت میں ناکام ہو

جاتی ہے۔

مقدّس رسُول

۱۹۲۰ء میں راج پال نے ایک رسوائے عالم کتاب "رنگیلا رسول" لکھی تھی جس میں اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گھریلو زندگی پر ناروا اعتراضات کیے تھے۔ راج پال گستاخ کا کام تو غازی علم الدین شہیدؒ نے تمام کر دیا تھا۔ لیکن اس کی گستاخانہ کتاب کا جواب شیخ الاسلام فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۴۸ء نے بنام "مقدس رسُول" دیا تھا۔ جس کو مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا اعزاز علیؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا عبد الباری لکھنویؒ، مولانا عبد الشکور لکھنویؒ، مولانا ابو القاسم بنارسیؒ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ، مولانا ظفر علی خانؒ اور خواجہ حسن نظامیؒ نے بہت پسند کیا۔ منصف مزاج ہندوؤں نے بھی اس جواب کو سراہا۔ امام العصر مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۵۶ء نے تو یہاں تک فرمایا کہ میں اس کتاب کے نام (مقدس رسول) رکھنے پر قربان جاؤں۔

اس رسوائے عالم کتاب میں بھی آنحضرت فداہ ابی وامی، روحی وقلبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اور خوبیاں بیان ہوئی ہیں۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خدیجہ کو تجارت کا حساب دیا اور اپنی اجرت لے کر رخصت ہوا۔ اس کی شرمیلی آنکھیں، ضرورت سے کم گو زبان اور قدرتی جمال، اس سے بڑھ کر بیوپار کا کھرا پن، پھر بے تکلفی اور سادگی، جو دل میں تھا وہی زبان پر تھا وہی عمل میں۔ بڑھیا (خدیجہ) پر یہ بے ساختگی اثر کر گئی۔ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی تنہائی کا شریک بنانا چاہا۔

(صفحہ ۱۰ بحوالہ مقدس رسول صفحہ ۵۱)

حضرت محمدؐ کی شادیاں

بعض نقاد کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنی ذات کے لیے بار بار شادیوں کی ایسی مراعات حاصل کر رکھی تھیں، جنہیں قانون اجازت نہیں دیتا۔ اور انہوں نے اپنی اس روش سے اپنے چال چلن میں ایک ایسی خامی کا مظاہرہ کیا جو پیغمبری کے لیے شایانِ شان نہیں۔ تاریخ کا صحیح علم اور حقیقت ایماندارانہ موازنہ بجائے اس کوشش کے کہ ان کو ایک آزاد نامناسب طور پر اپنی خواہشات کو تسکین دینے والا ثابت کیا جائے، ضرور پوری طرح سے ثابت کر دے گا کہ ایک شخص غریب اور بغیر کسی آمدنی کے جب اس نے بوڑھی عورتوں کو سہارا دینے کے بوجھ کا ذمہ لیا جن کو اس نے آباؤ اجداد کے پرانے ارادے کے اصولوں کے مطابق سختی سے عمل کرتے ہوئے اپنی زوجیت میں لیا، تو وہ خود اپنی قربانی جو ایک چھوٹی سی معمولی نہیں پیش کر رہے تھے۔

ہمیں یقین ہے کہ انسانیت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان نظریات کی اگر ہم اچھی طرح سے چھان بین کریں تو اس جھوٹ اور سفاکانہ حملوں کا جو اس عظیم عربی شخصیت کے خلاف کیے گئے ہیں، انکشاف ہو جائے گا۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف پچیس سال کے تھے، جو زندگی کا بہترین زمانہ ہوتا ہے، تو انہوں نے خدیجہ رضؓ کے ساتھ شادی کی۔ جو عمر میں ان سے بہت بڑی تھیں۔ پچیس سال کا وہ زمانہ جو انہوں نے اس کے ساتھ گزارا وہ زندگی کا بہترین اور پُرسکون زمانہ تھا، جو وفاداری اور خوشی کے ساتھ گزرتا رہا۔ ہر اس سخت روش اور غصے کے دوران جو بُت پرستوں نے ظاہر کیے اور ہر ظلم و تعدی کے

دوران خدیجہؓ نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا اور مدد کرتی رہیں۔ خدیجہ کی وفات کے وقت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عمر اکاون ۵۱ سال کی تھی۔ اس کے دشمن انکار نہیں کر سکتے، بلکہ ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کی زندگی کے تمام لمبے عرصے کے دوران انہیں ان کے اخلاقیات میں کوئی خامی نہیں ملی۔ خدیجہؓ کی زندگی میں آپ نے کسی سے کوئی شادی نہیں کی تھی۔ باوجود اس امر کے کہ اگر وہ کسی کا انتخاب کر بھی لیں تو پبلک میں سے کوئی اعتراض نہیں کرے گا، بلکہ وہ تائید کریں گے۔

خدیجہؓ کی وفات کے کئی مہینوں بعد جب وہ طائف سے بے چارگی اور مظالم سے بے بسی کی حالت میں واپس آئے تو انہوں نے سودہؓ سے شادی کی۔ جو سکران نامی ایک شخص کی بیوہ تھی۔ سکرانؓ نے اسلام قبول کر لیا ہوا تھا۔ اور وہ کفار کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے ایبے سینیا بھاگ جانے پر مجبور ہو گیا۔ سکران جلاوطنی ہی میں وہ مر چکا تھا۔ اور اس کی بیوی بے حد خستہ حالت میں رہ گئی تھی۔ ملک کے دستور کے مطابق صرف شادی ہی ایک ایسا ذریعہ تھا جس سے کہ وہ استاد اپنے وفادار شاگرد کی بیوہ کی حفاظت اور مدد کر سکتا تھا۔ فیاضی اور انسانیت کا ہر دستور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس کے لیے اپنا ہاتھ بڑھانے کے لیے اُکسا رہا تھا۔ اس کا خاوند اس نئے مذہب کی خاطر اپنی جان دے چکا تھا۔ اس نے اپنے مذہب کی خاطر گھر اور وطن چھوڑا۔ اس کی بیوی نے بھی اپنے خاوند کے ہمراہ جلاوطنی اختیار کی تھی۔ اب بے چاری بڑی ابتر حالت میں واپس مکہ آگئی ہوئی تھی۔ اس غریب عورت کی مدد کا صرف یہی ایک ذریعہ ہو سکتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو روزمرہ کا گزارا چلانے میں بھی پریشان

تھا۔ سودہ سے شادی کر لے۔

عبداللہ بن عثمان ابو قحافہ جو بعد ازاں تاریخ میں ابو بکرؓ (باکرہ کا باپ) کے نام سے مشہور ہوئے۔ وہ حضرت کی پیروی کرنے والوں میں سب سے زیادہ وفادار تھے۔ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مذہب کو سب سے پہلے قبول کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ اور ان کا ان کے اخلاص سنجیدگی اور مستقل مزاجی کی وجہ سے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وابستہ تھی علیؓ سے مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔

ابو بکرؓ جیسا کہ متذکرہ بالا لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہم انہیں اسی نام سے پکارتے ہیں۔ ان کی ایک چھوٹی سی لڑکی عائشہؓ نامی تھی۔ زندگی میں ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ تعلق جو وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وابستہ رکھتے ہیں، انہیں مزید مضبوط کیا جائے۔ اس پیغمبرؐ سے جس نے ان کو توہمات اور کفر کے اندھیرے سے باہر نکال کر رہنمائی کی مانگی اپنی بیٹی سے شادی کی جائے۔ بچی کی عمر صرف سات سال تھی۔ لیکن چونکہ ملک کے دستور اس قسم کے تعلقات کو تسلیم کرتے تھے۔ اس لیے اپنے شاگرد کی پُر خلوص درخواست پر وہ چھوٹی سی کنواری لڑکی پیغمبرؐ کی بیوی بن گئی۔

جب مدینہ میں مہاجر لوگ پہنچے تو کچھ عرصہ بعد ایک واقعہ پیش آیا جس

ف حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر کے بارے میں مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے اپنی کتاب "سیرۃ المصطفیٰ" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں خوب تحقیق سے لکھی ہے۔ اور بتایا ہے کہ ان کی عمر اس وقت سات یا نو سال کی نہیں تھی۔

سے اس زمانے کے عربوں کی زندگی کے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ وہ لوگ جو عربوں کے معاشرے کی خاص خاص باتوں سے واقف ہیں۔ مثلاً غرور، لڑائی جھگڑے کے لیے جلد آمادہ ہو جانا، عزت و آبرو کے لیے خاص نظریہ، زبردست طاقت اور صبر کا دعوٰے کرنا۔ وہ اس کہانی کے مکمل جواز کو سمجھنے کے قابل ہیں۔ یعنی وہ کہانی کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اب بھی بقول مسٹر برٹن بدوؤں کے مابین اکثر سہواً الفاظ نکل جاتے ہیں جو خونریزی کا باعث بن جاتے ہیں۔ عمر بن الخطابؓ جو بعد ازاں اسلام کے دوسرے خلیفہ ہو کر گذرے ہیں حفصہؓ نامی بیٹی رکھتے تھے۔ یہ اچھی عورت جنگِ بدر میں اپنے خاوند کو کھو بیٹھی تھی۔ چونکہ وہ اپنے باپ کی طرح گرم مزاج رکھتی تھی۔ اس لیے وہ عرصہ سے بغیر کسی خاوند کے گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ اصحابی لوگ اس سے شادی کرنے سے گھبراتے تھے۔ ان باتوں کا اس کے باپ پر بھی بُرا اثر پڑ رہا تھا۔ اور عمرؓ اس چکر سے نجات حاصل کرنے کے لیے ابوبکرؓ کو اپنی بیٹی دینے پر آمادہ ہوئے اور اس کا ذکر اُن سے کر دیا۔ جب انہوں نے انکار کیا۔ تو عثمانؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ یہ انکار براہِ راست بے عزتی سے تھوڑا ہی کم تھا۔ عمرؓ بڑے طیش میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف چل پڑے تاکہ وہ پیغمبرؐ کے سامنے فریاد کریں جس طرح بھی ہو سکے عزت کا سوال ان کی حمایت میں حل ہونا ضروری تھا لیکن نہ ہی ابوبکرؓ اور نہ ہی عثمانؓ حفصہؓ کے مزاج کا بوجھ اٹھانے کو تیار ہوئے۔ حقیقت میں ہمارے خیال میں یہ ایک پریشان کن جھگڑا تھا۔ مگر اس وقت مسلمانوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے لیے بہت ہی سنجیدہ مسئلہ بن گیا تھا۔ اس درمیانی کشیدگی کے دوران مسلمانوں کے سردارؐ نے اس لڑکی سے شادی

کرکے اُنکے باپ کے غصّے کو ختم کر دیا۔ پبلک نے نہ صرف اس کی تائید کی بلکہ اس کی خوشیاں بھی منائیں۔

یاد رکھیے کہ وہ کہانی جو میؤر سپرنجراور اورسورن نے تمسخر اور مذاق کے طور پر اس گھریلو خلفشار کی وجہ سے جو مریم کے متعلق حفصہؓ اور حضرت محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان پیدا ہوگئی " وہ بالکل غلط تھی۔ اور اسے بغض و عناد کی بنا پر کہا گیا ہے۔ مریم پرانے مصری عیسائی خاندان کی لڑکی تھی جسے محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) کے حرم کے لیے نیگس نے پیش کیا تھا۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جس کی صحت سے قرآن شریف کے تمام قابلِ قدر نقاد انکار کرتے ہیں۔ جو یقیناً خاندانِ امیّہ، یا عباسیہ کے کسی شہوت پرست نے نہایت کمزور دلائل کی بنیادوں پر گھڑا ہوگا۔ اور وہ ان عیسائی نقادوں کے ہاتھ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد آگئی ہوگی تاکہ پیغمبرؐ کی تضحیک کر سکیں۔ وہ قرآنی آیت جو اس کہانی کے متعلق خیال کی جاتی ہے وہ صحیح صحیح کسی اور واقعہ کو بیان کرتی ہے۔ محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) جب لڑکے تھے اور وہ اپنے چچا کے مویشیوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے تو ان کو شہد کھانے کا شوق پیدا ہوگیا تھا اور حضرت زینبؓ اکثر آپ کے سامنے شہد پیش کر دیا کرتی تھیں۔ حفصہؓ اور عائشہؓ دونوں نے مل کر آپ کو آمادہ کیا اور حلف لیا کہ وہ آئندہ شہد کو نہیں چھوئیں گے۔ لیکن جب آپؐ نے قسم اٹھالی تو اس کے بعد ان کو خیال آیا کہ وہ قانون کے خلاف کر رہے ہیں۔ لیکن وہ قانون کی خلاف ورزی نہ تھی۔ بلکہ محض اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لیے ایسا کیا گیا ہے۔ لیکن ان کی ضمیر ان کی کمزوری کی گواہی دے رہی تھی۔ پھر یہ آیت اتری (ترجمہ) " اے پیغمبر! جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے تو انہیں حرام کیسے سمجھتا ہے۔ اس میں کوئی چیز قانون شکنی نہیں

کر رہی ۔ اور نہ ہی اللہ نے کبھی منع کی ہیں ۔ وہ تو محض تو نے اپنی بیویوں کو خوش کرنے کے لیے کہی تھی ؟؟

ہندام سلمہ ۔ اُم حبیبہ اور زینب اور آزاد شدہ زید کی شادی ایک اونچے گھرانے کی خاتون زینب نامی سے کی ۔

ہندام سلمہ ، اُم حبیبہ اور زینب ام المساکین بھی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویاں تھیں ۔ جو وہ بھی بیوہ ہی تھیں ۔ جن کو بُت پرستوں کی دشمنی نے ان کے قدرتی محافظ سے محروم کر دیا تھا ۔ اور جنہیں ان کے رشتہ دار یا تو وہ اس قابل ہی نہ تھے کہ ان کی مدد کر سکیں یا یہ کہ وہ ان کی امداد کے لیے تیار نہ تھے ۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دلی دوست اور آزاد شدہ زید کی شادی ایک اونچے گھرانے کی خاتون زینب نامی سے کی ۔ وہ عرب کے اونچے اونچے گھرانوں میں سے دو خاندان کی اولاد میں سے تھی ۔ اسے اپنے حسب ونسب پر فخر تھا ، اور غالباً اپنی خوب صورتی پر بھی ناز تھا ۔ مگر ایک آزاد غلام کے ساتھ اس کی شادی کا ہونا اس کے دل میں کانٹے کی مانند تھا ۔ آخر کار باہمی انحراف ان کی رنجش کا باعث بنی ۔ غالباً خاوند کی جانب سے اس کی دل برداشتگی کا موجب وہ چند الفاظ تھے جنہیں وہ بار بار دہرایا کرتی تھی ۔

اور عورتیں ہی بہتر جانتی ہیں کہ انہیں کیسے استعمال کیا جائے ۔

جو اچانک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے نکل گئے تھے ۔ جب ایک مرتبہ آپ نے زینب کو دیکھ پایا تھا ۔ ایک دفعہ آپ کو زید کے گھر جانے کا موقع ملا تھا ۔ اور آپ نے جب زینب کو جبکہ اُس نے بردے سے چہرہ ڈھانپا ہوا نہیں تھا دیکھ کر کہا :۔ اسے انداز سے جیسے آج کوئی مسلمان کسی خوب صورت تصویر یا بُت کی تعریف کرتا ہوا پکار اُٹھے ۔

"اس خدا کی تعریف کی جائے۔ جو دلوں پر حکومت کرتا ہے۔"

وہ الفاظ جو قدرت کی تعریف کے لیے کہے گئے تھے۔ زینب اکثر خاوند کے سامنے دہرایا کرتی تھی۔ محض یہ جتلانے کے لیے کہ پیغمبر بھی اس کی خوبصورتی کی تعریف کرتے تھے۔ قدرتی بات ہے کہ وہ سن کر اور بھی خفا ہو جاتا تھا۔ اگر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ زینب کے ساتھ نہ رہے گا۔ اس ارادے کو لے کر وہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچا۔ اور اُس نے خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے طلاق دے دے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا کیوں؟ کیا تو نے اس میں کوئی غلطی پائی ہے؟ زید نے نفی میں جواب دیا۔ اور کہا:

"لیکن میں اس کے ساتھ آئندہ نہیں رہ سکتا۔"

پھر پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم کی تعمیل کرنے پر زور دیا۔ اور کہا کر جاؤ اور اپنی بیوی کی حفاظت کرو۔ اور خدا سے ڈرو، کیونکہ خدا نے کہا ہے:

"کہ اپنی بیویوں کی خبر گیری کرو اور خدا سے ڈرو۔"

لیکن زید اپنے مقصد پر تُلا رہا اور پیغمبر کے حکم کے باوجود اس نے زینب کو طلاق دے دی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زید کے اس کردار پر صدمہ ہوا۔ خاص کر اس امر کے لیے کہ ان ہر دو کی جن کی طبیعتیں یا مزاج ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ شادی کرانے میں ان کا اپنا ہاتھ تھا۔

جب زینب زید سے طلاق حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ تو اس نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شادی کرانے کی کوششیں شروع کر دی۔ اور اسے اس وقت تک تسلی نہ ہوئی۔ جب تک کہ اس نے اپنے لیے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں میں سے ایک ہونے کا اعزاز نہ حاصل کر لیا۔

اس شادی سے کفار کے اندر سنسنی پھیل گئی۔ جو اپنی ساسوں اور سوتیلی ماؤں سے شادیاں کر لیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اپنے متبنّٰی بیٹے جیسے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زید کو کہا کرتے تھے۔ کی طلاق شدہ بیوی کے ساتھ انہوں نے شادی کر لی ہے۔ لوگوں کے اس نظریئے کو کہ کسی کو متبنّٰی بنانے سے وہ حقیقی بیٹے کے درجہ تک پہنچ سکتا ہے، توڑنے کے لیے قرآن شریف کے باب ۳۳ کی چند آیات بھیجی گئیں۔ جس کی رُو سے کفار کی ان رسومات کو باطل کر دیا گیا جن کے باعث اگر کسی بیوی یا خاوند یا اس آئندہ ہونے والی بیوی یا خاوند کو ماں، بہن، باپ یا بھائی کہہ کر پکارا گیا ہو تو وہ اس کے لیے ناجائز (حرام) ہو جاتی ہے۔ اور اسے تقدّس حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک اس عورت یا عورت کا متبنّٰی بننے کا مسئلہ ہے۔ یعنی اگر کسی متبنّٰی لڑکی کو بیٹی کہہ کر پکارا جائے یا لڑکے کو بیٹا کہہ کر پکارا جائے تو ان کا جائز ہو جانے سے دُور کا تعلق بھی نہیں ہو سکتا۔ یا انہیں ایسے الفاظ سے پکار دینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خلوصِ نیّت کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ زید اپنے آقا کی وفاداری اور خدمت گزاری سے کبھی منحرف نہیں ہوا۔

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک اور بیوی جویریہؓ کے نام سے موسوم ہے۔ وہ حارث کی بیٹی تھی جو بنی مستعلیق قبیلہ کا سردار تھا۔ ان کی بغاوت فرو کرنے کے لیے ایک مہم کا آغاز کیا گیا۔ اس لڑائی میں جویریہ ایک مسلمان کے ہاتھوں گرفتار ہو کر لائی گئی تھی۔ اس نے گرفتار کرنے والے کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ ایک معقول رقم دے کر اپنی آزادی حاصل کر لے گی۔ اس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے درخواست کی کہ وہ رقم اسے دے دیں۔ انہوں نے فوراً وہ رقم اس لڑکی کے حوالے کر دی جس سے

اسے آزاد کر دیا گیا ۔ اس فیاضی کو پا کر اور اپنی آزادی حاصل کر کے وہ اس قدر ممنونِ احسان ہوئی کہ اس نے آپ سے شادی کی درخواست کر دی ۔ اس طرح یہ شادی جونہی مسلمانوں نے اس تعلق کی وابستگی کا واقعہ سنا وہ آپس میں باتیں کرنے لگے کہ بنی مستعلیق اب ہمارے رشتہ دار ہو گئے ہیں اب ہمیں ان سے اچھے سلوک سے پیش آنا چاہیئے ۔ ایسے حالات میں ہر ایک فاتح اپنے اپنے قیدیوں کو جو اس مہم میں ان کے ہاتھ لگ گئے تھے جلدی جلدی آزاد کرنے لگے ۔ اس طرح ایک سو خاندان کے قیدیوں نے آزادی حاصل کر لی ۔ اور جویریہ کی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شادی ہونے پر دعائیں دینے لگے ۔

جنگِ خیبر میں ایک یہودی عورت صفیہؓ بھی کسی مسلمان کے ہاتھوں قید ہو کر لائی گئی تھی ۔ اسے بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بڑی فراخدلی سے آزاد کر دیا تھا ۔ مگر بعد ازاں ان کی درخواست پر اُسے بھی حرم میں داخل کر لیا تھا ۔

مائیما جس کے ساتھ مکہؔ میں شادی ہوئی تھی ، وہ آپ کے دشمن داروں میں سے تھی ۔ اس کی عمر اس وقت پچاس سال تک پہنچ چکی تھی ۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ شادی عزیب رشتہ دار کے لیے امداد کا باعث بنی ۔ اس کے علاوہ اسلام کو یہ فائدہ ہوا کہ دو مشہور شخصیتیں حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئیں ۔ وہ ابنِ عباس اور خالد بن ولید تھے ۔ خالد بن ولید خطرناک جنگِ اُحد میں قریش کے رسالہ کا لیڈر تھا ۔ جس نے بعد ازاں یونان کو فتح کیا تھا ۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شادیوں میں یہ اصلیت تھی ۔ جس کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے ۔ ان میں سے بعض ایک کی شاید یہ وجہ بھی ہو کہ لڑکا پیدا ہو سکے ۔ جو قدرتی طور پر ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے ۔ آخر وہ کوئی خدا تو نہ تھے ۔ لوگ انہیں دشمنی کی وجہ سے ایک لفظ استعمال کر کے پکارا کرتے تھے جس کا یہ مطلب

ہوتا ہے کہ بغیر دُم کے۔ جس کی نسل آگے جا کر کٹ جائے۔ اور اس کے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ ہو۔ عین ممکن ہے کہ ان کی شادیوں سے یہ خواہش بھی ہو کہ لوگ انہیں اس لفظ سے پکارنا بند کر دیں۔ اگر ان کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو جائے۔ ان کے ہاں لڑکے پیدا ہوئے مگر جلد فوت ہو گئے۔ ان کے آخری بیٹے کی وفات پر ان کے دشمن ابتر کے نام سے پکارنے لگے جس کے معنی ہیں بغیر دُم کے۔

ہندوؤں کی طرح پرانے عربوں کے ہاں بھی یہ تصور کیا جاتا تھا کہ اولاد نرینہ ہونے سے دیوتاؤں کی نیک تمنائیں اور دعائیں جاری رہتی ہیں۔ اور اس شخص کو بدنصیب خیال کیا جاتا ہے جس کے پیچھے کوئی لڑکا نہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ وہ چڑ دلانے والا لفظ استعمال کرتے تھے۔ جب ہم حقیقت کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شادیوں کا مقصد لڑنے والے قبائل کو اپنے ساتھ صلح و آشتی سے ملانا مقصود تھا۔ تاکہ سکون کی فضا پیدا ہو سکے۔ پس اس مقصد میں انہیں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

کفار عربوں میں تھار (خون بہانے کا انتقام لینا) کی رسم پھیلی ہوئی تھی۔ خونی جنگوں میں کئی قبائل تباہ و برباد ہو چکے تھے۔ کوئی قبیلہ خونی جنگوں کے بغیر نہیں تھا۔ ان میں مردوں کا عام استہلاک و قتل ہوتا تھا، اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جاتا تھا۔ موسےؑ نے تہار کی رسم کو اپنے پیروکاروں میں دیکھا جس طرح کہ ترقی پسند و پس ماندہ اقوام میں اس کا رواج اب بھی جاری ہے لیکن حضرت موسےؑ جب اس کی بیخ کنی نہ کر سکے تو اسے عبادت گاہوں کے ادارے سے قانوناً جائز قرار دے دیا گیا۔ محمدؐ نے جو اس قسم کی چیزوں کے علاج کے لیے گہری سوچ بچار رکھتے تھے مختلف حریف کنبوں اور طاقت ور قبائل کو باہم ملا دیا۔

اور خود کو شادیوں کے بندھن سے وابستہ کر کے اس مقصد کو پورا کیا۔ اپنے مشن کے آخری ایام میں انہوں نے عرفات کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیا کہ اس وقت سے آئندہ کے لیے تمام خونی انتقامی جنگیں بند کر دی جائیں۔

تنگ خیال اور بے انصافی کرنے والے دشمنوں کے حسد نے ان قوانین کو جن کو پرانے زمانے کے بڑے بڑے لوگوں نے متفقہ رائے سے منظور کر رکھا تھا۔ توڑ پھوڑ دیا یہی پرانی رسومات تھیں۔ جن کے تحت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ اور بے کس اور بیوہ عورتوں کو ان کے گزارہ کے لیے امداد پیش کی۔ وہ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رکھتی تھیں۔ ان کو اپنے حرم میں شامل کر کے ان کی عمر اور حالات کے مطابق جیسا بھی ہو سکا ان کی امداد کی۔ اہل مغرب اپنی حسب عادت پولی گیمی یقینی طور پر خرابی کا باعث تبلاتے ہیں۔ اور اس رواج کو نہ صرف قانون کے خلاف ہی سمجھتے ہیں، بلکہ اسے عام آزادی اور بد اخلاقی کا نتیجہ تبلاتے ہیں۔ ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس قسم کے اداروں کا وجود زمانے کے حالات اور ضروریات پر استوار یعنی مبنی ہوتا ہے۔ وہ اس مقولہ کو بھول جاتے ہیں کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ ان کو معلوم نہیں کہ پہلی جنگ کے دوران اور اس کے بعد فرانس میں کیا حالات ہو گئے تھے جبکہ بمشکل کوئی مرد نظر آ رہا تھا۔ عورتیں اپنے خاوندوں اور دوستوں کی تلاش میں تھیں۔ حکومتِ فرانس کو ملکی حالات نے مجبور کر دیا تھا کہ انڈیا اور دیگر غیر ممالک سے مردوں کو "تنخواہ پر لاکر اپنے ملک میں بسائیں تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں اور ملک کی خاطر وہاں کی نسل کو بڑھائیں۔

وہ اس حقیقت کو بھی بھولے ہوئے ہیں کہ عبرانی قوم کے بڑے بڑے پیر دار جنہیں تمام سامی فرقے اعلیٰ اخلاقیات کا مجسمہ سمجھتے تھے۔ وہ اس کثرت سے

یونی گیمی کو عملی جامہ پہنایا کرتے تھے رجسے آج ہم موجودہ خیالات کے مطابق ایک باضابطہ بداخلاقی کا مظہر یا نمونہ سمجھتے ہیں۔

شاید ہم ان کے اس رویئے اور کردار کے باوجود اس امر کے کہ اس وقت کی روایات کے مطابق انہیں منظوری دی گئی تھی۔ بغیر کسی چھان بین کے تائید نہیں کریں گے۔ لیکن اس پیغمبر عرب کے بارے میں یہ ضروری ہے کہ ہم اُنکے کردار کی تاریخی اہمیت اور قدر کو مدنظر رکھیں۔

ابتدائی عیسائیت کی تاریخ میں بڑی بڑی اہم باتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ شادی کو بہت کم اہمیت دی جاتی تھی۔ شادی کی رسم کو ایک گھٹیا سی رسم سمجھا جاتا تھا اور بچوں کا پیدا ہونا بُرائی خیال کیا جاتا تھا۔ راہبانہ زندگی بسر کرنے کے رجحانات نے بڑے بڑے متعدد لوگوں کو دنیا داری سے منحرف کر دیا تھا۔ عام پادریوں کو شادی کرانے کی اجازت نہ تھی۔ اگر اور اجازت مل سکتی تھی تو زندگی میں صرف ایک بار ایسا کر سکتے تھے۔ اس غیر صحت مندانہ احساس کی وجہ کچھ تو وہ مثال تھی جو اُن کے آقا (حضرت عیسٰے "علیہ السلام") نے پیش کی تھی۔ اور کچھ ان طرح طرح کے حالات کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے ابتدائی عیسائی ڈھانچہ کو مجبور کر رکھا تھا۔

آؤ اب ہم کچھ دیر کے لیے قطع نظر کبھی خیال کے ان کی شادیوں کے متعلق غور کریں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک سے زیادہ شادیاں کیوں کیں؟ ایسا کرنے سے کیا وہ اعلیٰ اخلاقیات کا حامل تھا یا جذبات کا بندہ تھا۔ داؤد (علیہ السلام) جو خدا کی مرضی کے مطابق اپنا کردار رکھتے تھے، کیوں متعدد بیویاں کرتے رہے؟ جواب بالکل صاف اور عام فہم ہے۔ ہر زمانہ اپنا علیحدہ علیحدہ درجہ رکھتا ہے، جو چیز ایک وقت میں موزوں تصور ہوتی ہے وہی دوسرے زمانے میں غیر موزوں

سمجھی جاتی ہے۔ ہمیں پرانے زمانے کی باتوں کو دورِ حاضرہ کے معیار پر پرکھنا نہیں چاہیئے۔

کیا ہم حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو غیر معقول، بڑی بڑی تمنائیں رکھنے والا اور ناقابلِ عمل چیزوں کے خواب دیکھنے والا کہنے میں حق بجانب ہیں: یا موسیٰؑ اور داؤدؑ کو خون بہانے والا جذباتی انسان کہا جا سکتا ہے۔ محض اس بنا پر کہ ایک کا دل بے بنیاد متوقع بادشاہت کے خیالات کا حامل تھا اور دوسروں کی زندگیاں انیسویں صدی کے نظریات کے مطابق بہت قابلِ اعتراض تھیں۔ ہر دو حالتوں میں ہم صریحاً غلطی پر ہوں گے۔ جہاں تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات کا تعلق ہے وہ انسانیت کی پرورش اور نشوونما کو پیش کرتے ہیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے لیے جو مراعات حاصل کر رکھی تھیں وہ ان کے پیروکاروں کو دی نہیں جاتی تھیں۔ اس کے لیے صرف یہ تبلا دینا کافی ہے کہ یہ تاثرات محض لاعلمی کی وجہ سے مغالطہ پر مبنی ہیں۔ ہجرت سے چند سال بعد مدینہ میں پولی گیمی پر پابندیاں لگا دی گئیں اور وہ حصہ جو محمدؐ کی ذات سے متعلق تھا کسی رعایت کی بجائے جو کوئی آزاد منش رکھتا ہے۔ اس کی ضمیر پر جو بذاتِ خود کامل احساس رکھنے والا اور اپنے کردار کا جائزہ لینے والا ہے پابندیوں کا بوجھ ڈال دیا گیا۔

ان کی تمام شادیاں پولی گیمی پر پابندیاں عائد ہونے سے پیشتر ہو چکی تھیں۔ اس الہام کے بعد ہی ایک ایسا انکشاف ہوا جس کی رُو سے ان کے لیے تمام پابندیاں واپس لے لی گئیں۔ جب کہ اس کی پیروی کرنے والے چار شادیاں کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ تمام شرائط جو قانون نے لگا رکھی ہیں۔ ان کی پابندی کی جائے۔ طلاق دینے کے بعد (جس کی آپ نے بہت مذمت کی ہے) دوسری

شادی کرائی جا سکتی ہے ۔ لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی منکوحہ بیوی کو علیٰحدہ نہیں کر سکتا جن کے گزارہ کا وہ وعدہ کر چکا ہے۔ اور نہ ہی انہیں کوئی دوسری شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ [۱]

مذکورہ بالا مضمون کی مزید وضاحت

منہاجِ نبوّت اور تعدّد زوجات

اب اس مسئلہ کو منہاجِ نبوت پر دیکھ لینا چاہیئے:

عیسائی حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے قائل ہیں اور ان کو خلیل الرحمٰن تسلیم کرتے ہیں [۲]

حضرت یعقوب علیہ السلام کو خدا کا اسرائیل اور نہایت برگزیدہ تسلیم کرتے ہیں [۳]

حضرت موسٰے علیہ السلام کی بابت اعتقاد رکھتے ہیں کہ اب تک بنی اسرائیل میں موسٰے علیہ السلام کی مانند کوئی نہیں اٹھا جس سے خدا آمنے سامنے آشنائی کرتا [۴]

ہم حضرت داؤد علیہ السلام کی بابت بائیبل میں یہ فقرہ پڑھا کرتے ہیں۔ خدا نے

---

[۱] کتاب لائف آف محمدؐ۔ جلد اوّل شائع شدہ ۱۸۷۰ء

[۲] یعقوب کا خط بشمول انجیل ۲/۲۳

[۳] التواریخ ۱/۲۲ خروج باب ۴ فقرہ ۱۱

[۴] استثنا ۱۰/۳۴

اس سے کہا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ میں آج کے دن سے تیرا باپ ہوں۔[۱]

حضرت سلیمانؑ کی بابت عیسائی مانتے ہیں کہ خدا نے اُسے فرمایا تھا: "میں نے ایک عاقل اور سمجھ دار دل تجھ کو بخشا۔ ایسا کہ تیری مانند تجھ سے آگے نہ ہُوا اور تیرے بعد تجھ سا برپا ہوگا"[۲] تسلیم کرتے ہیں کہ خدا نے سلیمانؑ کی بابت یہ بھی کہا تھا "وہ میرا بیٹا ہوگا۔ میں اس کا باپ ہوں گا"[۳]

حوالہ جات بالا کے بعد ہم بہ وثوق اپنی رائے قائم کر سکتے ہیں کہ انبیائے صدر کے افعال منہاج نبوت کے ثابت کرنے میں محکم ترین دلائل اور بہترین نظائر ہیں۔

اب انبیاء صدر کے متعلق ملاحظہ ہو

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین بیویاں:

۱۔ سیدہ ہاجرہؑ کتاب پیدائش ۱۶/۴ والدہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔

۲۔ سیدہ سارہؑ کتاب پیدائش ۱۸/۱۵ والدہ اسحٰق علیہ السلام

۳۔ قتورہ خاتون کتاب پیدائش ۲۵/۱ والدہ زمران۔ یقسان۔ مدیان۔ اسباق۔ سوخ۔

حضرت یعقوبؑ اسرائیل کی چار بیویاں:

۱۔ لیاہ کتاب پیدائش ۲۹/۲۲ والدہ روبن۔ لاوی۔ یہودہ۔ آشکار۔ زبون۔

۲۔ زلفہ۔ کتاب پیدائش ۲۹/۲۴ والدہ جد۔ آشر۔

---

[۱] زبور ۲/۷

[۲] اسلاطین ۳/۱۲

[۳] اتواریخ ۲۲/۱۰

۳۔ راحیل۔ کتاب پیدائش $\frac{۲۹}{۲۸}$ والدہ یوسف علیہ السلام و بنیامین۔

۴۔ بلہہ۔ کتاب پیدائش $\frac{۲۹}{۲۹}$ والدہ دان و نفتالی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں:

۱۔ صفورہ خاتون۔ کتاب خروج $\frac{۲}{۲۱}$ والدہ جیرسوم۔ الیسرز۔

۲۔ جیشیہ۔

۳۔ ایک اور بیوی جس کے والد کا نام قینی تھا، قاضیون $\frac{۱}{۱۶}$۔

۴۔ ایک اور بیوی جس کے باپ کا نام حباب تھا۔ قاضیون $\frac{۴}{۱۱}$۔

حضرت موسیٰؑ پر بے تعداد بیویوں کا جواز

۱۔ جب تو لڑائی کے لیے اپنے دشمنوں پر خروج کرے اور خداوند تیرا خدا اُن کو تیرے ہاتھوں سے گرفتار کرے۔ اور تو انہیں اسیر کر لائے۔ ۱۱۔ اور اُن اسیروں میں خوب صورت عورت دیکھے اور تیرا جی اُسے چاہے کہ تو اُسے اپنی جورُو بنائے۔ ۱۲۔ تو تُو اسے اپنے گھر میں لا۔ اس کا سر منڈوا اور ناخن کٹوا۔ ۱۳۔ تو وہ اپنا اسیری کا لباس اتارے اور تیرے گھر میں رہے۔ اور ایک مہینہ بھر اپنے باپ اور اپنی ماں کے سوگ میں بیٹھے۔ بعد اس کے تو اس کے ساتھ خلوت کر اور اس کا خصم بن کر اور وہ تیری جورُو بنے۔

کتاب استثنا $\frac{۲۱}{۱۰ \text{ تا } ۱۳}$

حضرت داؤدؑ کی (الف) ۹ بیویوں اور (ب) دس حرموں (ج) اور حرموں اور (د) جوروؤں کا ذکر بائبل سے حسبِ صراحت ذیل ملتا ہے:

نام زوجہ	حوالہ	کیفیت اور ان کے بطن سے پیدا ہوا
۱۔ اخنوعم	۱۔ سموئیل ۲۶/۲۳	اَمنُون پہلوٹھا اس سے پیدا ہوا۔
۲۔ ابی جیل	ایضاً	کلیاب اس سے پیدا ہوا۔
۳۔ میکل بنت ساول بادشاہ اسرائیل	۱۔ سموئیل ۱۸/۲۷	بے اولاد
۴۔ معکہ بنت تلمی بادشاہ جسور	۲۔ سموئیل ۳ باب	ابسلوم اس سے پیدا ہوا۔
۵۔ حجیت	ایضاً	ابی سلوم۔ و۔ اودنیاہ پیدا ہوئے۔
۶۔ ابیطال	ایضاً	سفطیاہ پیدا ہوا۔
۷۔ عجلاہ	ایضاً	تیرعام اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ داؤدؑ کے مندرجہ بالا فرزندوں بمقام جبرون پیدا ہوئے تھے۔
۸۔ بنت سیع دختر ابی عام	۲۔ سموئیل ۱۱/۲۶-۳	حضرت سلیمانؑ اس سے پیدا ہوئے۔
۹۔ ابی شاگ	۲۔ سموئیل	
۱۹۔ دس حرمیں داؤدؑ کی	۲۔ سموئیل ۲۰/۳ ۱؎	

دیگر } داؤدؑ نے جبرون سے آکر یروشلم میں اور حرمین
دیگر } . . . . اور جوروئیں کیں۔ ۲ سموئیل ۵/۱۳

حضرت سلیمانؑ کی ایک ہزار عورتیں

اس کی سات سو جوروئیں، بیگمات اور ۳۰۰ حرمین تھیں۔ سلاطین ۱۱/۳

۱؎ داؤدؑ نے ان کو ایک قصور میں یہ سزا دی کہ ان کے پاس نہ گیا وہ مرتے دم تک قید میں رہیں اور رنڈاپے میں دن کاٹے۔ ۲۔ سموئیل ۲۰/۳

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ خدا کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کے گھروں میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی تھیں اور ان کی کثرت زوجات کی بنیاد پر عیسائیوں نے ان انبیاء کی تقدیس میں کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔

ہم ابھی اور مثالیں پیش کریں گے۔ حزقیل نبی کی کتاب کا ۲۳ باب نکالو اور ایک تا چار درس پڑھ جاؤ۔ ۲۳/۱ خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اُس نے کہا۔ ۲۳/۲ آدم زاد، دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں۔ ۲۳/۴ اُن میں بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن کا اہولیبہ اور وہ میری جوروئیں بنیں۔ اور بیٹے بیٹیاں جنیں اس کلام میں خدا نے ایک سے زیادہ عورتوں کو جوروئیں بنانے کا ذکر کیا ہے۔

عیسائی کہیں گے کہ یہ کلام تمثیل ہے۔ لیکن پھر بھی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ عورتوں کا جورو بنانا خدا کے نزدیک پسند نہ ہوتا تو وہ تمثیلاً بھی اس فعل کو اپنی جانب منسوب نہ کرتا۔

اس کے بعد انجیل متی کا ۲۵ باب پڑھو۔ حضرت مسیحؑ نے اپنی آمد کی خبر میں دس کنواریوں کا ذکر کیا ہے کہ پانچ نے دولہا کے ساتھ شادی کی۔ گھر میں گئیں اور پانچ جو پیچھے رہ گئی تھیں ان کے لیے دروازہ نہ کھولا گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیحؑ کبھی اس تمثیلی بیان کو زبان پر نہ لاتے۔ اگر ان کے نزدیک ایک سے زیادہ بیوی کا ہونا پسندیدہ نہ ہوتا۔ انگلستان کا مشہور شاعر ملٹن تو اسی تمثیل سے ایک سے زیادہ بیوی کے جواز کا قائل تھا۔

ان تمام حوالہ جات سے ثابت ہوتا ہے کہ جو منہاج نبوت ہزاروں سال سے سینکڑوں انبیاء نے اپنے پاک اور محکم چال چلن سے قائم کیا تھا وہ یہ تھا کہ نبی کے گھر میں ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں۔

اگر کوئی شخص اب بھی ہمارے سامنے نتیجہ بالا میں متفق نہیں ہے تو اسے عبرانیوں ۱۳/۴ پڑھنا چاہیئے۔

بیاہ کرنا سب میں بھلا ہے اور بستر ناپاک نہیں۔
یہ خدا حرام کاروں اور زانیوں کی عدالت کرے گا۔

یہ درس صرف دو ہی صورتوں کا ذکر کرتا ہے: (۱) بیاہ (۲) زنا۔ اب اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنا ناپاک بستر ہے۔ تو کیا وہ یہ بھی اقرار کرنے کو آمادہ ہے۔ کہ وہ سب مقدس لوگ جن کی نبوت پر اسے ایمان ہے عبرانیوں کے فقرہ ۱۳/۴ کے مصداق تھے۔ ہم جانتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ کوئی بھی ایماندار عیسائی ایسا نہیں پایا جائے گا۔ اس لیے ہم ہر ایک عیسائی کے ایمان ہی سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ جناب ختمیت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں بھی گستاخانہ لفظ کہنے سے اسی طرح رک جائے جس طرح وہ حضرت ابراہیمؑ و یعقوبؑ اور موسےٰؑ و داؤدؑ کے سامنے مہر بلب ہو گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کثرت زوجات

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی پر نظر ڈالو کہ ۶۳ سال میں سے ابتدائی ۲۵ سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجرّد سے گزرتے ہیں۔ جس بزرگ نے ۲۵ سال تک عنفوانِ شباب اور جوشِ جوانی کا زمانہ کمال تقویٰ، اور نہایت ورع کے ساتھ پورا کیا ہو اور جس کے حسنِ مردانہ کے کمال نے اعلیٰ سے اعلیٰ خواتین کو اس سے تزویج کا آرزومند کر دیا ہو پھر بھی ربع صدی تک

اس کے تجرّد و تفرّد پر کوئی شے غالب نہ آئی ہو۔ کیا ایسے شخص کی نسبت اعلیٰ رائے قائم نہیں ہوتی؟ جس مقدّس ہستی نے ۲۵ سے ۵۰ سال تک کی عمر کا زمانہ ایک ایسی خاتون کے ساتھ بسر کیا ہو جو عمر میں ان سے ۱۵ سال بڑی اور ان سے بیشتر دو شوہروں کی بیوی رہ کر کئی بچوں کی ماں جو معمّر ہو چکی ہو اور پھر اُس ربع صدی کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل وابستگی و محبت میں ذرا کمی نہ آئی ہو۔ بلکہ اس کے مرجانے کے بعد بھی ہمیشہ اس کی یاد کو تازہ رکھا ہو۔ کیا اُن کی نسبت کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس مزوّیج کی وجہ وہی تھی جو عام طور پر پرستانِ حسن کی شادیوں میں شادیوں میں پائی جایا کرتی ہے! نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی (۵۵ سے لے کر ۵۹ تک کی درمیانی مدت) کا پنج سالہ زمانہ ایسا ہے جب ازواج مطہرات سے حجرات آباد ہوئے تھے۔ اس لیے ہر ایک شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ زندگی مبارک کے ۵۵ سالہ رویّہ سے بڑھ کر جو عمل ہوا اُس کے خاص خاص اسباب کیا تھے؟ خصوصًا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی موجود ہے: مَالِي فِي النِّسَاءِ مِنْ حَاجَةٍ[1]۔ غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر نکاح کیے ان کی بنیاد فوائد کثیرہ دین اور مصالح جمیلہ ملک اور مقاصد حسنۂ قوم پر قائم تھی اور ان فوائد و مصالح و مقاصد کا اس قدیم ترین زمانہ اور عرب جیسے جمود پسند ملک میں حاصل ہونا تزویج کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔[2]

---

[1] مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں۔ دارمی بروایت سہل بن سعد۔

[2] نپولین بونا پارٹ کی دوسری شادی پر غور کرو

مثلاً اُمّ المومنین صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر غور کرو کہ اس سے پیشتر جس قدر لڑائیاں مسلمانوں نے کفار کے ساتھ کیں ان میں سے ہر ایک میں یہود کا تعلق سرًّا یا علانیۃً ضرور ہوتا تھا۔ مگر تزویج صفیہ کے بعد یہود مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہ ہوئے۔ دیکھو یہ نکاح کس قدر ضروری تھا۔

مثلاً اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر غور کرو۔ ان کا باپ ابوسفیان عمائد قریش میں سے تھا اور قوم کا نشانِ جنگ اس کے گھر میں رکھا رہتا تھا۔ جب یہ نشان باہر کھڑا کیا جاتا تو تمام فرقوں پر آبائی ہدایات اور قومی روایات کے اتباع میں لازم ہو جاتا تھا کہ سب کے سب اس جھنڈے کے نیچے فوراً جمع ہو جائیں۔ احد اور حمراء الاسد بدر الاخریٰ احزاب وغیرہ لڑائیوں میں ابوسفیان ہی اس نشان کو لیے ہوئے عمائدِ قریش نظر آتا ہے۔ اس تزویج کے بعد دیکھو کہ وہ کسی جنگ میں مسلمانوں کے خلاف فوج کشی کرتا نظر نہیں آتا، بلکہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ خود بھی اسلام کے جھنڈے کے نیچے آکر پناہ لیتا ہے۔ کیا اب بھی کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ نکاح نہایت ضروری نہ تھا۔

نکاح ام المومنین جویریہ رض اور امن عام

مثلاً ام المومنین جویریہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے نکاح پر غور کرو۔ ان کا باپ مشہور راہزن ڈکیتی پیشہ تھا۔ اور مسلمانوں سے خاص دلی عداوت رکھتا تھا۔ بنو مصطلق کا مشہور طاقت ور اور جنگ جو قبیلہ جو چند در چند شعوب پر محتوی تھا۔

اس کے اشارہ پر کام کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس تزوج سے پیشتر ہر ایک جنگ میں جو مسلمانوں کے خلاف ہوئی۔ اس قبیلہ کی شرکت ضروری پائی جاتی ہے۔ لیکن اس نکاح کے بعد یہ مخاصمتیں نابود ہو جاتی ہیں۔ تمام قبیلہ قزاقی چھوڑ کر متمدن زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شامل نہیں ہوتا۔ انصاف سے کہو کہ یہ نکاح کس قدر ضروری تھا۔

اُمّ المؤمنین میمونہؓ کے نکاح کے فوائد

علی ہذا ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر غور کرو۔ ان کی ایک بہن سردار نجد کے گھر میں تھی۔ اس نکاح نے ملک نجد میں صلح اور امن اور اسلام کے پھیلانے میں بہترین نتائج پیدا کیے۔ حالانکہ قبل ازیں اہل نجد وہ تھے جنہوں نے ستر واعظانِ دین کو اپنے ملک میں لے جا کر غدر سے قتل کیا تھا۔ اہلِ نجد وہ تھے جن سے چند بار نقضِ امن اور فساد انگیزی کے واقعات ظہور میں آ چکے تھے۔ ہر ایک شخص کو جو امن عامہ اور اصلاحِ ملک کے فوائد کا منکر نہیں۔ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ نکاح کس قدر بابرکت تھا۔

نکاح اُمّ المؤمنین زینبؓ اور اس کے فوائد

اُم المومنین زینبؓ بنت جحش اور عائشہؓ صدیقہ اور حفصہؓ کے نکاح خالص اسلامی اغراض اور مصالح دینی پر مبنی تھے۔ بنت جحش کے نکاح نے تبنیت کے بت کو توڑا اور تثلیث کے درخت کو کھوکھلا کر دیا اور یہ اتنی

بڑی اصلاح ہے کہ مشرکین و اہلِ کتاب کی درستی اس کے بغیر ممکن ہی نہ تھی۔

اُمّ المؤمنین عائشہؓ و حفصہؓ کے نکاح اور ترویج دین کے فوائد

عائشہ و حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نکاح نے اتفاق قرآن و حفاظت کتاب اللہ و نشر احادیث و تعلیم نساء کے بارہ میں فوق العادت کام کیے اور پھر صدیقؓ و فاروقؓ کی خلافتوں کو زیادہ با برکت اور زیادہ پُر منفعت بنانے میں بہت بڑا کام کیا۔ اور یہ ایسے فوائد ہیں جن کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمدہ تعبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ہم نے جن فوائد کا ذکر کیا ہے یہ نمونے ہیں۔ ان اغراض و مقاصد دینیہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک نکاح سے مدِنظر ہوتے تھے۔ اور جن کا احصاء کرنا ہمارے لیے قریباً ناممکن ہے۔ لیکن جب اس مختصر بحث سے یہ واضح ہوگیا کہ تعدادِ ازواج سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مدعائے اعلیٰ انبیائے سابقین کی سنّت پر عمل کرنے کے علاوہ اور ضروریاتِ ملکی اور مصالح دینی پر بھی مشتمل تھا تو ہر ایک شخص کو جو سر میں دماغ اور دماغ میں فہم صحیح کا مادہ رکھتا ہے اقرار کرنا پڑے گا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا ہی کرنا شایان و ضروری تھا اور اگر ایسا نہ کرتے تو بہت سی مصلحتوں سے ملک اور نوع اور قوم اور اسلام کو محروم ہونا پڑتا۔ اور ایسا کرنا اس مصلح اعظم کی شان کے منافی تھا۔ جسے خدا نے (رحمۃ للعالمین) بنایا ہے۔

محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم)

اگر کسی شخص نے کبھی خدا کو پایا ہے۔ اور اگر اس نے ایک اچھے، نیک اور عظیم مقصد کے لیے خدا کی اطاعت میں اپنی زندگی کو نثار کیا ہے تو یقین جانیئے کہ وہ شخص صرف حضرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی ہو سکتا ہے۔ (میجر آرتھر کلائن لیونارڈ)

اسلام ایک سچّا مذہب

پس وہ (تلاش کنندہ) یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ اسلام ایک ایسا عظیم اور سچا مذہب ہے جو اپنے متابعین کو انسانی اندھیرے اور گمراہوں سے نکال کر روشنی اور سچائی کی بلند چوٹیوں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ (میجر آرتھر کلائن لیونارڈ)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر جگہ خدا کو پانے والے تھے

کہ وہ ریگستان کی گھناؤنی خاموشیوں، آسمانوں کی وسعت میکانیت کی لامحدود حدود۔ ستاروں کی چمک دمک اور ہوش وخرد کے ہر رگ وریشہ میں خدا کی ذات کو پاتے تھے۔ یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہوتا تھا۔ آگے وہ لکھتے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک

خدا کوئی جسم نہیں رکھتا۔ وہ تمام کائنات اور بنی نوع انسان کو بنانے والا اور اُن کا مالک ہے۔ ان کے تخیلات کا مُکمل مسئلہ اور ان کی مسلسل سوچ وبچار کا بہاؤ محض خدا اور اُس کے مذہب کے لیے تھا۔

(میجر آرتھر کلائن لیونارڈ)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر خُدا کا اثر

وہ خدا اور صداقت کی پُر اثر اور طاقت ور شراب ہی تھی جو ان کے دماغی نظام کے ہر رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی تھی جو اُن کے اندر جوش مار رہی تھی اور آگے ہی آگے چلائے رکھتی تھی۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک صحت مند انسان

اگر کوئی شخص باہوش اور صحت مند انسان ہو سکتا ہے تو وہ آپ ہی تھے یعنی آپ کی ہوش وخرد اور صحت قابلِ رشک تھی۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خیال

وہ عظیم حقیقت جیسا کہ میں نے بتلایا ہے، جس کا خیال محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو متواتر لگا رہتا تھا۔ وہ خدا تھا۔ گو اگرچہ کسی جسم کی صورت میں یا روحانی طور پر بھی نظر نہیں آسکتا لیکن خدا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

کو ریت کے چھوٹے سے ذرّے میں بھی اُسی طرح صاف اور عیاں نظر آتا تھا جس طرح کہ سورج کی سخت روشنی میں وہ اسے بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ رات کے مسحور سایوں کے دوران اور صبح کے جھلملاتے اور گھومتے پھرتے سایوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کا مظاہرہ یکساں طور پر حاوی تھا۔ انسانی تنہائیوں کی گہری خاموشی میں وہ تلملاتا ہوا شور و غل جو اُن کے دل میں موجود رہتا تھا اس کی عظمت اور ٹھاٹھوں کی اگر کوئی وجہ تھی تو وہ محض یہ تھی کہ دبی ہوئی خاموشیوں اور دِل ہلا دینے والی کانا پھوسیوں میں اللہ تعالیٰ اُن سے اور وہ اللہ تعالےٰ سے باتیں کرتے تھے۔ (ڈکٹر ہیوگو)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جس روشنی کی تلاش تھی، وہ سچائی تھی۔ ایسی جو تمام چمک دمک سے بڑھ کر چمکیلی تھی۔ وہ سچائی جو اس نے حاصل کی۔ جیسا کہ اُن پر عیاں ہوا، وہ خدا تھا۔

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک کامیاب انسان

تاریخ میں اس سے زیادہ حیران کن کارنامہ بہ نسبت اس کے جو اس مذہب کے بانی سے معرضِ عمل میں آیا، کبھی نہیں ہوا۔ اور بمشکل ہی کسی شخص نے کبھی اس دنیا کی قسمت پر اس قدر وسیع اثر ڈالا ہو۔ بے شک مواقع نے اس کا ساتھ دیا لیکن وہ جانتا تھا کہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ان کا استعمال کیسے

کیا جائے۔ اس نے خطرناک حالات کا مقابلہ ڈٹ کر اس ارادے سے کیا کہ وہ ناکامی کے ہاتھوں اپنی کامیابی کو چھین کر لے آئے گا۔ جس حالت میں وہ کسی جگہ اور کسی وقت میں کامیابی حاصل نہ کر سکا تو یہ بات ماننے کے قابل ہے کہ کوئی اور شخص اُس کی جگہ پر ہوتا تو وہ کبھی کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ [1]

(مسٹر ای۔ای کیلٹ)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جامع الصّفات

ہم نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق دیکھا ہے کہ اُن کی شخصیت میں گوناں گوں اقسام کے رُخ پائے جاتے تھے۔ ایک ایسی ہستی جسے کئی اقسام کے لوگ دیکھ کر متاثر ہوا کرتے تھے۔ وہ جس کو دیکھ کر مختلف گروہوں کے لوگ گرویدہ ہو جایا کرتے تھے اس میں تعجّب کی کوئی بات نہیں، کہ اُن کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہوتی رہی ہیں۔ انتہا پسند لوگوں نے ان میں کئی خوبیاں پائیں۔ (مسٹر ای۔ای کیلٹ)



[1] متذکرہ بالا کتاب کا صفحہ ۵۶۵ ملاحظہ ہو۔

محمدؐ ایک بزرگ انسان

قرآن مجید میں سب کچھ موجود ہے جو ایک بڑے مذہب میں ہونا چاہیئے۔ اور جو ایک بزرگ انسان (محمد صلعم) میں موجود تھا۔ (مسٹر سٹینلی لین پول)

اسلام ایک ترقی پسند مذہب

ہم کو چاہیئے کہ اس غیر معمولی مذہب (اسلام) کی سرعتِ ترقی اور اس کے دوامی اثرات کی قدر کریں۔ کہ جو ہر جگہ امن و امان، دولت و حشمت، فرح و سرور اپنے ساتھ لے گیا۔ (جناب ایس پی اسکاٹ)

(مصنف ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ)

پیارے نبی پیارے رسولؐ

تھوڑی عربی جاننے والے قرآن کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اگر وہ خوش نصیبی سے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معجز نما قوتِ بیان سے تشریح سنتے تو یقیناً یہ شخص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتے اور سب سے پہلی آواز ان کے منہ سے یہ نکلتی کہ پیارے نبی پیارے رسول! خدارا ہمارا ہاتھ پکڑ لیجئے اور ہمیں اپنے پیروؤں میں شامل کر کے عزت اور شرف دینے میں دریغ نہ فرمایئے۔

(جان جاک ویک)

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نیکوکار

عرب میں پاپ ہوتا تھا، نہایت خوفناک پاپ ہوتا تھا اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دل نیکی کے خیالات سے لبریز ہو رہا تھا۔ عرب بت پرست تھے، اور اس نے کھلے میدانوں میں، بے ابر آسمانوں میں، لامحدود ریگستانوں میں کسی لامحدود طاقت کا احساس کیا تھا۔ اسے یقین ہو گیا کہ پرماتما (خدا) ایک ہے۔

(صفحہ ۱۲ بحوالہ مقدس رسول صفحہ ۵۵)

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی باوقار و باتمکین و پرہیزگارانہ جوانی

جوانی کی عمر میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے برتاؤ، اخلاق کی راستی اور عادات کی طہارت جو مکہ کے لوگوں میں نہایت کمیاب تھی۔ سب مصنفین متفق ہیں اس کی شرم و حیا اعجازی طور پر محفوظ بیان کی جاتی ہے۔ (سر ولیم میور)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب کی سیاست میں کامیابی

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہ گیا۔

(سیرت النبیؐ جلد اوّل حصہ دوم)

★

محمدؐ، تیغ تدبّر

اس میثاقِ حدیبیہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مدینے میں اسلامی نظام کو مستحکم کرنے کا موقع ملا۔ اور یہودیوں کے فتنے کا سدِّباب کیا۔ مکّے کے کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تیغ تدبّر سے ذبح ہو کر واپس لوٹے۔ اس کے عرب قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے۔

(MUHAMMAD AT MEDINA-P-49)

سب سے بڑا کامل انسان

آج سے تیس چالیس سال پہلے پٹنہ کے مشہور واعظِ اسلام ماسٹر حسن علی مرحوم "نورِ اسلام" نام کا ایک رسالہ نکالتے تھے۔ اس میں انہوں نے اپنے ایک ہندو تعلیم یافتہ دوست کی رائے لکھی ہے کہ اس نے ایک دن ماسٹر صاحب سے کہا کہ میں آپ کے پیغمبر کو دنیا کا سب سے بڑا کامل انسان تسلیم کرتا ہوں۔ انہوں نے پوچھا ہمارے پیغمبر کے مقابلہ میں تم حضرت عیسٰےؑ کو کیا سمجھتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ محمدؐ کے مقابلے میں عیسٰے علیہ السلام ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا ہوا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تم کیوں پیغمبرِ اسلام کو دنیا کا کامل ترین انسان جانتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ کو آپؐ کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اور متنوع اوصاف نظر آتے ہیں، جو کسی ایک انسان نے دنیا کی تاریخ میں یکجا کر کے نہیں دکھائے۔ بادشاہ ایسا کہ ایک پورا

ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو۔ بلکہ خدا کے قبضہ میں، دولت مند ایسا ہو کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آرہے ہوں۔ اور محتاج ایسا ہو کہ مہینوں اس کے گھر چولہا نہ جلتا ہو، اور کئی کئی وقت اس پر فاقے سے گزر جاتے ہوں۔ سپہ سالار ایسا ہو کہ مٹھی بھر نہتے آدمیوں کو لے کر ہزاروں غرق آہن فوجوں سے کامیاب لڑائی لڑا ہو۔ اور صلح پسند ایسا کہ ہزاروں پرجوش جاں نثاروں کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون وچرا دستخط کر دیتا ہو۔ شجاع اور بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلہ میں تن تنہا کھڑا ہو اور نرم دل ایسا کہ کبھی اس نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو۔ باتعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرّہ ذرّہ کی اس کو فکر، بیوی بچوں کی اس کو فکر، غریب و مفلس مسلمانوں کی اس کو فکر، خدا کی بھولی ہوئی دنیا کے سدھار کی اس کو فکر، غرض سارے سنسار کی اس کی فکر ہو۔ اور بے تعلق ایسا کہ اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد اس کو نہ ہو، اور اس کے سوا ہر چیز اس کو فراموش ہو، اس نے کبھی اپنی ذات کے لیے اپنے بُرا کہنے والوں سے بدلہ نہیں لیا۔ اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعائے خیر کی۔ اور ان کا بھلا چاہا۔ لیکن خدا کے دشمنوں کو اس نے کبھی معاف نہیں کیا۔ اور حق کا راستہ روکنے والوں کو ہمیشہ جہنم کی دھمکی دیتا اور عذابِ الٰہی سے ڈراتا رہا۔ عین اُس وقت جب اس پر ایک تیغ زن سپاہی کا دھوکا ہوتا ہو۔ وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ عین اُس وقت جب اس پر کشور کشا فاتح کا شبہ ہو، وہ پیغمبرانہ معصومیت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ عین اُس وقت جب ہم اس کو شاہِ عرب کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں۔ وہ کھجور کی چھال کا تکیہ

لگائے کھُردری چٹائی پر بیٹھا درویش نظر آتا ہے۔ عین اس وقت جب عرب کے اطراف سے آ آکر اس کے صحنِ مسجد میں مال و اسباب کا انبار لگا ہوتا ہے۔ اس کے گھر میں فاقہ کی تیاری ہو رہی ہے، عین اس عہد میں جب لڑائیوں کے قیدی مسلمانوں کے گھروں میں لونڈی اور غلام بنا کر بھیجے جا رہے ہیں۔ فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ جا کر اپنے ہاتھوں کے چھالے اور سینے کے داغ باپ کو دکھاتی ہیں۔ جو چکّی پیستے پیستے اور مشکیزہ بھرتے بھرتے ہاتھ اور سینہ پر پڑ گئے تھے۔ عین اُس وقت جب آدھا عرب اس کے زیرِ نگیں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضرِ دربار ہوتے ہیں۔ اِدھر اُدھر نظر اٹھا کر کاشانۂ نبوت کا جائزہ لیتے ہیں۔ آپ ایک کھری چارپائی یا چٹائی پر آرام فرما رہے ہیں۔ جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ ایک طرف مٹھی بھر جَو رکھے ہیں، ایک کھونٹی میں خشک مشکیزہ لٹک رہا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی یہ کُل کائنات دیکھ کر حضرت عمرؓ رو پڑتے ہیں۔ سبب دریافت ہوتا ہے۔ عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا! قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ پیغمبرؐ ہو کر اس حالت میں ہیں ارشاد ہوتا ہے، عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا کے مزے لُوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت۔

ابو سفیانؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سب سے بڑے حریف تھے۔ فتح مکّہ کے دن وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی لشکر کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ رنگ رنگ کی بیرقوں اور جھنڈیوں کے سایہ میں اسلام کا دریا امنڈتا آ رہا ہے۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھتی چلی آ رہی ہیں۔ ابو سفیان کی آنکھیں اب بھی دھوکا کھاتی ہیں۔ وہ حضرت عباسؓ سے کہتے ہیں، عباس! تمہارا بھتیجا

تو بڑا بادشاہ بن گیا ۔ عباسؓ کی آنکھیں کچھ اور دیکھ رہی تھیں ۔ فرمایا، ابوسفیان ! یہ بادشاہی نہیں نبوت ہے ۔

عدیؓ بن حاتم قبیلہ طے کے رئیس مشہور حاتم طائی کے فرزند تھے ۔ اور مذہباً عیسائی تھے ۔ وہ حضورؐ کے دربار میں آتے ہیں ۔ صحابہؓ کی عقیدت مندیوں اور جہاد کا ساز و سامان دیکھ کر ان کو اس فیصلہ میں دقت ہوتی ہے کہ محمدؐ بادشاہ ہیں یا پیغمبر! دفعتہً مدینہ کی ایک غریب لونڈی آ کر کھڑی ہوتی ہے ، اور کہتی ہے کہ حضورؐ سے کچھ عرض کرنا ہے ۔ فرماتے ہیں دیکھو مدینہ کی جس گلی میں کہو میں تمہاری باتیں سن سکتا ہوں ۔ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں ۔ اس ظاہری جاہ و جلال کے پردے میں یہ عجز، یہ انکساری ، یہ تواضع دیکھ کر عدیؓ کی آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور وہ دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ یقیناً پیغمبرانہ شان ہے ۔ فوراً گلے سے صلیب اتار دیتے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حلقۂ اطاعت اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔" (بحوالہ خطباتِ مدراس از سید سلیمان ندویؒ بعنوان "جامعیت")

بحضور

رسولِ عربیؐ

ایک صاحبِ کمال آیا ۔ جس نے جلوۂ حق دکھایا ۔ جس کسی نے اُسے پریم کی آنکھوں سے دیکھا ۔ اُس کی تمنائے زندگی پوری ہو گئی ۔ جس کی نگاہِ شوق اس پر پڑی اُسے منہ مانگی مراد مل گئی ۔ جس بشر کو اُس من موہن نے اپنا درشن دیا اس کے جنم بھر کا پاپ کٹ گیا ۔

آں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اے عرب۔ کیا ہی عجب ہوں گے تیرے بھاگ۔ جو تو نے نورِ خدا اپنی آنکھوں دیکھا۔ کیا ہی اچھے ہوں گے تیرے بخت جو تو نے حبیبِ خدا کے اپنی آنکھوں درشن کیے۔

اے ولایتِ عرب! اے بن اور بیابان کے باس۔ اے درندوں چرندوں کی ہجوم۔ اے چوروں ڈاکوؤں کے ماوٰی اے رہزنوں اور اور لیٹروں کے مسکن۔ اے اُجڈ گنواروں کے ٹھکانے۔ اے ازلی بادہ نوشوں کے خم خانے۔ اے وحشی عرب۔ تجھ میں بھرنے تھے دنیا کے بدکار اور جگت کے مکّار۔ نام نہاد کے انسان۔ مگر کرتوت کے شیطان۔ سچ ہے:۔

چلن اُن کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر ایک لُوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے

درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

اے سرزمینِ عرب، آج وہ دن ہے کہ تیرا نام وردِ زبان جہاں ہے اور خلقِ خدا تیرا ذکرِ خیر کرتی ہے۔ کون آنکھ ہے، جو تیرے درشن کو نہیں ترستی۔ وہ کون دل ہے، جو تیری دید کی تمنّا نہیں رکھتا۔ وہ کون ملک ہے جس نے تیرے شاہ کا سِکّہ نہیں مانا۔ اور وہ کون فرمانروا ہے جس نے تیری حشمت اور دبدبہ کو نہیں جانا۔ اے خطّۂ عرب تُو نے اب پرانا جامہ اُتارا۔ تو نے نیا اوتار دھارا۔ اے عرب تو نے نیا جنم پایا، کیونکہ تجھے رسولِ خدا ہاتھ آیا۔ اے عرب! رب کے رنگ نیارے ہیں، داتا جسے چاہے دے دے۔ ورنہ تیرے ہاتھ آئے یہ دولتِ محمدی، تجھے نصیب ہو یہ جمالِ احمدی!

اے ہمالہ کی بلند چوٹیو! تم ہی کچھ کہو! سینکڑوں رشیوں نے تمہاری شفقت

اور پیار کی گود میں نواس کیے۔ صدہا جوگیوں نے تمہارے پہلوئے محبت میں جوگ کمائے۔ ہزاروں تپیشروں نے تمہاری آغوشِ الفت میں تپ دھارے، لاکھوں گوروؤں، سدھوں نے تمہارے ہاں چرن کنول ڈالے۔

اے کوہِ ہمالہ! مگر سچ کہنا، کہیں دیکھا ہے تو نے وہ مکّہ کا راج دلارا۔ کہیں نظر پڑا ہے تجھے بھی وہ مدینہ کا پیارا۔

اے رود بارِ گنگا! تیرے پوتر جل نے پجاریوں کو رام نام جپایا۔ تیری سیتل لہروں نے مسافرانِ عدم کو تھپک تھپک کر ابد کی نیند سُلایا۔ تیرے پاک پانی نے پریم کے جوت کا دیا ہر بپھی کے مَن میں جلایا۔ تیرے میٹھے میٹھے گھونٹوں نے معرفت کے تشنہ لبوں کو آبِ کوثر کا مزہ چکھایا۔

اے موجِ گنگا! جس کسی کی آنکھیں تجھ سے دوچار ہوئیں تو نے اُسے گنگ منتر پڑھا کے چھوڑا۔ جو تشنہ لب تیری نظر پڑا۔ تو نے اسے گنگا جل پلا کے چھوڑا۔

اے آبِ گنگا! آخر یہ تو کہہ کہیں اُس آبِ زم زم والے سے بھی تیری آنکھ لڑی۔ کہیں اُس مکّی مدنی نے بھی تجھ سے کوئی گنگا جلی بھری۔

اے تاجدارِ عرب! سنتے ہیں، تیری چھب عجب موہنی تھی۔ اور تیرا رُوپ انُوپ تھا۔ اے دلدارِ عرب! کہتے ہیں تیری پریت کی جوت جس من میں جگی۔ وہ بجھائے نہ بجھی۔ جس آنکھ پہ تیری نگاہ پڑی، وہ پھر تیری ہی ہو رہی۔"

"رسولِ عربی"

ایک سکھ مصنف

پروفیسر بی۔ ایس، دارا بیرسٹر ایٹ لاء ایڈووکیٹ ہائیکورٹ

"ہیڈ ماسٹر" لندن کے قلم سے

امین وصادق

اب آگے پیچھے کوئی نہ تھا، جو اس یتیم بچے کی پرورش کرتا۔ ظاہر ہے، ماں باپ کے سوا کون کسی کو پالتا ہے۔ لیکن قدرتِ خداوندی اس معصوم کی پرورش کا انتظام اس طرح کرتی ہے کہ آپ کے چچا ابو طالب جو ایک بڑے کنبہ پرور شخص تھے آگے بڑھے اور انہوں نے پرورش اپنے ذمہ لی۔ پالا پوسا، اور اپنے ساتھ تجارتی کاروبار میں بھی شریک کر لیا۔ ایّامِ طفولیت سے لے کر قریباً پچیس برس کی عمر تک چچا بھتیجا دونوں شراکت میں کاروبار کرتے رہے۔ آپ نے اپنی صداقت و سچائی اور خوش معاملگی سے کاروبار میں بڑی شہرت حاصل کی۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کو "امین" اور "صادق" کے خطاب سے مخاطب کرنے لگے۔ تجارت و صداقت ہر دو ضدّین ہیں۔ ان کا ساتھ ساتھ نبھانا گویا آگ پانی کو ملانا ہے۔ تجارت وہ پیشہ ہے کہ جس کے اشتیاق کی اگنی کو اگر حسد و حرص کے بھوت ساتھ ساتھ دھونکتے نہ جائیں تو بنج بیوپار کا گرم بازار آناً فاناً ٹھنڈا ہو جائے، خواہ کوئی کتنی ہی جنس بے بہا کیوں نہ رکھے۔ جب تک اُسے دھوکے کا رنگ نہ دے اور اُسے فریب کے شیشے میں نہ اتارے، بھلا کوئی گاہک کیونکر پھنسے۔ جس جگ میں محبت کا معیار زر اور پریت کی پرکھ پیسہ ہو گیا ہو وہاں مال و متاع کے خریداروں کی دلداری بھلا بجز ریاکاری کس طرح ہو گی۔ جس جگ میں حرص و ہوس کا اس قدر زور ہو اور محبت کا عالمگیر قحط، وہاں مکر و فریب سے دُور بھاگنا، راستی پر چلنا، جھوٹ سے کنارہ کرنا، اور "صادق" و "امین" کہلانا یہ کس کا کام ہے۔

پھر سچ بولنا کس روئے زمین پر ؟ عرب کے اندھیرے میں، جہاں نہ عقل کی روشنی نہ تمیز کا اُجالا۔ جسے دیکھو اندر باہر سے کالا، جہاں لوگ ہر بُرے فن میں ماہر ہوں، اور ہر سیاہ ہُنر میں طاق، وہاں راستی برتنا اپنا ہی مُنہ کالا کرنا ہے۔ ایسے بدکرداروں میں نیکوکار ہو کر رہنا یہ کس کا کام ہے !

پھر سچ بولنا کس عمر میں۔ جب سن ہو چوبیس، پچیس، عین جوانی اور اَندھی مستانی۔ اس وقت جوانی کی اُمنگیں اور شباب کے ولولے اپنی دُھن میں بشر کو ایسا اندھا اور بے لگام بنا دیتے ہیں کہ وہ دائیں بائیں نگاہ تک نہیں کرتا۔ کہ کہاں ہے راہِ راست اور کدھر ہے کجروی۔ اُسے خبط ہوتا ہے تو بس اک اپنے خیال سے کہ جس طرح بھی ہو، یہ خبط پورا ہو، جھوٹ مُوٹ جو بھی بن آئے بناؤ، مگر اپنا جنون، نبھاؤ، جوانی ایک بُری بلا ہے۔ جوانی کے ندی نالہ جب طغیانی پر آجائیں تو بڑے بڑے گُنی پنڈتوں اور دھرم وان کبیشروں کو اُن کے بھی گیان گوشٹ سمیت آگے بہالے جائیں۔ جوانی کے اس عالم میں صادق القول کہلانا بشر کے مقدور سے باہر ہے۔ اور انسان کی طاقت سے بعید، مگر یہاں حقیقت ہی کچھ اور ہے۔

آؤ لوگو، دیکھو یہ طلسمِ حق ہے۔ اے آنکھوں والو! دیکھو، تربیت کے سلسلہ کو درہم برہم نہ کرو۔ اور نرنکار کے نور کو اجسام خاک میں نہ ملاؤ۔ آؤ لوگو۔ اس "امین" کو دیکھو۔ یہ اَمن رُوپ ہے۔ یہ سُندر سروپ ہے۔ اے کانوں والو۔ آؤ، اس "صادق" کو سنو۔ یہ قرآن ہے۔ یہ صداقت کا پیغام ہے۔

دُنیا کے مطلع پر

جہالت کی گھنگھور گھٹائیں

حضرت مسیح ابن مریمؑ کے راہِ راست سے بھولی بھٹکی انسانیت کو پیغام حق سنا کر، انہیں صراطِ مستقیم دکھا کر رُوپوش ہونے کے بعد زمین آفتاب کے گرد پانچ سو اکہتر چکر کاٹ چکی تھی۔ دنیا کا نظام تہذیب و تمدن بگڑ چکا تھا۔ اخلاق و شرافت کے تمام آئین و قوانین درہم برہم ہو چکے تھے۔ ہر طرف جور و استبداد کی فرماں روائی تھی۔ ہر سمت ظلم و ستم کی حکمرانی تھی۔ وہ دل جو اس کے لیے بنے تھے کہ ان پر انوار الہیہ پر تو فگن ہوں۔ ضلالت و جہالت کی تاریکیوں سے معمور تھے۔ خدا کی وفاداری کے معاہدے عصیاں کار لوگوں نے ایک ایک کر کے توڑ دیئے تھے۔ کوئی گردن نہ تھی جو اس کے آستانۂ جلال و جبروت اور دہلیز رحم و کرم پر نگوں ہو۔ کوئی سر نہ تھا جو اس کی شان قدوسیت کا اقرار کرے۔ وہ پیشانیاں جن پر خلافتِ الٰہیہ کی درخشاں مُہر لگ چکی تھی۔ اور جو صرف ایک خدائے بزرگ و برتر کے حضور میں جُھکنے کے لیے بنائی گئی تھیں۔ دنیا کی ہر قاہر و ظالم طاقت کے سامنے نہایت ذلت سے سجدہ ریز تھیں۔

ہندوستان وہ ہندوستان جسے کبھی تہذیب و تمدن کا علمبردار ہونے کا دعویٰ

تھا۔ جسے دنیا نے بڑے بڑے رشیوں اور منیوں کی پیدائش کا فخر حاصل تھا۔ شمال سے لے جنوب تک اور مشرق سے لے کر مغرب تک اک بتکدہ بنا ہوا تھا۔ اس کے گمراہ اور جاہل باشندے، شجر و حجر، آفتاب و ماہتاب اور سیارے، گائے اور بیل، دریا اور پہاڑ، سانپ اور بچھو اور نہ معلوم کن کن بلاؤں کو اپنا خدائے محبوب سمجھ کر بت پرستی کی لعنت میں گرفتار تھے۔ شری کرشن کے نام لیوا اور بدھ کے علمبردار دنیا طلبی کے دام تزویر میں پھنس کر، اپنی اصل تعلیمات سے منحرف ہو کر طرح طرح کی شرمناک حرکات کا شکار بنے ہوئے تھے۔

بابل وہ بابل جو کبھی ایک مستقل تہذیب کا سرچشمہ تھا، ستارہ پرستی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کی شاندار تہذیب اوہام باطلہ کے قالب میں ڈھل چکی تھی روما و یونان کی مرعوب کن شخصیت اور متحیر ساز عظمت مٹ چکی تھی۔ محاسن کی جگہ مصائب نے لے لی تھی۔ خوبیوں کی جگہ برائیوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ رومۃ الکبریٰ کا نظام تمدن گاتھ اور گال کے استبداد پرست ہاتھوں برباد ہو کر یورپ میں تباہی و بربادی کا ایک بے پناہ طوفان امڈ آیا تھا۔ مطلق العنان اور ظالم و جابر حکمران کی پیشانی کے ایک شکن کے قہر باش اشارے سے ہزاروں جیتے جاگتے بے گناہ انسان خاک و خون میں تڑپ کر رہ جاتے تھے۔ یونانیوں نے مہ آبادی اور زردشتی تہذیب و تمدن کے آئین و قوانین کو اصطخر کے آتشکدہ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جلا کر خاک سیاہ بنا دیا تھا۔ ایران کا ناموس مزدکیوں کے اقتدار پرست ہاتھوں بے شرمی اور بے حیائی کی قربان گاہ پر قربان کیا جا چکا تھا۔ عریانیوں اور نفس پرستی کے مظاہروں کو دیکھ کر حیا کسی سمندر میں جا ڈوب مری تھی۔ ظالم

اور ستمگر حکمران رعایا کو جور و جفا کا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے۔ ان کی تیغ بے پناہ رعایا کی خون آشامی کے لیے ہر وقت نیام سے باہر تھی اور کسی کو اتنی جرأت نہ پڑتی تھی کہ غلامی کی اس لعنت کے جوئے کو گردن سے اتار پھینکے اور ان صریح زیادتیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے۔ اول تو اس جبری غلامی نے رعایا کی ذہنیت ہی غلامانہ بنا رکھی تھی۔ اور دلِ آگاہ ہی سینوں میں خوابیدہ ہو چکے تھے۔ پھر اگر کسی دل میں حرّیت کی تڑپ پیدا بھی ہوتی تھی تو حکومت کا آہنی شکنجہ اس کا گلا گھونٹ دینے کے لیے ہر وقت موجود تھا۔

شیطان کے مریدوں کی کارگزاریاں

جب تہذیب و تمدّن کے آئین و قوانین کی تبلیغ و ترویج کی دعویدار اقالیم کا تہذیب اس شرمناک حالت کو پہنچ چکا تھا تو وہ دوسرے غیر مہذب ممالک کے غیر شائستہ جاہل اور کندۂ ناتراش جو کچھ بھی کر گزرتے تھوڑا تھا۔

چنانچہ انہوں نے دنیا کے سب سے بڑے حکمران سے سرکشی کی اور اس کی دنیا نے ان کے خلاف بغاوت و سرکشی کا عَلم بلند کیا۔ انہوں نے اس کی بارگاہِ معشوقیت کو چھوڑ کر شیطان کے آستانہ کو اپنی سجدہ گاہ بنایا، اور یزدانی قوتوں نے اپنا دستِ شفقت ان کے سر پر سے اٹھا لیا۔ قانون صرف صاحبِ اقتدار لوگوں کا اجارہ بن گیا تھا۔ زبردست جس طرح چاہتے تھے اپنی حسبِ خواہش اسے توڑ مروڑ لیتے تھے۔ مگر زیر دستوں پر آئینی بجلیاں ٹوٹتی تھیں۔ امراء اور شرفاء بڑے بڑے سنگین جرائم کے مرتکب ہوتے

ہوئے بھی قانون کی زد سے باہر تھے۔ مگر غریبوں کو معمولی قصور کی پاداش میں بھی ہولناک سزائیں ملتی تھیں۔ زیر دستوں کی عصمت و عزت زیر دستوں کے ہاتھ تھی۔ اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک غلام، ایک محکوم، ایک غریب نوجوان کی شادی کے بعد حسن کی پہلی تڑپ نفس پرست آقا، حاکم اور امیر کے بسترِ عیش پر ہی ہوتی ہے اور زیر دستوں کے گلشنِ شباب کی اچھوتی کلیوں کا پہلا رس زبر دستوں کی ہوس کاریوں نے ہی بھونرا بن کر چوسا ہے۔

عورتوں اور غلاموں کی تحقیر

انسان کی بہیمیت کی صفات اپنے اصلی رنگ میں نمایاں ہوگئی تھیں۔ غلاموں سے بہائم ایسا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ عورت کی ہوس پرست مردوں کی بدمستیوں کے لیے سامان نشاط سمجھا جاتا تھا۔ دنیائے انسانی کی آفرینش کے اس مقدس ذریعہ قدرت کی صناعی کے اس بہترین شاہکار کو اس سے زیادہ کوئی حقوق و مراعات حاصل نہ تھے کہ دنیا کی کج بین نگاہوں میں وہ مکر و فریب کی پتلی تھی فطرتاً نیکی کے ناقابل تھی۔ تمام قسم کے گناہوں اور ہر قسم کی بدکرداریوں کا منبع و مخزن تھی۔

جہالت کا مرکز

یوں تو کرۂ ارض کے ہر طبقہ میں انسانیت و شرافت کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ دنیا کے گوشہ گوشہ پر ضلالت و جہالت، بدتمیزی، بے حیائی،

جور و جفا، ظلم و ستم اور استبداد و اقتدار کی فرمانروائی تھی۔ ہر جگہ انسانیت اپنے شرف و مجد کو کھو چکی تھی۔ مگر ان تمام بے حیائیوں، بدتمیزیوں، خدائی قانون شکنیوں، شیطان پرستیوں، کفر و معصیت اور ظلم و عدوان کا مرکز وہ جزیرہ نما تھا جو دنیا کے سب سے بڑے برّاعظم کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور جسے عرب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جہاں شیطانی حکومت کی شان و شوکت کا اقبال و اقتدار پورے عروج پر تھا۔ دنیا کی دیگر اقالیم کے گمراہ باشندے تو عرب کے وحشی اور جاہل باشندوں کے ہاتھ پر بیعت تھے۔

لال پری کے رقص کے شیدائی

وہاں بے روز اَبر اور بے موسم گُل شراب لالہ گوں کے پُر کیف دَور چلتے تھے۔ اس کے درندہ صفت باشندوں نے عقل و اخلاق کے تمام آئین و قوانین بادۂ احمر کے چھلکتے ہوئے جام میں ڈبو دیئے تھے۔ شرم و حیا کو سمندر کی لہروں میں بہا دیا تھا۔ اس کے ریگستانوں کا ذرّہ ذرّہ کفر و شرک اور عصیانِ تمرد کی آندھیاں اُڑا رہا تھا۔ جنہوں نے تہذیب کی روشنی کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا تھا۔ اُس کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ پر جہالت و ضلالت کی تاریکیاں مسلط تھیں۔

نفس پرستی کے شرمناک مظاہرے

حسن بے نقاب تھا اور عشق بے حیا۔ جو کچھ بھی ہو گزرتا کم تھا۔ چنانچہ نفس پرستی کے مظاہرے عربوں کی فطرتِ ثانیہ بن گئی تھی۔ زنا پر شرم و ندامت کی بجائے اُلٹا فخر و مباہات کیا جاتا تھا۔ مجمعوں اور مجلسوں میں علی الاعلان اپنی قوتِ مردمی کے بلند بانگ دعاوی کیے جاتے تھے۔ سو سو عورتوں کو اپنے ازواج میں لے لینا ان کے نزدیک کوئی معیوب حرکت نہ تھی۔ کسی بے گناہ عورت کو اپنے حلقۂ ازواج سے الگ کر کے اس کی زندگی تباہ کر دینا ان کی شریعت میں کوئی جرم نہ تھا۔

فحش شاعری

شعر و شاعری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ طبیعت جوشیلی پائی جاتی تھی، حسن بے نقاب، شراب ناب، قدرت کا جمال بے حجاب، غرضیکہ خفتہ جذبات کو بیدار کرنے کے تمام ضروری سامان موجود تھے۔ شعر و سخن کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ فی البدیہہ شعر کہنے میں کمال حاصل کیا۔ حسین و نوجوان دوشیزہ لڑکیوں کے نام شعروں میں موزوں کیے جاتے اور انہیں سرِ بازار گایا جاتا۔

عصمت فروشی سے حصولِ دولت

لونڈیوں کو رقص و سرود سکھلا کر نوک پلک سے آراستہ کر کے بازاروں میں بٹھا دیا جاتا تھا۔ ان کی عصمت فروشی سے جو دولت حاصل ہوتی تھی وہ آقا کی عیش پرستیوں اور رنگ رلیوں میں چار چاند لگاتی تھی۔

بے حیائی کے عُریاں نظارے

ان کی عجوبہ پسند فطرت مجلسوں، میلوں اور مشاعروں کی ہمیشہ شائق رہتی تھی۔ جہاں ایک جگہ جمع ہو کر وہ جی کے اپنے دل کے ارمان نکالتے تھے۔ یہ میلے بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے تھے۔ ان میں جہاں شعر و سخن اور شجاعت و بہادری کے کمالات کے مظاہرے ہوتے تھے، وہاں بے حیائی، عُریانی اور بے شرمی کے بھی وہ نظارے آنکھیں دیکھتی تھیں جن کا تصوّر کرنے سے بھی حیا کی رُوح لرز جاتی ہے۔ اور غیرت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے۔

معصُوم بچیاں تکبّر کی قربان گاہ پر

انہی اپنی شجاعت و بہادری پر ہمیشہ ناز تھا۔ ان کی طبیعت غیوّر تھی۔ وہ کسی دوسرے انسان کے آگے واجب طور پر جھکنے کے خیال کو بھی سر پائے

استحقار سے ٹھکراتے تھے۔ یہ غلط وقار ان کے مغرور دماغ پر ایک نقش حقیقت بن کر ثبت ہوگیا تھا۔ جس کے آگے انہوں نے اس عورت کی حفاظت کو بھی جس کے گلشن شباب کو وہ اپنی ہوس کارانہ دست برد کے لیے سامانِ نشاط سمجھتے تھے پس پشت ڈال دیا تھا۔ بساطِ ہستی کی خوددار و جیتی جاگتی معصوم بچیوں کا گلا گھونٹ دینا ان کی اس جہالت کا جو شجاعت کے غلط استعمال نے ان کے قلب پر مستولی کردی تھی، ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔

پانچ پانچ سات سات سال کی نو عمر بھولی سی بچیوں کو کھلا پلا کر اور خوب صورت کپڑے پہنا باہر لے جا کر کسی گڑھے میں دھکیل کر پیوند زمین کر دینا ان کے ظلم وستم کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

رہزنی کی ہولناک وارداتیں

راہ چلتے اکیلے دکیلے مسافروں کے کپڑے تک اتار لینا اور انہیں غلام بنا کر بیچ دینا اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ نہتے انسانوں کو خاک و خون میں تڑپا کر اُن کے لہو سے اپنے ہاتھ رنگ لینا، ان کا ایک دلچسپ اور مجبوب مشغلہ تھا۔ کسی غریب کی آہ کسی بے کس کے آنسو ان کے پتھر دلوں کو موم کرنے کے لیے بے کار تھے۔ وہ ظالم اور خونخوار بھیڑیے تھے، مردم آزار درندے تھے۔ رحم اور ہمدردی ان کو چھو بھی نہ گئی تھی۔

★

جنگ وجدال اور خون کی ندیاں

قتل وخون اور جنگ وجدال ان کے لیے روزمرہ کا ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر خون آشام تلواریں نیام سے باہر نکل آتیں۔ اور ریگستان کی خشک ریت پر سُرخ سُرخ خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ یہ جنگ و جدال افراد تک ہی محدود نہ رہتی تھی بلکہ اگر کہیں ایک شرارہ بھی بلند ہوتا تھا تو اس سے قبیلے کے قبیلے بھڑک اُٹھتے تھے اور انسان گاجر مولی کی طرح کٹنے لگتے تھے۔ بعض اوقات چاند اور زمین کی بیسیوں گردشیں بھی اس خونریزی کا خاتمہ نہ کر سکتی تھیں۔ تاریخ عرب کے صفحات کئی ایسی طویل جنگوں کے حالات سے خون آلودہ ہیں جو کئی کئی پُشت تک جاری رہیں۔

اکثر حالتوں میں لڑنے والوں کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا کہ ہمارے اسلاف کے دلوں میں کن وجوہات کی بنا پر عداوت کا بیج بویا گیا تھا مگر انہیں لڑنا ضرور۔

سُود خواری

ملک میں ہر طرف سرمایہ داری کی لعنت مستولی تھی۔ سُود خواری ایک معزز پیشہ سمجھا جاتا تھا، اور سرمایہ دار نہایت بے دردی اور بے رحمی سے غریبوں کے گلے پر کُند چھُری پھیر رہے تھے۔ عہد حاضرہ کے ہندوستان کی موجودہ "بنیا شاہی" سے کچھ کچھ اُس وقت کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

قمار بازی

قمار بازی اُمراء و شرفائے عرب کے وقت کٹی کے لیے ایک سامانِ نشاط تھا۔ ملک کے طول و عرض میں جا بجا قمار خانے کھلے ہوئے تھے۔ جن میں بڑے بڑے دولت مند قسمت آزمائی کے لیے آتے اور بڑی بڑی جائدادیں ہارتے اور جیتتے تھے۔

بُت پرستی

وہ اہرمن کے پرستار تھے، ان کا کوئی یزدانی دین و مذہب نہ تھا۔ رات دن ایمان فروشی ان کا شیوہ تھا۔ بُت پرستی ان کا دین و ایمان تھا۔ ہر قبیلہ اور ہر شخص کے قبضہ میں ایک بُت تھا، جسے وہ خدائے معبود سمجھ کر اس کے آگے سرنگوں ہوتا۔ اسی سے اپنی مُرادیں مانگتا اور اسی کی پرستش میں اپنی فلاح و بہبود کا جویا ہوتا تھا۔ ان کے اس عقیدہ کی راسخ الاعتقادی کا بھی عجیب حال تھا۔ جب ایک بُت کی پرستش کرتے کرتے کچھ عرصہ گزر جاتا تو اسے فرسُودہ اور کہنہ سمجھ کر کسی نئے معبود کی تلاش کی جاتی تھی۔ دوسرا خوب صورت بُت ملنے پر پہلا بُت گھر سے نکال دیا جاتا تھا۔ یوں تو جزیرہ نمائے عرب کا ہر گھر بت کدہ بنا ہوا تھا۔ لیکن ہبل، عبعب، عزّیٰ، اساف، نائلہ اور لات و منات عظیم القدر معبود سمجھے جاتے تھے۔ جن کی پرستش کو تمام کفار اور گمراہ لوگ اپنا دین و ایمان سمجھتے تھے۔ اور اپنی اس عقیدت کیشی

سے ثواب عظیم اور عزت فراواں کے متوقع تھے ۔

ان عظیم القدر بُتوں کے علاوہ اور بھی ہزاروں مشہور بت تھے جن کے آگے عربوں کی گردنیں سجدہ ریز تھیں ۔

پھر ان بتوں کی پرستش کا طریقہ جو اہل عرب میں رائج تھا نہایت حیا سوز، شرمناک اور غیر مہذّب تھا ۔ ان کا عقیدہ تھا کہ لباس ہر قسم کے گناہوں کی نجاستوں سے آلودہ ہوتا ہے ۔ اس لیے جب وہ کسی بُت خانہ میں پرستش کے لیے جاتے تو لباس اتار کر برہنہ ہو جاتے تھے ۔ اور اس طرح برہنہ ہو کر طواف کرنے کی مکروہ رسم تقریبًا تمام عرب میں جاری تھی ۔ اگر کوئی صاحب جاہ وحشمت رئیس برہنہ ہو کر طواف نہ کرنا چاہتا تو وہ اپنا لباس اتار کر مجاوروں کا لباس پہن سکتا تھا کیونکہ مجاوروں نے اپنا اُلّو سیدھا کرنے اور اپنے ہاتھ رنگنے کے لیے اپنے کپڑوں کو پاک قرار دے رکھا تھا اور ان کو زیب تن کر کے طواف کرنے کی بڑی بڑی اجرتیں مقرر تھیں ۔

ڈالی بنا تھی کعبہ کی بُت خانہ بن گیا

عصیاں و تمرد اور کفر و باطل کی تاریکیوں میں بھٹکے ہوئے گمراہانِ عرب نے خدا تعالیٰ کے عہد کو پسِ پشت ڈال کر خانۂ خدا بھی بُت خانہ بنالیا تھا ۔

واحسرتا ! کہ ان پیشانیوں نے جو خانہ کعبہ میں جا کر خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے بنی تھیں ۔ بے جان ، بے رُوح ، بے حس اور بے اختیار بتوں کے سامنے جُھک کر اشرف المخلوقات انسان کو ارذل الکائنات انسان بنا دیتا ہے ۔

آہ! حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی رُوحیں عالمِ قدس میں تڑپ اُٹھتی ہوں گی۔ جب وہ اس بیت اللہ کو جسے پاک و صاف رکھنے کا خدا نے ان سے عہد لیا تھا۔ بیت الاصنام بنا ہوا دیکھتی ہوں گی، اور ان کی نگاہوں کو اس میں تین سَو ساٹھ بُت نصب نظر آتے ہوں گے ؎

ڈالی بناء تھی کعبہ کی بُت خانہ بن گیا

انسانیّت مر کر پھر زندہ ہُوئی

عالمگیر گمراہیوں اور ہولناک تاریکیوں کی اس شب تیرہ و تار میں کہیں تہذیب و تمدّن میں کہیں روشنی نظر نہ آتی تھی۔ جب شرافت کا نام و نشان مٹ چکا تھا، جب فطرت کا حُسنِ حقیقی اور رُوحانیت کا جمال صداقت کفر و باطل کی تاریکیوں میں چھُپ گیا تھا، جب کفر و معصیّت اور ظلم و ستم کی خونخوار دیوی تمام دنیا پر اپنی ناگن کی طرح لہراتی ہوئی ڈسنے والی سیاہ زلفوں کا جال پھیلا رکھا تھا اور انسانوں کے دل خدا کی قدر و منزلت کو بھُول کر اسی زہد شکن دیوی کے اسیر گیسو ہو کر اپنے گلے میں عصیاں کاری اور بُت پرستی کی لعنت کی زنجیر پہن چکے تھے" اک بار انسانیت مر کر پھر کر زندہ ہوئی"

★

فاران کی چوٹیوں سے اک نور چمکا

براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں ایک وسیع جزیرہ نما ہے جو عرب کے نام سے مشہور ہے اور جس کے شمال میں شام کا صحرا، بیت المقدس، بحرِ مراد اور عقبہ ہے اور جنوب مغرب میں خلیج عدن اور وادیٔ حضرموت، جس کے مغرب میں بحرِ احمر، یمن کی ریاست اور جدہ کی بندرگاہ۔

اسی جہالت اور ضلالت کے مرکز اعظم جزیرہ نمائے عرب کے کوہِ فاران کی چوٹیوں سے اک نور چمکا۔ جس نے دنیا کی حالت کو یکسر بدل دیا۔ گوشہ گوشہ کو نورِ ہدایت سے جگمگا دیا اور ذرّہ ذرّہ کو فروغ تابشِ حُسن سے غیرتِ خورشید بنا دیا۔

آج سے تیرہ صدیاں پیشتر اسی گمراہ ملک کے (جو عرب کے نام سے مشہور ہے اور جسے شام سے وہ سلسلہ کوہ جُدا کرتا ہے جو اس کے شمال میں چلا گیا ہے، مصر سے آبنائے سویز اور ہندوستان سے خلیج فارس) شہر مکہ مکرمہ کی گلیوں سے ایک انقلاب آفرین صدا اُٹھی۔ جس نے ظلم و ستم کی فضاؤں میں تہلکہ عظیم مچا دیا۔ یہیں سے ہدایت کا وہ چشمہ پھُوٹا جس نے اقلیم قلوب کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں سرسبز و شاداب کر دیں۔ اسی ریگستانی چمنستان میں رُوحانیت کا وہ پھُول کھلا جس کی رُوح پرور مہک نے دہریت کی دماغ سوز بُو سے گھرے ہوئے انسانوں کے مشامِ جان کو معطر و معنبر کر دیا۔

اسی بے برگ و گیاہ صحرا کے تیرہ و تار اُفق سے ضلالت و جہالت کی شبِ دیجور

میں صداقت وحقانیت کا وہ ماہتابِ درخشاں طلوع ہوا۔ جس نے جہالت و باطل کی تاریکیوں کو دُور کر کے ذرہ ذرہ کو اپنی ایمان پاش روشنی سے جگمگا کر رشکِ تجلیٔ زار صد طور بنا دیا۔ گویا ایک دفعہ پھر خزاں کی جگہ سعادت کی بہار آ گئی۔

اِک بار پھر اہرمن کی فرمانروائی کی جگہ دنیا پر یزدان کی حکومت ہو گئی۔ حق نے غلبہ پایا اور باطل مغلوب ہوا۔



روشنی کا مینار

ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ بزرگانِ ملت ہمارے لیے کیا چھوڑ گئے۔ یہ ورثہ ان کی کرامات و معجزات نہیں ہیں جن سے ہم فیض یاب ہو سکیں بلکہ دنیا و دین کے تمام شعبوں کے متعلق ان کا شیوۂ عمل، ان کا طرزِ اصول، ان کا طریقہ کار، ان کی تعلیم ایک لفظ میں ان کا مذہب ہے، جو ہماری شاہراہِ حیات پر ہدایت کی روشنی کا مینار بن سکتا ہے۔ یہی چیز ہے جو ہمیں شرف و مجد کے بلند ترین کنگرے پر پہنچا سکتی ہے جسے چھوڑ کر ہم اس عالم آب و گِل کے کسی گوشہ میں اور عالم بالا کے کسی کونہ میں فلاح و بہبود کے تمنائی نہیں ہو سکتے۔

مکارمِ اخلاق کے نایاب موتی

شرافت و اخلاق ہی ہماری حقیقی اور لازوال دولت ہے جو قارون کے گنج بے شمار اور کارنیگی اور راک فیلر کے بے اندازہ خزانوں پر خندہ زن ہے اس دولتِ لازوال کو دنیا کے ہر کونے سے، مذہب کے ہر گوشہ سے بلالحاظ رنگ و نسل، بلا امتیاز مذہب و قومیت ہر گرانقدر ہستی سے حاصل کرنے میں ہمیں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرنا چاہیئے۔ اس فانی دنیا کی ہر بڑی سے بڑی شے اس تلاش و جستجو کے مذبح پر قربان کی جا سکتی ہے۔

عالمِ باعمل کی فضیلت

انسان کی زندگی اتنی ہی کامیاب و کامران ہوتی ہے جتنی سرگرمی و تندہی سے وہ تلاشِ صداقت اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف و منہمک رہتا ہے۔

جو شخص اخلاق و شرافت کا ایک رفیع اور بلند اصول دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے وہ یقیناً بڑا ہے۔ مگر وہ شخص اس سے بھی بڑا ہے جو اس اصول کو کارگاہِ عمل میں لاتا ہے اور اپنے دل و دماغ کے خزانوں میں شرافت اور اخلاق کی لازوال دولت جمع کرتا ہے۔

ایک جلیل القدر عالم باعمل

جس گرامی نشان اور جلیل القدر بزرگ کی حیاتِ طیبہ کے عدیم النظیر واقعات اور فقید المثال کارنامے ان اوراقِ پریشاں کی وساطت سے گم گشتگانِ بادیہ ضلالت اور کارگاہِ خیر و شر کی کشاکش سے گھبرائے ہوئے لوگوں کے سامنے رکھے جا رہے ہیں، وہ اسی قسم کی رفیع المنزلت ہستی تھی جس نے اپنے دل و دماغ کو انسانی شرافت اور اخلاق کے بلند ترین معیار کے مطابق بنایا۔ پھر اس نظامِ اخلاق کی نشر و اشاعت کے لیے اپنے دل و دماغ کی تمام قوتیں صرف کر دیں اور کفر و باطل کی شبِ دیجور میں بھٹکتی ہوئی دنیا کے لیے ایمان و حقانیت کا وہ چراغ روشن کیا جس کی روشنی تیرہ صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اس ظلمت کدے میں اب تک موجود ہے۔ اور ہر لمحہ ترقی پذیر ہے ۞

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آفرینش کی صبح درخشاں

آخر وہ روزِ سعید اور مبارک گھڑی آ پہنچی جس کے انتظار میں زمین و آسمان کا ذرّہ ذرّہ بے تاب تھا۔ بہار ابھی کم سن تھی۔ باغ و راغ کے اندر قافلۂ گل آ پہنچا تھا۔ حدِ نظر تک زمین کا دامن پھولوں سے بٹا پڑا تھا۔ نسیم خوشبو سے مہکی ہوئی تھی۔ کہ حضرت عبداللہ کے کاشانہ میں وہ ماہتاب طلوع ہوگیا جس کی ضیا پاشیوں سے شبِ دیجور کی تاریکیاں اسی طرح کافور ہو گئیں جس طرح اس کی علمی نور افشانیوں سے آگے چل کر جہالت کی تاریکیاں دُور ہو جانے والی تھیں۔

صبح صادق کا وقت تھا۔ آفتاب عالم تاب ابھی اُفق پر طلوع نہیں ہوا تھا کہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے مبارک و مسعود نومولود کا مژدۂ جانفزا ابولہب کو سنایا۔ اُس نے مسرت کے جوش میں آکر اس لونڈی کو آزاد کر دیا۔ عبدالمطلب نے جب سنا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ اپنے نورِ نظر حضرت عبداللہ کی یادگار کو دیکھنے کے اشتیاق نے بے تاب کر دیا۔ حضور انور کو ایک چادرِ اطہر میں لپیٹ کر آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ اس عظیم المرتبت بُت شکن کو گود میں اُٹھا کر خوشی خوشی بتوں کا طواف کرانے کے لیے کعبۃ اللہ

میں رہے گئے۔ اُس وقت قریش کے اس بزرگ حضرت عبدالمطلب کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرا ہوگا کہ اس وقت جس ننھی سی ہستی کو گود میں اٹھا کر بتوں کے حضور اس کی درازیٔ عمر اور خوش حالی و فارغ البالی کے لیے دعا مانگنے آیا ہوں ۔ سنِ بلوغت کو پہنچ کر وہی مہتمم بالشان ہستی ان بُتوں کی پرستش کے خلاف ایک ایسی انقلاب آفرین صدا بلند کرے گی جسے سن کر یہ سب بُت مُنہ کے بل گر کے "ہو اللہ احد" کہنے لگیں گے۔

عظیم الشان واقعہ کا پیش خیمہ

آپ کی صبح آفرینش والی رات شہاب ثاقب اس قدر ٹوٹے کہ لوگ حیرت اور خوف کے مارے گھروں سے باہر نکل آئے۔ قریش نے ولید بن مغیرہ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا جب شہاب ثاقب اس طرح ٹوٹا کرتے ہیں تو ضرور کوئی عظیم الشان واقعہ پیش آیا کرتا ہے۔ یوسف یہودی نے کہ وہ نبی آخرالزمان جس کی آمدِ خوش آیند کی بشارتیں آسمانی کتابیں دے رہی ہیں آج کی رات منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جائے گی ۔ اسی طرح اور بہت سے حیرت انگیز واقعات ظہور پذیر ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ شکمِ مادر سے مختون پیدا ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ کچھ آلائش بھی نہیں نکلی تھی۔

دعوتِ عقیقہ

حضورِ انور کی صبح آفرینش کو چھ روز گزر چکے تو ساتویں روز آپ کے دادا عبدالمطلب نے نہایت شان وشوکت سے آپ کی پیدائش کی خوشی میں دعوتِ عقیقہ دی اور آپ کا نام نامی اور اسم گرامی محمد (صلعم) رکھا گیا۔ معزز مہمانوں نے بوڑھے سردار سے دریافت کیا کہ تم نے اپنے خاندان کے مروجہ ناموں کو چھوڑ کر ایسا نام کیوں رکھا ہے؟ عبدالمطلب نے جواب دیا میری خواہش ہے کہ میرا پوتا محمود الافعال اور حمید الصفات ہو اور ایک دنیا اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو۔ تاریخ اس بات پر شاہد عادل ہے کہ عبدالمطلب کی تمنائیں اپنی توقع سے بہت زیادہ بڑھ چڑھ کر برآئیں۔ اور اس نومولود مسعود نے اپنے پاکیزہ خصائل اور بصیرت افروز تعلیم سے اک دنیا سے خراجِ تحسین ہی نہیں بلکہ خراجِ عقیدت وصول کر لیا۔

آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام بشارت کی بنا پر احمدؐ رکھا تھا۔ اس طرح محمد (مصطفےٰ) احمد (مجتبےٰ) دونوں آپ کے ذاتی نام ہیں۔

شیر خوارگی کے ابتدائی چند ایّام

حضور انور کے شریکِ محفلِ ہستی ہونے کے پہلے دو تین دن تک آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ پھر یہ شرف ابولہب کی آزاد کردہ لونڈی ثویبہ کو عطا ہوا۔ حضور انور کے چچا امیر حمزہؓ نے بھی ثویبہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لیے آپ آمنہ کے لال کے دودھ بھائی تھے۔

شمع ہدایت کاشانۂ حلیمہؓ میں

حضور انورؐ نے اپنی دعوتِ عقیقہ کے بعد قوم ہوازن کے قبیلہ سعد کی ایک عورت حلیمہ کے کاشانہ کو اپنے نور سے منور فرمایا۔

میرے خیال ناقص میں عرب اپنے ایام جاہلیت میں اپنے بچوں کی صحت جسمانی کی طرف خاص توجہ مبذول کرنے کے اعتبار سے موجودہ دور کے متمدن اور مہذب ہندوستان سے کہیں افضل تھا۔ قدیم ایام سے شرفائے عرب میں دستور چلا آتا تھا کہ اپنے بچوں کو ان کی پیدائش کے چند روز بعد ہی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیتے تھے تاکہ صحرا کی صحت بخش کھلی ہوا میں نشو و نما پائیں. علاوہ ازیں ایام جاہلیت کا عرب زبان کی فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

مناظر فطرت کے درمیان اپنی زندگی کے ایام گزارنے والے بدوی اپنے کلام کی فصاحت کے لیے شہر کے باشندوں سے بھی گویا سبقت لے گئے تھے. اس لیے امراءِ عرب کا یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ صحتِ جسمانی کے علاوہ بچہ کی دماغی قوتیں بھی پورے طور پر بدوی عورتوں کی آغوش میں پرورش پا سکیں گی اور ان کی زبان کو فصاحت کی چاٹ لگ جائے گی۔

اسی قدیم قابلِ رشک رواج کے مطابق حضور انورؐ بھی حلیمہؓ سعدیہ کے سپرد کر دیئے گئے۔ تاکہ مناظرِ فطرت کے درمیان صحرا کی کو خرباش نسیم میں آپ کی صحت قابلِ رشک بن سکے۔ اور آپ کی زبان مبارک پر بدوؤں کی فصیح زبان کے الفاظ چڑھ جائیں۔

حلیمہ سعدیہ رضؓ

بدو عورتیں اکثر شہروں میں آتی رہتی تھیں۔ تاکہ نومولود بچوں کو پرورش کے لیے لے جائیں۔ حضور انورؐ کی ولادت باسعادت کے چند یوم بعد چند بدوی عورتیں مکّہ میں آئیں، اور حضور انورؐ کو یتیم سمجھ کر لے جانے میں کچھ تامل کیا۔ کیونکہ ان کی آنکھوں پر طمع نے ٹھیکری باندھ دی تھی۔ ان کو ایک یتیم بچے کی پرورش کے عوض کسی گراں قدر معاوضہ اور بیش قرار انعام کی توقع نہ تھی۔ وہ نہ جانتی تھیں کہ اس ننھی سی ہستی کے قدموں پر دین و دنیا کی برکتیں نثار ہوتی ہیں۔ اور اس کی پرورش کے ساتھ رحمتِ خداوندی بھی ان کے شاملِ حال ہوجائے گی۔ آخر ایک عورت حلیمہ نے حضور انورؐ کو لے جانے کا شرف حاصل کرنے کا تہیہ کرلیا۔ کیونکہ اسے شہر میں کسی اور امیر شخص کا لڑکا پرورش کے لیے نہ مل سکا۔

حلیمہ کہتی ہیں کہ میں جب اس مبارک ہستی کو دیکھنے کے لیے گئی جس کی عظیم المنزلت شخصیت کا مجھے خواب میں بھی علم نہ تھا تو آپ ایک چادر میں لپٹے ہوئے محوِ خواب ناز تھے۔ میں نے آپ کے سینۂ مبارک پر ہاتھ رکھا تو آپ نے اپنی ننھی ننھی آنکھیں جن کی گہرائیوں میں ایک دلکش اور سحر کار چمک تھی، وا کردیں۔ آپ کے لبوں پر ایک دلربا اور دلفریب تبسّم کھیلنے لگا۔ یہ دیکھ کر میری روح پر ایک عجیب و غریب مسرّت کا عالم طاری ہوگیا۔ میں نے آپ کی پیشانی مبارک پر جس میں سعادتِ انسانی اور قوتِ روحانی کا ایک درخشاں ستارہ چمک رہا تھا، ایک محبت بھرا بوسہ دیا اور آپ کو اٹھا کر اپنے

سینہ سے چمٹا لیا۔ اس چاند سی صورت نے میرا من موہ لیا تھا اور میں اس کی پرورش کو اپنی مسرت کا سرمایۂ کمال سمجھنے لگی تھی۔

رحمتِ خداوندی کی پہلی جھلک

حضورِ انور کو جب حلیمہ سعدیہ نے گود میں اٹھایا تو آپ کی والدہ ماجدہ نے اُسے بتایا کہ یہ ننھی سی ہستی کسی دن تاریخ عالم کی ایک جلیل القدر شخصیت بننے والی ہے۔ تم اس کی پرورش خوب اچھی طرح سے کرو۔ پردہ غیب سے تمہاری محنت کا معاوضہ تمہاری توقعات سے کہیں بڑھ کر ملے گا۔ اس وقت تو شاید حلیمہ کو ان حقیقت نواز الفاظ کی صداقت کا یقین آیا یا نہیں۔ لیکن جب وہ آپ کو گود میں لیے اپنے گھر میں پلٹ رہی تھیں تو راستے میں اُسے رحمتِ خداوندی کی پہلی جھلک نظر آگئی اور اُسے یقین ہوگیا کہ بلاشبہ یہ چاند سی صورت کسی دن دنیا کے آسمانِ شہرت پر چاند بن کر ہی چمکے گی۔

حلیمہ کہتی ہے کہ میری سواری کا جانور بالکل مریل سا تھا اور سب عورتوں کی سواریوں سے پیچھے رہتا تھا۔ لیکن جب حضورِ انورؐ کو گود میں لے کر میں اس پر بیٹھی تو خبر نہیں کہاں سے اس میں طاقت آگئی۔ اس کے قدموں میں ایسی سرعت پیدا ہو گئی کہ کسی کی سواری اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ یہ تعجب انگیز بات دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ آمنہ کے الفاظ صداقت سے بریز تھے۔

دوسری جھلک

حضورِ انور کو اپنی شمع وجود سے حلیمہؓ کا تاریک گھر منور کیے ابھی چند روز بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ اس کے گھر کے حالات میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ پہلے حلیمہؓ اور اس کا شوہر باوجود اپنا پسینہ بہانے کے بھی تنگی اور عسرت میں بسر کرتے تھے۔ اب حال یہ ہو گیا کہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتے تو سونا ہو جاتی تھی۔ ہر طرف خوشحالی اور فارغ البالی کا دَور دَورہ ہو گیا۔ بکریاں اس قدر دودھ دینے لگیں کہ سب سیر ہو کر پیتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر گاؤں کے دوسرے لوگ بھی اپنے چرواہوں پر زور دینے لگے کہ تم بھی اپنی بکریاں اسی چراگاہ میں لے جایا کرو جس میں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں۔

کچھ تو حضورِ انورؐ کی صورت ہی من موہنی تھی۔ اس گلدستۂ جمال، اس پیکرِ حسن کو دیکھ کر کس کے دل میں محبت کے جذبات نہ پیدا ہو جاتے۔ اس حسن و جمال پر مستزاد یہ کہ آپ کی تشریف آوری سے حلیمہ کے گھر کی کایا ہی پلٹ گئی۔ اس لیے گھر بھر آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ آپ کی خاطرداری اور پرورش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا جانے لگا۔

زبان مبارک پر توحید پرور کلمات

جب آپ اس قابل ہوئے کہ زبان مبارک سے اپنے شیدائی پرورش کرنے والے کی مسرت میں اضافہ کرنے کے لیے کچھ ارشاد فرما سکیں تو سبحان اللہ

اور اللہ اکبر کے توحید پرور کلمات کو آپ کا وردِ زبان پایا گیا۔ جب ذرا اور ہوش سنبھالا تو جس وقت کھانا تناول فرمانے لگتے یا کوئی اور کام شروع کرنے لگتے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ضرور پڑھ لیتے۔ آپ کی زبان حقیقت ترجمان سے اس چھوٹی سی عمر میں ایسے کلمات کا نکلنا آپ کی رُوح کی رفعتوں پر دال ہے۔

پرورش کرنے والوں سے محبّت

حضور انورؐ کو اپنی رضاعی ماں حلیمہؓ سے بے انتہا محبت تھی۔ یہاں تک کہ منصبِ نبوّت پر سرفراز ہونے کے بعد جب حلیمہ ایک دفعہ آپ کو ملنے آئی تو آپ جوشِ مسرّت میں بے خود ہو کر آپ کے استقبال کو دوڑے اور فوراً اپنی چادر آپ کے بیٹھنے کے لیے بچھا دی۔ اس کے بعد ایک دفعہ کسی جنگ میں قبیلہ بنی سعد کے بہت سے آدمی گرفتار ہو کر آئے تو حضور انورؐ نے حلیمہ کی سفارش پر ان سب کو رہا کر دیا۔ عہدِ طفولیت کے اوائل میں بھی جب آپ کاشانۂ حلیمہ میں پرورش پا رہے تھے آپ نے حلیمہ کو کبھی شکایت کا موقعہ نہیں دیا، بلکہ اپنے اخلاقِ پسندیدہ اور اوصافِ حمیدہ سے ان کے تمام خاندان کے لوگوں کے دل میں محبت کا ایسا گہرا نقش پیدا کیا کہ ان کو آپ کی دم بھر کی جدائی شاق ہو جاتی تھی۔ آپ نے اپنی بھولی بھالی لیکن حقیقت پرور باتوں اور محبت بھرے دل سے ان کے دل اپنی مٹھی میں لے لیے تھے۔ اپنے رضاعی بھائی اور بہن سے آپ کو از حد محبت تھی، اور کبھی ان کا دل میلا نہ کرتے تھے۔

حلیمہ سال میں دو دفعہ آپ کو مکّہ معظمہ لاتی اور آپ کی والدہ ماجدہ

آمنہ کی جدائی کی آگ ٹھنڈی کر جاتی تھی۔

حضورِ انورؐ آغوشِ مادر میں

حضورِ انورؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے ابتدائی ایام کی پانچ بہاریں حلیمہؓ کے زیرِ محبت صحرا کی لطافت بار اور صحت بخش نسیم میں دیکھیں۔ اس کے بعد آپ آغوشِ مادر میں آئے۔ حضرت آمنہؓ کے شوہر حضرت عبداللہ ان ایام ہی میں راہ گرائے عالمِ جاودانی ہو چکے تھے۔ جب حضورِ انورؐ ابھی ان کے بطنِ مبارک میں تشریف فرما تھے۔ یہی چاند سی صورت اب اس محبت اور مسرت کے دَور کی شیریں یادگار تھی جو کسی وقت لافانی معلوم ہوتا تھا مگر جس کے تار پود موت ظالم نے بکھیر دیئے تھے۔

خاوند کی فرقت کی آگ کے شعلے حضرت آمنہؓ کے وفا شعار، اور فداکاروں میں ہمیشہ بھڑکتے رہے تھے۔ لیکن لافانی محبت کی اس لافانی یادگار نے حضرت عبداللہ کی اس تصویر پر جو حضرت آمنہ کی چشمِ تصور میں چلتی پھرتی نظر آتی تھی اور بھی گہرے نقش نگار کندہ کر دیئے۔ اور وہ خاموش آگ جو ایک ہنگامہ خاموش کی طرح اس کے دل کی گہرائیوں میں سلگ رہی تھی اب پورے جوش و خروش سے روشن ہو گئی۔

محبوب شوہر کی آخری آرام گاہ

ایک سال اپنی تمام تپش سامانیوں اور سیماب وش بے قراریوں کے ساتھ گزر گیا۔ حضرت آمنہ نے محسوس کیا کہ اب اس فرقت کی آگ کے شعلوں کو سینے میں دبائے رکھنا ناممکن ہے۔ اس لیے آپ نے اپنے محبوب شوہر کی آخری آرام گاہ پر اپنی وفا شعار، شیریں کار اور لافانی محبت کے آنسوؤں کی بھینٹ چڑھانے کے لیے مکہ سے مدینہ منورہ کا قصد فرمایا کہ شاید اسی طرح دل کی تڑپ کو کچھ تسکین ہو سکے۔ اس سفر میں حضور انورؐ آپ کے ہمراہ تھے۔

خوں گشتہ تمناؤں کا خون آنکھوں کی راہ

حضرت آمنہ فرقت زدہ، دلریش اور جگر فگار حضرت آمنہ جس کا سہاگ لٹ چکا تھا، جس کی وفا شعار، فدا کار اور شیریں کار جوانی کی محبت کرنے اور محبت کیے جانے کی تمنائیں موت کی ٹھوکروں سے پامال ہو چکی تھیں، اپنے سینہ کو غمہائے پنہاں کا دفینہ اور دل کو رنج والم کا مخزن بنائے اپنے محبوب شوہر کی قبر پر اپنے جگر گوشہ کو سینے سے چمٹائے پہنچیں۔ اس وقت آپ پر حسرت و یاس، بے کسی اور سوگواری کا جو دل فگار عالم طاری تھا۔ زبانِ قلم اس کے بیان سے عاجز ہے۔ آپ کی آنکھوں سے خونیں آنسوؤں کا ایک دریا جاری تھا۔ دل تڑپ کر پہلو سے باہر نکل

آنا چاہتا تھا۔ اور اسی قبر کے آغوش میں ابدی آرام حاصل کرنے کا تمنائی تھا۔ حضور انورؐ بھی اشکبار تھے اور دیر تک اپنے والد بزرگوار کے مزار پر سوگوار کھڑے رہے۔

یہ پہلی گھڑی تھی جب اس ننھی سی ہستی نے جو آگے چل کر یتیموں کا ملجا و ماویٰ بننے والی تھی باپ کی جدائی کو محسوس کیا۔ یہ پہلی ساعت تھی جب کہ اس دل نے جس کی نامحدود وسعتوں میں دنیا کے اطمینانِ قلب کے ہزاروں سامان چھپے ہوئے تھے غم کی آتش اندوزیوں میں گھر کر سوز و ساز زندگی سے آشنائی حاصل کی، اور یہ پہلا لمحہ تھا جب ان آنکھوں نے جن میں دنیا کو نشاط و شادمانی کا فردوس زار بنا دینے کا پیغام انقلابِ آفرین پوشیدہ تھا۔ اپنی خوں فشاں اشک باریوں سے ریت کے ذرات کو لالہ فام بنایا۔

حضرت آمنہؓ شوہر کی خدمت میں

حضرت آمنہؓ نے ایک مہینہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ ہر روز اپنے جگر گوشہ حضرت محمد (صلعم) کو ہمراہ لے کر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کرنے اور اس پر اپنے اشک محبت کی نیاز چڑھانے جاتی رہیں۔ اس کے بعد مکہ معظمہ کو لوٹ پڑیں۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ اس یتیم کی جسے کسی وقت کسِ بے کساں اور والی یتامیٰ بننا تھا، پرورش کا گھوارہ حضرت آمنہؓ کی آغوشِ محبت بردر بنی رہے۔ اس لیے راستہ میں ابواؔ کے مقام پر آپ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر اپنے پیارے شوہر سے جا ملیں۔ زندگی نے اس کی تشنہ کام محبت

رُوح کو اپنے پیارے خاوند کی آغوشِ دل کشا سے محروم رکھا تھا۔ لیکن موت ایک دیوارِ آہن بن کر اس کی محبت کے درمیان حائل نہ ہو سکی۔

حضورِ انورؐ دادا کی کفالت میں

وہ جو یتیم تھا اب یتیم الطرفین ہو کر اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں آیا۔ عبدالمطلب نے اس خوشگوار بوجھ کو اپنے سر لیا۔ ان تمام فرائض کو جو ان پر اس صورت میں عائد ہوتے تھے بوجہ احسن پورا کیا۔ حضور انورؐ نے بھی اپنے پاکیزہ اخلاق اور اپنی دلکش صفات سے اپنے دادا کے دل میں گھر کر لیا۔ یہاں تک کہ عبدالمطلب اپنی خاص مسند پر جس پر ان کے اپنے لڑکوں کو بھی بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ حضور انورؐ کو تشریف رکھنے سے منع نہ کرتے تھے اور ہر طرح آپ کی خوشنودی کو مدِّ نظر رکھتے تھے۔

ان ایّام میں بھی آپ کے متعلق بہت سی حیرت انگیز باتیں ظہور میں آئیں جنہوں نے آپؐ کے خاندان کے لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت اور بزرگی کا نقش نقش فی الحجر کر دیا۔

حضرت عبد المطلب کی وفات

قدرت کو ایک دفعہ پھر ایک یتیم الطرفین کی آنکھوں کو آنسوؤں سے تر کرنا منظور تھا۔ اس لیے حضرت عبد المطلب بھی حضور انورؐ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لینے کے دو سال بعد ہی راہ گرائے عالم بقا ہو گئے۔ حضور انورؐ آپ کے جنازے کے ساتھ تھے۔ آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا اور دل آتشِ فرقت سے شعلہ زارِ غم بنا ہوا تھا۔

چچا کے آغوشِ کفالت میں

جب حضرت عبد المطلب بسترِ علالت پر دراز تھے اور اپنی دنیوی زندگی سے مایوس و ناامید ہو چکے تھے تو آپ نے اپنے ایک بیٹے ابوطالب کو بلایا اور حضور انور کی تعلیم و تربیت کا فرض اس پر عائد کرتے ہوئے وہ تمام ضروری ہدایات دیں جن پر آپ کا کفیل ہونے کی صورت میں اسے عمل پیرا ہونا ناگزیر تھا۔

حضرت عبد المطلب کثیر الاولاد تھے مگر یہ نفسیاتی حقیقت ان سے پوشیدہ نہ تھی کہ عموماً جتنا قریبی اور نزدیکی رشتہ ہوتا ہے اتنا ہی ضروری محبت کا جوش زیادہ ہوتا ہے اس لیے انہوں نے آپ کے حقیقی چچا کو آپ کی کفالت کے لیے منتخب فرمایا۔

حضورِ انورؐ کے کمالات باطنی پر طائرانہ نظر

ایامِ طفولیت میں ہی آپ کی افتاد طبع سے اس غیر معمولی عظمت اور بزرگی کے آثار نمایاں تھے جو آخری عمر میں آپ کے لیے فقید المثال شہرت اور عالمگیر سیادت کا باعث بننے والی تھی۔ کھیل کود کے زمانے ہی میں آپؐ کا روئے انور اس پختہ کاری کا رنگ لیے ہوئے تھا جو عام لوگوں میں کہن سالی اور فرسودہ شبابی میں بھی خال خال نظر آتا ہے، اور بچپن کے زمانہ کا تو ذکر ہی کیا ہے اسے تو بھولے پن اور بے فکری کا زمانہ سمجھا جاتا ہے جب بچہ کے کسی فعل پر اخلاقی یا قانونی گرفت نہیں کی جا سکتی۔ اور شباب کا فسوں کار زمانہ اپنی ظاہری تابانی اور درخشانی کے باوجود جذبات کے اعتبار سے ایک تیرہ و تار رات ہوتا ہے۔ جس میں اکثر نو عمر مسافرانِ ہستی اپنی شاہراہ سے بھٹک کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔

لیکن تاریخی واقعات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا ہے۔ کہ دنیا کے رہبرِ اعظم حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا بھولے پن کا زمانہ بھی ایسے طفلانہ افعال و اعمال سے یکسر تہی دامن ہے جو عوام سے اس عمر میں سرزد ہوتے ہیں۔ اس بے فکری کے زمانہ میں بھی آپ کی غور و فکر کی قوتیں ایک ستارہ درخشاں کی طرح جو دُور افق پر بادلوں میں سے چمک رہا ہو کبھی کبھی اپنا جلوۂ طلعت افروز دکھا کر آپؐ کے تعلق میں آنے والے لوگوں کے دلوں میں ایک روشنی پیدا کر جاتی تھیں۔ اور آپ کا تناسب

اس نرم رَو دریا کی طرح تھا جس میں کوئی تلاطم خیز موج اُٹھ کر ساحل کو فرسودہ نہیں بناتی۔ جس میں نہ کبھی ایسی طغیانی آتی ہے جو اس کے راستہ کو بدل کر رکھ دے۔ جذبات کے تموّج اور امنگوں کی محشر خیزی کا یہ زمانہ اخلاق کے اعلیٰ ترین اصولوں سے آپ نے محصور کر لیا تھا۔ اس لیے ان تہذیب و شائستگی کے آئین و قوانین سے نا آشنا آزادہ رَو اور رند مشرب لوگوں میں رہتے ہوئے بھی جن کی آلودہ دامانی شہرہ آفاق تھی۔ آپ نے اپنے دامن کو کسی قسم کی لغزش سے داغ دار نہیں ہونے دیا۔ اس زمانے کے حالات اور جاہلیت کے عرب کے ماحول کے زہریلے تاثرات کو پیش نظر رکھ کر آپ کے اس شریفانہ رویّہ کو دیکھیں تو زبانِ قلم آپ کی بلند حوصلگی، عالی ہمتی، نیک کرداری اور راست طبعی کے بیان کرنے سے قاصر ہے۔

آپ کی پاکیزہ روح جو قیافہ شناس کے تخیل کی بلند پروازیوں سے بھی بالاتر تھی اس تہذیب سوز اور منافی آئین شائستگی ماحول میں رہ کر بھی اس کے زہریلے تاثرات سے اثر پذیر نہیں ہوتی تھی۔ جس طرح صندل کا درخت اپنی شاخوں سے سینکڑوں زہریلے سانپ لپٹے رہنے کے باوجود بھی زہر کا اثر قبول نہیں کرتا۔

حضرت حلیمہؓ کی قابلِ اعتبار شہادت

دشنام طرازی اور بے ہودہ گفتگو جاہلیت کے عرب کی عادت کا تاریک ترین پہلو تھی۔ بڑے بڑے دراز ریش بزرگ اس معیوب فعل سے مستثنیٰ قرار نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ عین اس طرح سے جس طرح موجودہ دور کے ہندوستان

میں جاہل طبقہ کی اکثریت کی گفتگو کا فحش گفتگو اور گالی گلوچ جزو لاینفک بن گئی ہے۔
اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کے افراد کی زبان کی اس قسم کے الفاظ سے پاک نہیں ہے
بچوں کی فطرت میں نقالی کا مادہ بدرجہ اتم موجود ہے اور یہی ان کی فطرت کا روشن
ترین پہلو ہے جس سے وہ اپنے گردوپیش کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے
کے بعد ٹھوس تجربات کو اپنی آئندہ زندگی میں حاکمانہ عنصر کے طور پر غیر محسوس طور پر
شامل کرتے رہتے ہیں۔ بچوں کی اصلاح سے پیشتر والدین کو اپنی اصلاح کی فکر
کرنی ضروری ہے۔

میرے خیال میں اگر دنیا قومی ترقی، مکمل فلاح و بہبود اور اخلاقی دلآویزی
کے بام عروج پر پہنچنے کی تمنا رکھتی ہے تو اسے یہ اصول ہر وقت پیش نظر
رکھنا چاہیئے کہ کسی شخص کو ازدواجی زندگی کی اہم ذمہ داریوں میں پڑنے کا حق
حاصل نہیں جب تک کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش و تربیت و تادیب کے اصولوں
سے پوری طرح واقف نہ ہو اور خود ایک ناقابل تسخیر اخلاقی قوت کا مالک
نہ ہو۔ اس کے برخلاف ہونے کی صورت میں معدودے چند ہستیاں اگر ان
کی عقل پر علم سے جلا ہو جائے تو اپنے تئیں سنبھال لیتی ہیں۔ باقی سب
قعر گمراہی میں گرتی ہیں۔ بچپن کے تاثرات اس قدر قوی ہوتے ہیں کہ
بڑی عمر میں اکثر علم و عقل کی قوتوں سے بھی انہیں قبضہ و قدرت میں
رکھنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ عقل بھی انہی کی پیروی کرنے لگتی ہے۔ غرضیکہ
بچپن کی تربیت کا فقدان اکثر صورتوں میں تباہی کا باعث اور تمام صورتوں میں
ناقابل تلافی ہوتا ہے۔

اس جملہ معترضہ کے بعد اب مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ناقابل
تسخیر روح کی داد دینی چاہیئے کہ اس قدر تہذیب و شائستگی سے گرے ہوئے

ماحول میں پرورش پانے کے باوجود آپ کی حیاتِ طیبہ میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا جسے اس زہریلے ماحول کے تاثرات کا نتیجہ قرار دیا جا سکے۔ آپ نے اپنے بچپن کے ابتدائی ایام جو اثر پذیری کے اعتبار سے نہایت نازک زمانہ ہوتا ہے۔ قوم بنی ہوازن کے قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت حلیمہ کے کاشانہ میں گزارے ہیں۔ آپ کی اسی رضائی ماں کا قابلِ اعتبار شہادت ہے کہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ریگستان عرب میں بدوی لوگوں کے گھروں میں پیدا ہونے والے عام بچوں کی طرح نہ تھے بلکہ اپنی بے نظیر خصوصیتوں کی وجہ سے بہت سے ممتاز نظر آتے تھے۔ آپ نے یاوہ گو اور آوارہ لڑکوں کی صحبت سے ہمیشہ احتراز فرمایا۔ آپ کی زبان مبارک سے کبھی کسی نے کوئی فحش لفظ نہیں سُنا۔ آپ نے فضول کھیل کود سے بھی جو اکثر صورتوں میں بچپن کا مابہ الامتیاز ہے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

ہمیشہ کوئی نہ کوئی مفید شغل اختیار فرماتے۔ اپنے تعلق میں آنے والے لوگوں کی حتی الوسع امداد کرنے کی کوشش کرتے رہتے۔

علوِّ ہمتی کی ایک درخشاں مثال

اپنی رضائی ماں کے سایہ پرورش سے پرورش پاکر آپ اپنی حقیقی ماں کی آغوش میں آئے تو آپ کی عمر پانچ سال سے زائد نہ تھی مگر اپنے اخلاق حمیدہ اور اوصافِ حسنہ کی کشش سے سب کے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے۔ چھ سال کی عمر میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کی معیت میں اپنے والد بزرگوار کے مزار کی زیارت کے لیے مدینہ تشریف لے گئے۔

تو جس مکان میں آپ قیام پذیر تھے اس کے سامنے صاف وشفاف پانی کا ایک تالاب تھا اس میں آپؐ نے پیراکی کا فن حاصل کیا۔ اس چھوٹی سی عمر میں آپ کے دل میں حصولِ کمال کے ایسے جذبہ کا پیدا ہونا آپ کی علوِ ہمتی پر دال ہے۔ آپ نے ایک مہینہ مدینہ میں تشریف رکھنے کے بعد اپنی والدہ کے ہمراہ وطن کو مراجعت فرمائی۔ اس زمانہ کی سب باتیں آپؐ کے لوحِ دماغ پر اس خوبی سے نقش تھیں کہ ہجرت کے زمانہ میں جب آپ نے مدینہ منوّرہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا تو آپ نے صحابہ کرام کو اپنے قیام کا مکان اور اپنے ساتھ کھیلنے والی ایک لڑکی کا نام تک بتا دیا۔ اس سے آپؐ کے حیرت انگیز حافظہ پر روشنی پڑتی ہے۔

ابوطالب کی لونڈی کی شہادت

ابوطالب کی ایک لونڈی کی شہادت تاریخ کے صفحات میں موجود ہے کہ آپ نے گھر میں بھی کبھی مانگ کر کھانا نہیں کھایا۔ پھر جو کچھ آپؐ کے آگے رکھ دیا جاتا اسے نہایت رغبت سے نوش جان فرما لیا کرتے تھے۔ مین میخ نکالنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔ اس سے آپؐ کے اس وقار، ضبطِ نفس، حیا اور صبر کا پتہ چلتا ہے جو تمام عمر آپؐ کا مابہ الامتیاز رہا۔

ابوطالب کی رطب اللسانی

حضرت ابوطالب نے آپ کی حیاتِ طیبّہ کے طویل ترین حصّہ کے حالات

دیکھے ہیں۔ آٹھ برس کی عمر میں آپ ان کے زیر کفالت آئے۔ پچیس برس کی عمر میں شادی ہونے کے بعد ان سے الگ رہنے لگے۔ لیکن اس زمانہ میں بھی آپ کی زندگی آئینہ کی طرح ابو طالب کے سامنے تھی۔ وہ آپ کے اخلاق پاکیزہ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ ان کا قول ہے کہ آپ نے بچپن کے ایام میں بھی کبھی کوئی بات خلاف واقعہ نہیں کہی۔ کسی مشرکانہ تقریب میں شرکت و شمولیت نہیں فرمائی۔ آپ کی زبان مبارک سے کسی نے کوئی خلاف تہذیب کلمہ نہیں سُنا۔ بُرے اخلاق کے لوگوں کی صحبت آپ نے کبھی اختیار نہیں کی۔

آپ شرم وحیا کے پیکر تھے

ایک دفعہ بارش کی کثرت سے کعبہ کی عمارت کو کچھ نقصان پہنچ گیا۔ اس لیے مرمت کا کام جاری تھا، آپ اجتماع کے کاموں میں جن کی بنیاد نیکی اور راستی پر ہو، ہمیشہ دلچسپی لیا کرتے تھے۔ آپ کی عمر مبارک اس وقت سات اور دس سال کے درمیان تھی۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر آپ بھی اینٹیں ڈھونے لگے۔

آپ نے اس وقت صرف تہمد باندھا ہوا تھا۔ آپ کے چچا عباسؓ نے آپ کے تہمد کا ایک کونہ کھینچ کر اُسے اتار لیا اور تہہ کر کے آپ کے شانہ پر رکھنے لگے۔ تاکہ اینٹوں کی رگڑ سے شانہ مبارک چھل نہ جائے۔ اس عمر میں بچوں کی برہنگی عیب نہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن آپ میں شرم و حیا کا مادہ اس کثرت سے تھا کہ آپ تہمد کے کھلتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب یہ حقیقت عباسؓ پر منکشف ہوئی تو اُس نے پھر آپ کے تہمد باندھ دیا۔ شرم وحیا کو آپ نے ایمان کی

ایک شاخ قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام کا بیان ہے۔ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری عمر تک ایک، دوشیزہ کی طرح باحیار ہے۔

اس چھوٹی سی عمر میں اجتماع کے کام میں ایسی دلچسپی لینا کہ اپنے جسم تک کو تکلیف دینے سے دریغ نہ کرنا آپ کی بلند ہمتی اور علو طبعی پر دال ہے۔ عوام الناس میں یہ زمانہ کھیل کُود کا زمانہ ہوتا ہے۔ زندگی کی سنگین ذمہ داریوں میں پھنسنے کا نہیں۔

امین و صادق کا خطاب

آپ کی پاکیزگیٔ اخلاق، علو ہمتی اور راست کرداری کے بیشمار واقعات کتب تاریخ و سیر میں موجود ہیں۔ لیکن اس کتاب میں مزید گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے کثرتِ امثلہ سے غض بسر کرتے ہوئے اتنا کہہ دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ آپ کی صداقت پرستی اور امانت شعاری نے ایسا شہرہ پایا کہ مکہ کے لوگ بیش بہا زیورات اور بڑی بڑی رقمیں اور قیمتی کپڑے آپ کے پاس امانت رکھ جاتے تھے۔ اور خوش ہوتے تھے کہ ہم نے اپنی امانت محفوظ ترین جگہ رکھی ہے۔

تجارتی معاملات میں آپ کی راست بازی اور صداقت شیوگی شہر کے لوگوں میں ضرب المثل بن گئی تھیں۔ ان ہی اوصافِ حسنہ سے متاثر ہو کر اس متمرد قوم نے بھی جس نے کبھی کسی کی سیادت تسلیم نہیں کی تھی۔ آپ کو الامین اور الصادق کا خطاب دے کر آپ کی مابہ الامتیاز خوبیوں کو اپنی عقیدت کا خراج ادا کیا۔

نکاح مبارک

اب حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سفر ہستی کی پچیس منزلیں طے کر چکے تھے مگر فطری شرم وحیا کی وجہ سے رفیقہ حیات کے بارے میں کبھی ذکر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کا انتظام فرما دیا۔ اور وہ بھی مکہ معظمہ کی ایک مشہور ومعروف تاجرہ اور طاہرہ سے۔

حضرت خدیجہ بن خویلد مکہ معظمہ کی ایک مشہور ومعروف تاجرہ تھیں۔ آپ چاندی سونے میں کھیلتی تھیں۔ روایاتِ معتبرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا مالِ تجارت تمام قریش کے مالِ تجارت کے برابر ہوتا تھا۔ اس ظاہری دولت مندی کے ساتھ آپ باطنی دولت سے بھی مالا مال تھیں۔ اپنی عصمت وعفت، پاکیزگیٔ اخلاق اور عشق خداوندی کی صفات حسنہ کی وجہ سے آپ لوگوں میں طاہرہ کے معزز لقب سے مشہور تھیں۔

پہلی دفعہ آپ کا دامن ایک شخص اہالہ نباش بن زرارہ تمیمی کے دامن سے باندھا گیا تھا اور آپ کی گود میں دو بچے "ہالہ" اور "ہند" کھیلے اس کے بعد موت کے ظالم ہاتھوں نے خدیجہؓ سے "اہالہ نباش" بن زرارہ تمیمی کو چھین لیا تو آپ ایک دوسرے شخص عتیق بن عائد مخزومی کے حبالہ عقد میں آئیں لیکن موت نے عتیق کو بھی جلد ہی آ لیا اور اب خدیجہؓ دنیا اور اس کے ساز وسامانِ عشرت سے دل برداشتہ ہو کر عبادت وریاضت میں اپنے دن گزارنے لگی۔ اپنے باپ کی تجارت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کے سوا دنیا کے کاروبار سے اور کوئی علاقہ نہ رکھا۔ مکہ معظمہ کے رؤسائے نامدار

اور امرائے گردوں وقار ایسی دولت مند طاہرہ کو اپنے حبالۂ عقد میں لینے کے لیے بیتاب تھے۔

کئی سرداروں نے درخواستیں کیں مگر حضرت خدیجہؓ نے سب کو استحقار سے ٹھکرا دیا۔

روحانیت سے ایک گہرا لگاؤ ہونے کی وجہ سے خدیجہؓ اکثر زاہد و عابد لوگوں کی تعلیمات سے فیض یاب ہونے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ ایک دن وہ اپنے بالا خانہ پر بیٹھی ایک راہب کی باتوں سے لطف اٹھا رہی تھی کہ اتنے میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گزر اُدھر سے ہوا۔

راہب نے خدیجہ سے حضرت صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا:۔

"یہ پاکباز نوجوان کسی دن آسمانِ عظمت پر ایک آفتابِ درخشاں بن کر چمکے گا۔ اور مشرق و مغرب اس کے جلوہ انوار افشاں سے منوّر ہو جائیں گے۔"

خدیجہؓ نے ذوق و شوق سے اس خوش خرام حسین و جمیل نوجوان کی طرف دیکھا۔ اور ان کی ایک ایک ادا اس کے لوحِ دل پر نقش ہو گئی۔ چند روز اور گزرے تو خدیجہؓ نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر ایسی لاجواب مسرتوں اور شادکامیوں کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے تھی کہ زبانِ قلم اس کی تشریح سے عاجز رہے۔ خدیجہؓ نے دیکھا کہ "ماہتابِ درخشاں اس کی آغوش میں ہے اور اس کی ضیا باریوں سے شرق و غرب کی دنیا کا ذرّہ ذرّہ تجلّی زار صد طور بن رہا ہے۔" خدیجہؓ نے یہ خواب راہب سے بیان کیا۔ اس نے اس کی یہ تعبیر کی کہ عنقریب تمہاری شادی خاتم الانبیاء سے ہوگی۔

دن گزرتے گئے اور وہ احساسات جن کو خدیجہؓ کبھی ذوق وشوق سے تعبیر کرتی تھی۔ اب محبت کے ایک بے پایاں سمندر معلوم ہوتے تھے۔ جس کی تلاطم خیز امواج میں وہ بے اختیار بہے چلی جاتی تھی۔ وہ چشم تصور سے ایک پاکباز وخوش خرام نوجوان کی سراپا شباب تصویر دیکھ رہی تھی جس کے جمالات ظاہری اور کمالاتِ باطنی کے آگے کسی دن ایک دنیا سرنگوں ہو جانے والی تھی، اور اس کے جہانِ ہستی کا ذرّہ ذرّہ جھوم جھوم کر گویا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

وَمَا اَحْسَنَتْ عَیْنِیْ مِنَ النَّاسِ غَیْرَکُمْ

تمہارے بغیر کوئی آدمی میری آنکھوں میں نہیں جچتا ہے۔

وَلَا لِذٰی قَلْبِیْ حَبِیْبٌ سَوَاکُم

اور تمہارے بغیر کوئی اور محبوب میرے دل میں نہیں اتر سکتا

وَمَا غَیْرَکُمْ فِی الْحُبِّ یسر مھجتی

تمہارے بغیر کوئی چیز میرے شوق کی آگ کو بجھا اور دل کو تسکین نہیں دے سکتی

وَاِنْ شِئْتُمْ تَفْتِیْشَ قَلْبِیْ فَھَا کُمْ

اگر تم چاہو تو میرے دل کی تلاشی لے لو اس میں تمہارے بغیر کوئی نہیں

خدیجہؓ کے مختارِ عام

خدیجہ اپنے مالِ تجارت کی غرض سے قریش کے قافلہ کے ہمراہ شام کو بھیجا کرتی تھی اس لیے اسے کسی ایسے مختارِ عام کی ضرورت رہتی تھی جو اس کے اموالِ تجارت میں جس طرح چاہے تصرّف کرے مگر امانت و دیانت کا

دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امانت و دیانت کا شہرہ اس وقت تک عام ہو چکا تھا اس لیے جب آپ کے چچا ابو طالب اور عباس رض، خدیجہ رض کے پاس اس غرض سے آئے کہ وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شریک تجارت کرے تو خدیجہؓ کی مسرت کی کوئی حد نہ رہی اس نے بصد شوق اسے منظور کیا اور حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا مالِ تجارت لے کر قریش کے قافلہ کے ہمراہ ملک شام کو چلے گئے۔

خدیجہ رض کے دو غلام میسرہ اور ناصح بھی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شریکِ سفر تھے۔ انہیں خدیجہ رض کی طرف سے ہدایات مل چکی تھیں کہ حضور انور (صلی انور علیہ وآلہ وسلم) کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ اور نیز ان کی حرکات و سکنات کا خوب غور سے مطالعہ کیا جائے۔

حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے کام کی بوجوہ احسن تکمیل کی اور غلاموں نے بھی اپنے فرائض کی بجا آوری میں کو دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔

شام میں مال فروخت کرنے کے بعد قافلہ مکہ کو واپس ہوا، اور حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی اتنا کثیر منافع لے کر آئے جس کا کسی کو خیال بھی نہ تھا۔ خدیجہ رض نے خوش ہو کر دو اونٹ بمعہ ان کے مال محمولہ کے سو اشرفی اور سو روپیہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نذر کیا۔

اشہب شوق پر ایک اور تازیانہ

خدیجہؓ نے میسرہ اور ناصح کو جس خدمت کے لیے مامور کیا تھا اس کے سرانجام دینے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخلاق کی پاکیزگی، راست بازی، نیک کرداری اور کمالات حسنہ کی تعریف میں بجا طور پر اس رطب اللسانی سے کام لیا کہ یہ باتیں خدیجہ کے اشہب شوق پر ایک اور تازیانہ ہوئیں۔ اس نے میسرہ کو تو انعام و اکرام سے مالا مال کر کے آزاد کیا اور خود براہِ راست یا بالواسطہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں نکاح کا پیغام بھیجا۔

حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس خیال سے کہ خدیجہؓ دولت دنیا سے مالا مال ہے اور دن رات سونے چاندی میں کھیلتی ہے اور میں ابھی دولت دنیا کے اعتبار سے مفلس ہوں، ہمارا اتصال شاید عمدہ نتائج کا حامل نہ ہو۔ قدرے تامّل کیا اور کہا "خدیجہؓ! تم ملکۂ وقت ہو اور میں ایک مفلسی کی گود میں پلا ہوا غریب نوجوان، جس کی ماں سوکھا ہوا گوشت کھاتی تھی۔ میرا اور تمہارا کیا ساتھ؟"

یہ سن کر خدیجہؓ کے جذبات کی دنیا تہ و بالا ہو گئی۔ اُس نے دل میں سوچا کہ جس دولت کا یہ نوجوان تذکرہ کر رہا ہے وہ سچی محبت کے لیے سدِّ راہ نہیں ہو سکتی اور دلوں کے وصال میں دیوارِ آہن نہیں بن سکتی۔ پھر جب میں اس کی ہوں تو میرا سارا مال، میری ساری دولت اس کے قدموں پہ

نثار ہے۔ اس نے کہا ؎

فلوانني امسيت في	اگر مجھ کو تمام دنیا کی نعمتیں اور ہمیشہ
كل نعمة ودامت لي	کے لیے سلطنتِ کسریٰ وقیصر کی
الدنيا وملك اكاسرة	مل جائیں اور تو میری آنکھوں کے
فماسويت عندي جناح	سامنے نہ ہو تو پھر یہ تمام چیزیں
بعوضة اذالم يكن	میرے نزدیک پر پشہ کی قدر بھی
عيني بعينك ناظرة۔	نہیں رکھتیں۔

حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جب خدیجہؓ کے ذوق شوق محبت کو اس درجہ بڑھا ہوا دیکھا تو نکاح کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ اور خدیجہؓ کے دل کو شاد و آباد جاوداں بنایا۔ اعمام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدیجہؓ کے باپ کے گھر تشریف لے گئے اور ابوطالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ مہر خدیجہ نے اپنے مال سے مقرر کیا۔

ازدواجی زندگی کا مہکتا ہوا گلشن

مبارک نکاح کی مبارک رسوم اختتام کو پہنچیں۔ قدرت نے جس کا مقصد اوّلین ہی انجذاب باہمی پُرمسرت اندوز ہوتا ہے۔ وہ الگ الگ دلوں کو یک رشتۂ محبت میں منسلک کر کے دونوں کو یک جان دو قالب بنا دیا۔ ازدواجی زندگی کی رنگین وادیوں میں قدم رکھ لینا تو نہایت آسان ہے۔ مگر ایک فرض شناس باغبان کی تمام ذمہ داریوں کے ساتھ اسے مسرتوں، اور شادمانیوں کا ایک مہکتا ہوا گلشن فردوس بنا دینا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے ۔

لوگ کہتے ہیں چاہ مشکل ہے
سچ تو یہ ہے نباہ مشکل ہے

تاریخی واقعات اس شاندار حقیقت پر شاہد ہیں کہ سرور کائنات اور اُم المومنین کی ازدواجی زندگی کا گلشن عدیم النظیر محبت کے سدابہار پھولوں کی خوشبو سے ہمیشہ طبلہ عطار بنا رہا۔

آپ نے اُم المومنین کی عین حیات میں دوسرے نکاح کا نام تک نہیں لیا۔ اسی پیرانہ سال بڑھیا پر جس کا گلشن شباب پامال عمر ہو چکا تھا۔ ہزار جان سے فریفتہ رہے۔ روحانی محبت کا یہ وہ گلشن ہے جس کے پھولوں میں نفسانیت کی بُو نہیں پائی جاتی۔ سن و سال کا تفاوت اسی وقت کوئی معنی رکھتا ہے جب طرفین ایک دوسرے سے نفسانی لطف و مسّرت کے خواہاں ہوں۔ جب ازدواجی زندگی کو عیش و نشاط کی طلسمی زندگی نہیں، بلکہ فرائض ایک ناقابلِ شکست زنجیر تصور کر لیا جاتا ہے تو زوجین کی روحیں فرطِ محبت سے باہم مروّج ہو جاتی ہیں اور یہ اتصال قلبی لافانی ہوتا ہے۔ پینسٹھ سال کی عمر میں خدیجۃ الکبریٰ اپنے بہترین شوہر کو ہمیشہ کے لیے داغِ مفارقت دے گئیں۔ اور ایک گوشۂ زمین میں ابدی نیند جا سوئیں۔ مگر ان کے دلنواز شوہر کے دل کی عمیق ترین گہرائیوں میں جو جذباتِ محبت ان کے لیے موجود تھے وہ ان کے جسم کے ساتھ مدفون نہیں ہو گئے۔ بلکہ انہوں نے ہمیشہ آپ کے دل کو محشرستان بنائے رکھا۔ ان کی فداکار محبت اور شیریں کار عشق کے نقوش ہمیشہ آپ کے لوحِ دل پر مرتسم رہے۔ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا انقلاب اور زمانے کی کوئی بڑی

ے بڑی گردش ان کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکی ؎

ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق
عقل انسانی ہے فانی زندۂ جاوید عشق
عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے
عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے
رخصتِ محبوب کا مقصد فنا ہوتا اگر
جوشِ الفت بھی دل عاشق سے کر جاتا سفر
عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مر جاتا نہیں
روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں
ہے بقائے عشق سے پیدا بقا محبوب کی
زندگانی ہے عدم نا آشنا محبوب کی

رنگ و نور شباب اور طوفان جذبات جوانی کا شیریں کار ور ہنگامہ خیز زمانہ گزر چکنے کے بعد آپ کی زوجیت میں آنے والی مدیجۃ الکبریٰ کا قفسِ عنصری زیر زمین مدفون ہو چکا تھا۔ اب سرورِ کائنات کے پہلو کی زینت ایک نوجوان دوشیزہ تھی جس کا سینہ جذبات محبت کا مخزن ستان تھا۔ جس کا حسن و جمال غیرت حسن مہر و ماہ تھا۔ لیکن آپ کی وفاشناس دل میں اب بھی اپنی اوّلین ملکہ محبت کی شیریں یاد کروٹیں لیتی رہتی تھی۔ جب ان کا ذکر آتا تو آپ ان کے تصوّر میں اس طرح محو ہو جاتے تھے جیسے کوئی بہت دُور کا رنگین خواب دیکھ رہا ہو جس کی سحر کاریاں اور طلسم آفرینیاں ہنوز اس کے دل و دماغ کے لیے کیف بخش ہوں۔ اس دلگداز یاد سے آپ کے گہوارہ چشم میں بے اختیار

طفلِ اشک مچلنے لگ جاتے تھے ؎

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
خدا جانے ہمیں بیٹھے بیٹھے کیا یاد آیا

ایک دفعہ اس نوجوان بیوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو۔ جن کی طرف اوپر اشارہ ہو چکا ہے، ایک بڑھیا کو آپ کے اس فرطِ محبت سے یاد کرنے پر بڑا ملال انگیز رشک ہوا اس نے جھنجلا کر کہا۔

"کیا آپ کو خدا نے ایک بہتر بیوی نہیں دی! پھر بھی آپ ایک بڑھیا کو یاد کرتے رہتے ہیں"۔

آپ نے بغیر ایک لمحہ تامل کے کہا:

"ہرگز نہیں، جب میں افلاس کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا تھا اُس نے مجھ سے شادی کر کے مجھے دولت و ثروت کی لالہ کارواریوں میں محوِ گل گشت کیا۔ جب دنیا مجھ پر کذب و افترا کا الزام لگا رہی تھی، اس نے میری تصدیق کی۔ جب اور لوگ مجھے بصیرت افروز پیغام کی دھجیاں اڑانے کی کوشش کر رہے تھے اس نے میرے پیغام کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا"۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ جس محبت کا جزوِ اعظم نفسانیت کی بجائے روحانی جذب ہو وہ زندگی کے علاوہ موت کے بعد بھی کس ذوق و شوق سے اپنے محبوب کی وفا شعاریوں کو یاد کرتی رہتی ہے۔

اس قسم کی محبت انسان کو پابندِ دنیا نہیں کرتی بلکہ اس کی روح کی ترقی کے لیے ایک سنہری زینہ کا کام دیتی ہے۔

ترجمانِ فطرت ورڈز ورتھ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اسی حقیقت

کی طرف اشارہ کیا ہے۔

Learn by a mortal yearning.
To ascend seeking a higher object.
Love was given, encouraged, sanctioned
chiefly for that end.
For this the passion to excess was driven
that self unsight be annulled
Her bondage prove. The father of a
dream, opposed to love

سیکھنا اک جذبۂ فانی سے راہِ ارتقاء
عشق کی اغراض میں مضمر تھا یہ سرِ بقاء
عشق کی تخلیق، اس کی پرورش، نشو و نما
بہرِ تردیدِ انانیت تھی منظورِ خدا
بندگیٔ نفس گویا خواب کی زنجیر تھی
ذوقِ مقصودِ محبت اس کی اک تعبیر تھی

اُم المؤمنین خدیجۃ الکبریٰؓ کی بے مثال شیفتگی

وہ عشق جنوں پیشہ ہمیشہ حسرت و یاس اور غم و اندوہ کی دل دوز داستانوں پر منتج ہوتا ہے جب حسنِ تغافل شعار سراپائے استحقار سے ٹکراوے۔

دلی مسرت و شادمانی اور روحانی نشاط و انبساط کی کہانیوں کی حامل وہی محبت ہو سکتی ہے جو طرفین کے جذب باہمی کا نتیجہ ہو۔ ؎

اُلفت کا جب مزہ ہے ہوں وہ بھی بیقرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

حضرت صلعم اور اُم المومنین کی محبت اس قسم کی عدیم النظیر اور فقید المثال محبت تھی جس کی وفاشعاریاں تاریخ حسن و عشق کے صفحات میں سنہری حروف میں ثبت ہونے کے قابل ہیں۔ اگر ایک طرف حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات میں آگ کے شعلوں کی تپش موجود تھی۔ تو دوسری طرف حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کا دل بھی کوئی برف کی قاش نہ تھا اس میں لاکھوں بجلیوں کی بے تابیاں موجود تھیں۔ یہ شاعرانہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ میرا ضمیر اسے تسلیم کرتا ہے کہ خدیجہ رض کی محبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبوبانہ نہیں بلکہ عاشقانہ تھی۔ اس نے اپنے دل کے علاوہ اپنا تمام مال و دولت اور زر و جواہر سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدموں پر نثار کر دیا تھا۔ آپ نے مکہ کی اس مشہور تاجرہ کے تمام مال و دولت و ثروت کو امدادِ غربا اور دیگر اصلاحی کاموں کے لیے پانی کی طرح بہا دیا۔ مگر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کو کبھی یہ بات ناگوار نہ گزری۔ عورت اور سب کچھ خاموشی سے برداشت کر سکتی ہے۔ مگر سوکناپے کی جلن ایک ایسی چیز ہے جس کی برداشت اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔

مگر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض تو حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عشق میں کچھ اس طرح مبتلا ہوئی تھیں کہ وہ آپ کی محبت کے لیے اس جلن

کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہی تھیں۔ بلکہ بے حد خوش تھیں۔ ایک مرتبہ سرورِ کائنات نے آپ کو بتایا کہ جنت میں تمہارے سوا میری اور بیویاں فلاں فلاں بھی ہوں گی تو آپ نے مسکرا کر جواب دیا، یہ کون سی عجیب بات ہے بادشاہوں کے کئی کئی بیگمیں ہوتی ہی ہیں۔

آپ سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہر حکم کی تعمیل کو اپنے لیے شرف دنیا و دین سمجھتی تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ آپ کے لیے باعثِ صد ہزار فخر تھی کہ آپ کو ایک ایسا شوہر نصیب ہوا ہے جس کے مقدّس قدموں کی خاک میں دین اور دنیا کی برکتیں موجود ہیں اور جس کی ہستی باعثِ فخر کائنات ہے ؎

وہ چمن جس کی بہاروں میں ہے منظر حُسن کا
وہ چمن ہے ذرّہ ذرّہ جس کا مظہر حُسن کا
جس کی زریں پتیوں پر نقش ہیں رعنائیاں
جس کے رنگین طائروں کو گیت از بر حُسن کا
کھیلتی ہیں جس میں دن بھر خوبیاں محبوبیاں
نور افگن ہے جہاں راتوں کو اختر حُسن کا
مل گیا قسمت سے مجھ کو اس چمن کا ایک پھول
جس کی اک اک پنکھڑی دل کو ہے ساغر حُسن کا
زندگانی اس کی خوشبو سے ہے نکہت سربسر
اس کے جلووں سے ہے دنیا مجھ کو جنت سربسر

کفر کی تاریکیوں میں ایمان کی روشنی

عقائد، عبادات، معاملات، آداب، معاشرت اور اصلاح نفس کے صحیح اور مکمل ترین قوانین و آئین کے داعیٔ اعظم رسولِ مقبول حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ولادت باسعادت کے وقت جزیرہ نمائے عرب کی سرزمین بت پرستی کا مرکزِ اعظم بنی ہوئی تھی۔ تہذیب و تمدّن کی روشنی میں کوئی شعاع نہ تھی تاریک دلوں کو پیامِ ہدایت دے سکے۔

کوئی راہبر کامل نہ تھا جو زندگی کی راہ میں بھولے بھٹکے مسافروں کو صراطِ مستقیم دکھا سکے۔ صداقت و حقیقت کے شربت مفرح کے جرعہ شیریں اثر کی حلاوت اندوزیوں کے لیے کوئی تشنہ کام نہ تھا۔ کفر و بطالت اور گمراہی و جہالت کی شراب خودسوز سے ہر کہ و مہ بدمست ہو رہا تھا۔ ایسے پُر آشوب زمانہ کے طوفان بے تمیزی میں یہ داعیٔ اخلاق، ہادیٔ طریقت اور سرچشمۂ رشد و ہدایت سرورِ عالم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا ایک فقید المثال اور عدیم النظیر کارنامہ تھا کہ "آدم از آدم رنگ می گیرد" کے مقولہ کی صداقت مشتبہ کر کے دکھلا دی۔ تہذیب و تمدّن اور اخلاق و شرافت کے فقدان کے زمانہ میں بھی مکارمِ اخلاق کے ایک نیرِ رخشندہ بن کر آسمانِ عرب پر جلوہ گر ہو گئے اور لطف اندوز نظارہ ہونے والے لوگوں کی نگاہیں اوصافِ حمیدہ اور خصائل حسنہ کی تابانیوں اور درخشانیوں سے خیرہ کر دیں۔

جب آپ ایامِ صورت کی پُر بہار اور لالہ کار وادیوں میں محوِ گل گشت

تھے۔ اس وقت بھی آپ نے مکارمِ اخلاق کا جو لاثانی نمونہ پیش کیا تھا اس کا مختصر ذکر گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ آپ کا سینہ جواہر گنجینۂ شرافت کے ان دُرہائے شہوار کا خزینہ تھا۔ جن کی چمک دمک صدیاں گزرنے پر بھی کم نہیں ہوئی اور نہ کبھی ہو گی۔ آپ تکمیلِ انسانیت کے مظہرِ اتم بن کر عرب کے ریگستان بسیط کے کفرزار میں جلوہ افروز ہوئے تھے۔ آپ بے کمالاتِ ظاہری اور باطنی وہ گلہائے رنگارنگ تھے جن کی روح پرور خوشبو نے اہل دنیا کا مشام جان معطر کر دیا۔ آپ کا وجود وہ آفتابِ درخشاں تھا جس نے کفر و بطالت کی تاریک راتوں میں روزِ روشن کی سی روشنی پیدا کر کے ایک دفعہ عرب تو کیا تمام جہان کو بقعہ نور بنا دیا۔ اب تک آپ کے افق دل پر آفتابِ رسالت اپنی تمام نور باش جلوہ گریوں کے ساتھ جلوہ گر نہیں ہوا تھا، پھر بھی آپ کا قلب مبارک انوارِ الٰہیہ اور تجلیاتِ آسمانی کا وہ مسکن تھا جس کی روشنی سے آپ کے اِردگرد کی فضا انوار در انوار ہو رہی تھی۔ تاریکیوں کی شبِ دراز میں سفر کرتے ہوئے بھی آپ صراط مستقیم سے نہیں بھٹکے۔ گمراہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی آپؐ نے اپنی پاکیزہ رُوح کی اُجلی چادر پر کسی قسم کی گمراہی کا دھبہ نہیں پڑھنے دیا۔

یہ ایک ایسی صداقت ہے جس پر مخالفینِ اسلام بھی متفق ہیں۔ اور متعصب نکتہ چین بھی آپ کی جوانی روحانیت پرور اور صداقت پرست جوانی پر تعریف و تحسین کی شہادت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ آپ کے مقدس قدموں پر عقیدت کی نذر چڑھاتے ہیں۔ مخالفِ اسلام سات سمند پار بسنے والا ایک منہ پھٹ انگریز مصنف بھی جو مخالفتِ اسلام پر اُدھار

کھائے بیٹھا ہے۔ آپ کی پاکباز اور زہد پرور جوانی پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکا۔ سر ولیم میور اپنی کتاب لائف آف محمد میں رقمطراز ہیں:

All the authorities agree in ascribing to the youth of Mohammad a correctness of deportment and purity of manners rare amongst the people of Mecca.

(سرورِ عالم) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جوانی کی عمر میں آپ کی پاکیزگی اخلاق اور مطہر عادات پر سب مصنف متفق ہیں۔ حالانکہ یہ جنس گراں مایہ مکہ کے لوگوں میں کمیاب تھی۔

وعدے کی بے نظیر ایفاء۔

ایسے طوفانِ بے تمیزی کے زمانہ میں جب وعدہ شکنی روزمرہ کی معمولی باتوں میں سے ایک بے حقیقت بات سمجھی جاتی تھی آپ کے دل وعدہ شناس میں اپنے قول کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عدیم النظیر احساس موجود تھا۔

حضرت ابوحمامہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بازار میں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اس کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو آپ سے عرض کیا کہ اگر حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تھوڑی دیر کے لیے یہاں توقف کریں تو میں گھر ہو آؤں اور پھر آپؐ سے ایک ضروری معاملہ میں مشورہ لوں۔ آپؐ نے فرمایا بہتر! آپ کے آنے تک میں یہیں انتظار کروں گا۔

چنانچہ ابو طامہؓ گھر کو چلے گئے اور بہترین اخلاق کے داعی اعظم وہیں اُن کے منتظر رہے۔ ابوطامہؓ نے اہل وعیال کے شور وشغب اور خانہ داری کی مصروفیتوں میں منہمک ہو کر اس بات کو گلدستہ طاقِ نسیان ہی بنا دیا کہ وہ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے سرِراہ منتظر رہنے کی التماس کر آئے ہیں۔ دن گزر گیا، شب آگئی، حضور انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اُسی جگہ منتظر رہے۔ مگر ابوطامہؓ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ لیلیٰ شب بھی اپنی تمام تاریکیوں کے ساتھ اپنا رختِ سفر باندھ کر مغرب کی پہاڑیوں میں جاکر روپوش ہوگئی۔ اور سلطان خاور دیارِ مشرق سے اپنی تمام نور پاشیوں کے ساتھ عالم پر جلوہ گر ہوگیا۔ کائنات کا ذرّہ ذرّہ بیدار ہوگیا، اور تمام جانداروں نے اپنے اپنے فرائض کو محسوس کرنا شروع کردیا۔ مگر حضرت ابوطامہؓ کے نہاں خانہ دماغ میں اب بھی گزشتہ روز کے وعدہ کی یاد کی کوئی شعاع بیدار نہ ہوئی۔ صبح اپنی تمام بیداریوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ گزر گئی۔ آفتاب نصف النہار تک پہنچ گیا۔ وعدہ شناس اور صادق القول آمنہؓ کا لال اسی طرح سرِراہ ابوطامہؓ کا منتظر تھا۔ اب حضرت ابوطامہؓ کو بھی یکایک اپنے وعدہ کا خیال آیا۔ وہ دوڑے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی حیرانی اور پشیمانی کی کوئی حد نہ رہی۔ جب انہوں نے اس حیرت انگیز اخلاق کے مالک انسان کو اُسی جگہ اپنا منتظر پایا جس جگہ وہ اُسے ٹھہرنے کے لیے عرض کر گئے تھے۔ آپؐ ابوطامہؓ کو دیکھ کر چیں بہ جبیں نہیں ہوئے۔ آپؐ کے چہرہ پر غصہ کے کوئی آثار ظاہر نہیں ہوئے۔ آپؐ نے صرف اس قدر فرمایا کہ ابوطامہؓ! تم نے مجھے بہت تکلیف دی۔ ابوطامہؓ اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوا اور

بہت کچھ عذر و معذرت کی۔

دیانت

صداقت و دیانت کا اس زمانہ میں کوئی پرستار نہ تھا۔ کذب و بددیانتی اہلِ عرب کی امتیازی صفت بنی ہوئی تھی مگر حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صداقت و دیانت نے اہلِ مکہؓ کے دلوں پر اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ اس کا مفصل ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

اس جگہ ایک اور واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے آپ کی ذہانت پر برقی روشنی پڑتی ہے اور یہ بات الم نشرح ہو جاتی ہے کہ آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے سے پیشتر بھی آپؐ کا دل ان اوصافِ حمیدہ اور خصائلِ حسنہ کے نور سے منوّر تھا جو کسی بلند پایہ سے بلند پایہ انسان کے لیے بھی فخر و نازش کا سرمایہ ہو سکتے ہیں۔

تجارت آپ کا محبوب پیشہ تھا۔ اوائل عرب سے آپ کو اسی پیشہ سے سابقہ پڑا تھا۔

قیس بن صائب کے ساتھ آپؐ نے شرکت فرمائی اور مالِ تجارت فروخت کرنے کے لیے یمن تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپ کو اتنا نفع منافع ہوا جس کا آپؐ کو شان و گمان بھی نہ تھا۔ واپسی پر آپؐ نے حساب کر کے تمام منافع کا نصف قیس بن صائب کو دے دیا۔

دوسری مرتبہ قیس بن صائب یمن میں مالِ تجارت فروخت کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ واپسی پر آپ نے حساب کر کے منافع کی رقم کا نصف

حصہ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بعد میں حضرت صاحب کو معلوم ہوا کہ قیس بن صائب نے حساب میں غلطی کھائی ہے۔ اور آپ کے حصہ میں کچھ رقم زیادہ آگئی ہے۔ آپ بے چین ہوگئے اور جب تک اپنے شریک تجارت کو بلا کر زائد رقم واپس نہ کر دی آپ کو چین نہ آیا۔

خاندان سے محبّت

مکّہ میں ایک دفعہ قحط پڑا، بڑے بڑے خاندان عسرت کی زندگی بسر کرنے لگے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اگرچہ بہت بڑے رتبہ کے سردار تھے مگر کثیر العیال ہونے کی وجہ سے اس قحط سالی کے زمانہ میں آپ بھی عسرت سے دن گذارنے لگے۔ آپؐ کو معلوم ہوا، تو آپؐ نے اپنے دوسرے چچا عباسؓ کو مشورتاً ترغیب دی کہ چوں کہ ابوطالب کثیر العیال ہیں اور اس قحط سالی کے زمانہ میں عسرت سے گزران کر رہے ہیں۔ اس لیے رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے ہم پر فرض ہے کہ اس مصیبت کے زمانہ میں ان کا بار ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) علی ابن ابی طالب کو اور عباس جعفر بن ابی طالب کو اپنے اپنے گھروں میں لے گئے۔ اور اس طرح حضرت ابوطالب کا بوجھ بہت کچھ ہلکا ہوگیا۔ اس قسم کی شفقت و محبت کی مثال اس وقت کے عرب میں قطعی مفقود تھی۔ وہ نفسا نفسی کا زمانہ تھا۔ ایسا زمانہ جس کی نسبت ایک شاعر لکھتا ہے ؎

این چہ شوریست کہ در دور قمر مے بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر مے بینم
ہیچ اُلفت نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر مے بینم
دختران را ہمہ جنگ است وجدل با مادر
پسران را ہمہ بدخواہ پدر مے بینم

خانہ خدا میں آتشزدگی

اس سجدہ گاہِ عاشقانِ حقیقت میں کسی بداحتیاطی سے آتشِ سوزاں کے شعلے اس طرح بھڑک اٹھے جس طرح کسی بدقسمت دہقان کے خرمن پر بجلی لوٹ پڑنے سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ جس کی تاسیس و تعمیر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس ہاتھوں ہوئی۔ اور جسے آفتابِ کلدان کے غروب ہونے کے بعد جہالت کے مجنوں اور باطل پرستوں نے پرستش گاہ بتاں بنا رکھا تھا۔ آتش زدگی کے صدمہ عظیم سے دیواریں جا بجا سے شق ہو گئیں۔ اور سردارانِ قریش نے اس مقدس عمارت کو منہدم کر کے از سرِنو تعمیر کرنے کا پختہ فیصلہ کر لیا۔ مگر عمارت کی عظمت و وقعت اور ہیبت و جلال کی وجہ سے کسی شخص کو اس کے منہدم کرنے میں پیش قدمی کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

سردارانِ قریش ابھی کش مکش ہی کی حالت میں تھے کہ ولید بن مغیرہ آگے بڑھ کر یہ کہتے ہوئے شکستہ دیواروں کو منہدم کرنے لگے کہ:

"جب ہمارے دلوں میں نیک جذبات ہوتے ہیں تو خوفزدہ
ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔"

دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی۔ اور تھوڑی دیر میں سب عمارت مسمار کر دی گئی۔

ایک خونریز جنگ کے آثار

مسجد الحرام کی شکستہ عمارت کو مسمار کرنے کے بعد بڑی شان و شوکت سے اس کی از سر نو تعمیر شروع کرا دی گئی اور سب قریش خوشی خوشی بصد ہمت و وسعت کام میں ہاتھ بٹاتے رہے۔ مگر جب سنگ اسود کے لگانے کا وقت آیا تو نہ صرف یہ کہ ایک متنازعہ فیہ معاملہ پیش ہو جانے کی وجہ سے تعمیر کا سب کام بند ہو گیا بلکہ ایک زبردست اور خونریز جنگ کے آثار و علائم ظاہر ہونے لگ پڑے۔

سنگِ اسود ایک سیاہ پتھر تھا جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس ہاتھوں سے خانہ کعبہ میں نصب ہوا تھا۔ اسی وجہ سے عرب کے تمام قبائل اس کی تقدیس کے قائل تھے۔ اب تک بھی یہ مقدس پتھر بوسہ گاہِ فرزندانِ توحید بنا ہوا ہے۔ ہر ایک قبیلے کا سردار اس امر کو اپنے لیے باعث صد ہزار فخر و مباہات تصور کرتا تھا۔ کہ وہ سنگِ اسود کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر دیوار میں نصب کرنے کا شرف حاصل کر سکے۔

اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ شرف ایک ہی خوش نصیب شخص کو حاصل ہو سکتا تھا اور سردارانِ قریش میں سے کوئی سردار ایسا نہ تھا جو

جو اس عزت کے حصول کے لیے کوشاں نہ ہو۔ ایسے حالات میں یہ کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے کہ خون آشام تلواریں نیام سے باہر نکل آئیں۔

سردارانِ قریش کی مجلسِ مشورۃ

ریگستانِ عرب کے ذرّات خدا جانے مادرِ گیتی کے کتنے فرزندوں کے خون سے لالہ فام بنتے۔ مگر قدرت کو یہ خونریزی منظور نہ تھی۔

سردارانِ قریش نے ایک مجلسِ مشورۃ منعقد کی جس میں شرکائے مجلس میں سے ہر ایک نے اس متنازع فیہ معاملہ کے تصفیہ کے لیے اپنی اپنی قیمتی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن ولید بن مغیرہ کی زرّیں رائے کے سوا کسی کی رائے کو شرفِ قبولیت عام حاصل نہ ہوا۔ اس کی اس صائب رائے پر سب نے اتفاق کیا کہ جو شخص حسن اتفاق سے کل صبح مسجد الحرام میں سب سے پیشتر آ نکلے اسی کے حکم کو تسلیم کر لیا جائے اور جو فیصلہ وہ کر دے اسے بلا چون و چرا فیصلہ ناطق تصور کیا جائے۔

حضور اقدسؐ کا حَکم بننا

سردارانِ قریش کی خوش قسمتی سے خدا کی قدرت کاملہ نے سنگِ اسود کے متنازع فیہ معاملہ کے تصفیہ کے لیے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کو سب سے پیشتر حرام کعبہ میں بھیج دیا جس کے مکارم اخلاق نے انسانی قلوب کو مقناطیسی کشش کے زیر اثر اپنا گرویدہ بنا رکھا تھا۔ پیغامبرِ توحید

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگرچہ صنم پرستی کے شدید ترین مخالف تھے، لیکن ابراہیمی تعلق کی وجہ سے خانہ کعبہ کی عظمت و تقدیس کے قائل تھے اور سنگِ اسود کو بوسہ دینے کے لیے ایسے وقت جب کفار وہاں موجود نہ ہوں۔ مسجد الحرام میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اب بھی آپ حسب معمول اپنے مقررہ وقت پر جلوہ فرما ہوئے تو سب افراد جو سرِشام سے حکم مقرر کرنے کے بعد حرم کعبہ میں موجود تھے۔ "الامین: الامین" پکار اٹھے۔

عدیم النظیر فیصلہ

آپ حکم منظور ہو چکے تھے، آپ کا فیصلہ فیصلہ ناطق تھا۔ جو کچھ آپ زبان مبارک سے فرما دیتے۔ سردارانِ قریش کو اس کے تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ آپ کے نہاں خانہ دل میں اگر شہرت و عزت دنیوی کے خیالات مستور ہوتے تو وہ آج ظاہر ہو کر رہتے۔ آپ اس شرف کو اپنے لیے مختص فرما لیتے اور جھٹ سے سنگِ اسود کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیتے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس منصف مزاجی اور ذہانت و قابلیت دماغی سے فیصلہ صادر فرمایا کہ سردارانِ قریش عش عش کر اٹھے اور آپؐ کی صداقت پرستی اور حق پرستی کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو گئے۔ آپؐ نے اپنی رِدائے مبارک زمین پر بچھا دی۔ اور سنگِ اسود کو اپنے دست مبارک سے اٹھا کر اس پر رکھ دیا۔ اب سردارانِ قریش کو حکم دیا کہ چادر کے کونوں کو تھام کر دیوار کے پاس لے چلیں۔ جب سنگِ اسود دیوار کے پاس پہنچ گیا

تو آپ نے چادر پر سے اٹھا کر اسے دیوار میں نصب فرما دیا۔ آپ کے اس قدیم النظیر فیصلے کی برکت سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رُک گئی۔ بادی النظر میں یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر نتائج کے لحاظ سے اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ سب حالات و واقعات جو اس جگہ نہایت مختصر طور پر احاطۂ تحریر میں لائے گئے ہیں،، اس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب آپ کے قلب مبارک پر انوارِ الٰہی اچھی طرح پرتو فگن نہیں ہوئے تھے اور ابھی قدرتِ کاملہ آپ کو رسالت کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز کرنے کے لیے تیار کر رہی تھی۔ عہدۂ نبوت پر فائز ہونے کے بعد آپ کی حیاتِ طیبہ کا نسبتاً زیادہ کامیاب و کامران اور روشن و درخشاں دَور شروع ہوتا ہے۔ اور اس وقت جو کچھ آپ سے ظہور میں آیا وہ محیر العقول ہے۔

سرِ مبارک پر نبوت کا زرّیں تاج

آخر جب آپ سفرِ ہستی کی چالیس منزلیں طے کر چکے اور شب و روز زہد و تقدس اور تخیّل و تصوّر سے آپؐ کا قلب انوارِ الٰہیہ کی ریزش کی برداشت کے لیے تیار ہو چکا تو ایک ساعت سعید میں ایک نور آسمانی حرا کی تاریکیوں میں چمکا۔ جس سے یہ مختصر سا غار تجلّی زار صد، طور بن گیا۔ آپ کی بند آنکھیں اس کی نور کی تاب نہ لا کر کھُل گئیں تو ایک ذی جبروت فرشتہ کو سامنے حاضر پایا۔ اس نے آپؐ کی خدمتِ اقدس میں نہایت ادب سے التجا کی کہ خدا نے اپنی آخری حُجّت آپؐ پر ختم کی اور آپ خاتم الانبیاء ہیں

میں خدا کا فرشتہ جبرئیل ہوں ۔ اور آپ کے پاس وحی لے کر حاضر ہوا ہوں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ

پڑھ اس خدا کے نام سے جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا جس نے انسان کی گوشت کے ایک لوتھڑے سے تخلیق کی ۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے ۔ وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا ۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں ۔

یہ ایک عالم آشکارا حقیقت ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی مکتب میں داخل نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی کسی استاد کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا تھا کہ اس لیے آپ فن تحریر و قرأت سے قطعی ناواقف تھے ۔

جبرائیل کی درخواست پر آپ نے صاف کہہ دیا کہ " میں پڑھا ہوا نہیں ہوں "۔ جبرئیل نے آپ کو بغل میں لے کر خوب زور سے بھینچا ۔ اور پھر کہا کہ اب پڑھو ۔ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر وہی پہلا جواب دہرایا ۔ اب حضرت روح الامین نے پھر آپ کو آغوش میں لے کر زور سے بھینچا ۔ اور کہا کہ اب پڑھو مگر حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بدستور وہی پہلا جواب دیا ۔

روح الامین نے ایک دفعہ آپ سے اور معانقہ کیا اب انشراح صدر ہو جانے کی وجہ سے آپ نے جبرئیل کے ساتھ مل کر پڑھا ۔ پھر حضرت

روح الامین آپؐ کو غارِ حرا سے باہر لے آئے اور دامنِ کہسار میں ایک چادر بچھا کر اس پر آپ کو جلوہ افروز کیا۔ اور خود زمین پر زور سے پاؤں مارا جس سے شیریں پانی کا ایک چشمہ پھوٹ نکلا۔ حضرت جبرئیل نے خود وضو کیا اور آپ کو وضو کے قواعد سکھائے۔ پھر آپ کو اپنے اقتدار میں دو رکعت نماز پڑھائی، اور آسمان کی بلندیوں کی طرف پرواز کر گئے۔

جلالِ الٰہی کی لرزہ آفریں ہیبت

ہر چند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قلب مبارک انوارِ الٰہیہ کے پرتو کے لیے تیار ہو چکا تھا پھر بھی آپ آخر انسان ہی تھے۔ تقاضائے بشریت سے آپ کا قلب جلالِ الٰہی سے لبریز ہو گیا۔ آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔

آپ کانپتے ہوئے گھر پہنچے اور اپنی فداکار بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھاؤ، مجھے چھپاؤ۔ وفا شعار بیوی آپ کو لرزہ براندام دیکھ کر گھبرا گئیں۔ انہوں نے جلدی سے آپ کو کمبل اوڑھایا، اور حقیقت حال دریافت فرمائی۔ آپ نے یہ استعجاب انگیز اور حیرت خیز واقعہ من و عن دلجو بیوی کے گوش گزار کیا۔ اور ہیبت و جلالِ الٰہی سے خوف زدہ ہو کر یہ بھی فرما دیا کہ مجھے تو اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ کا تسلی بخش جواب

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے آپ کا ایک ایک لفظ پوری توجہ سے سُنا اور پھر عرض کیا کہ :

"آپؐ خوف زدہ نہ ہوں، آپؐ کا خدا آپؐ کے ساتھ ہے۔ وہ جو کچھ کرے گا بہتر ہی کرے گا۔ کیونکہ آپؐ مہمانوں کے خدمت گزار، راست گفتار، امانت گذار، مصائب میں لوگوں کے مددگار، یتیموں کے دوست و غمگسار، مسافروں کے یار اور خلق خدا کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے والے ہیں۔"

آپؐ کی نبوّت پر ورقہ رضؓ کی شہادت

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا چچازاد بھائی ورقہؓ بن نوفل عبرانی زبان کا ایک جیّد عالم تھا اور تورات و انجیل کے مسائل پر پورا پورا عبور رکھتا تھا۔ اس لیے آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اُن کے پاس لے گئیں اور تمام واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر کے ان سے اس کی تشریح و تصریح کی طالب ہوئیں۔

ورقہ بن نوفل کی آنکھیں تو تمام حالات سُن کر کُھلی کی کُھلی رہ گئیں اور عالم تحیر میں فرطِ انبساط سے چیخ اٹھا:

"پاک ہے پاک ہے اللہ مجھے اس ذات والاصفات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ناتواں ہے -
اے خدیجہؓ! اگر یہ واقعہ جو تو نے بیان کیا ہے درست ہے تو اس پر وہی ناموسِ اکبر نازل ہوا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا تھا اور وہ اس امت کا نبی ہے"۔

یہ الفاظ کہہ چکنے کے بعد پھر ورقہ کی زبان سے چند فی البدیہہ اشعار نکلے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"اے خدیجہؓ! جو بات مجھے تو کہتی ہے اگر یہ سچ ہے تو سمجھ لے کہ احمدؐ اللہ کا رسولؐ ہے - جبرئیل اور میکائیل دونوں خدا سے وحی لے کر اس کے پاس نزول کریں گے جو اس کے دین کی عزت حاصل کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور بہت سے بدبخت، گمراہ اور شقی القلب اس سے نیک بخت بن جائیں گے - لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں گے - کوئی تو خدا کی بہشت پالیں گے اور کوئی دوزخ کی زنجیروں میں جکڑے جائیں گے"۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی ان فی البدیہہ اشعار سے تسلی و تشفی کر دینے کے بعد ورقہ بن نوفل حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف مخاطب ہوئے اور آپؐ کی خدمت اقدس میں نہایت عقیدت مندانہ طرزِ گفتگو میں عرض کیا کہ:

"یہ وہی ناموسِ اکبر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل

ہوا تھا۔ کاش! کہ میں اس وقت عالمِ شباب کی منزل بہار میں ہوتا اور اس وقت تک زندہ رہتا۔ جب آپؐ کی قوم آپؐ کو شہر بدر کر دے گی تو اس وقت میں آپؐ کی مدد کرتا۔"

عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کی اس گفتگو کے آخری فقرے کو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نہایت حیرت واستعجاب سے سُنا اور دریافت کیا کہ کیا میری قوم مجھ کو نکال دے گی؟ ورقہ بن نوفل نے جواب دیا:

"ہاں! آپؐ کی قوم آپ کو ضرور نکال دے گی۔ آپ سے پیشتر بھی جب کسی نے ایسی تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی ہے، جیسی کہ آپؐ کرنے والے ہیں، اس کے ساتھ دنیا نے کچھ اسی قسم کا سلوک روا رکھا ہے۔ اگر مجھے اس دن تک زندگی نصیب ہوئی جب آپ، ہجرت پر مجبور ہوں گے، تو میں آپ کی مدد کروں گا۔"

تورات اور انجیل کے عالم ورقہ بن نوفل کی زبان سے اپنے پیغمبر ہونے کی شہادت سن کر حضور پُرنور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے مکان پر تشریف لائے۔ سب سے پہلے جس خوش نصیب ہستی کے قلب پر اسلام کے ازلی اور ابدی نور کا پرتو پڑا وہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی چہیتی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں جن کے صداقت گوش اور بیتاب و بے قرار دل کی روحانی تشنگی انہیں آج سے پندرہ برس پہلے کشاں کشاں اس چشمۂ فیض کے پاس لے آئی تھی۔

صداقتِ رسولؐ کی بیّن دلیل

انسان اپنے خیالات و جذبات تمام دنیا سے چھپا کر رکھ سکتا ہے مگر بیوی کو دھوکا دینا کسی طرح ممکن نہیں ، بیوی سے زیادہ میاں کا اور کون آشنائے راز ہو سکتا ہے ۔

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی زندگی کے پوشیدہ ترین پہلوؤں سے بھی واقف تھیں ۔ جب آپؐ نے انہیں دعوتِ اعتقاد وصالح دی تو انہوں نے بلا تامّل اسے قبول کیا اور بصد مسرت آپ کی رسالت پر ایمان لائیں اور کہا لاریب آپ وہی نبی ہیں جس کا طالبانِ حق کو ایک مدّت مدید سے انتظار تھا میں بصد خوشی مشرف بہ اسلام ہوتی ہوں ۔

آپ نے انہیں وضو کرنا سکھایا اور دو رکعت نماز پڑھائی ۔ اس وقت تک مسلمانوں پر دو رکعتیں نماز ہی فرض تھی ۔ پھر جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو معراج ہوئی تو پانچ وقت کی نماز فریضۂ مذہب قرار پائی ۔

آپ کی دعوتِ حق پر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا فی الفور ایمان لے آنا بلکہ اپنی دیرینہ آرزو کے بر آنے پر خوشی سے جامے میں پھولے نہ سمانا اس بات کی بیّن شہادت ہے کہ آفتاب نبوّت کے طلوع ہونے سے پیشتر بھی آپ کی زندگی دورنگی سے جو ایک مفتری کا طغرائے امتیاز ہے قطعی پاک تھی ۔

دنیا نے آپؐ کو دیانت و امانت ، راست گفتاری و نیک کرداری کے اوصاف

حسنہ سے متصف دیکھ کر اگر "امین الصادق" کا معزز و ممتاز خطاب دیا تھا، تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پندرہ برس آپ کی زندگی کی شریک رہ کر کسی ایک موقعہ پر بھی لوگوں کی خوش اعتقادی کی تحریک ہوتی نہیں دیکھی تھی۔ ایک صادق شخص کی درخشاں نشانی یہ ہے کہ جو شخص اس سے جتنا زیادہ نزدیک ہوتا ہے اتنا ہی اس کے اخلاق فاضلہ اور شمائل مبارکہ کی سحرکار کشش اس کے دل کو اپنی جانب کھینچتی ہے کیونکہ اس کو بہ نسبت دور رہنے والوں کے اس کے حالات و خیالات سے زیادہ باخبر رہنے کا موقع ملتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا قبولِ اسلام

حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رسولِ برحق کے بچپن کے رفیق اور مخلص دوست تھے۔ آپ کی تمام زندگی آئینہ کی طرح ان کے سامنے تھی جب انہوں نے آپ کے دعوائے رسالت کا ذکر سنا۔ فوراً کاشانہ نبوی میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ دنیا حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت جو کچھ کہتی ہے اس میں کہاں تک صداقت موجود ہے! حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جواب میں فرمایا کہ اگر دنیا یہ کہتی ہے کہ میں نے رسالت کا دعوٰے کیا ہے تو یہ حرف بہ حرف درست ہے۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا اچھا تو ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کروں۔ اسی فی الفور ایمان لانے کی وجہ سے آپ صدیق کہلائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک دولت مند، صائب الرائے اور عقیل و فہیم شخص تھے۔ زود بازی کو آپ کی طبیعت میں بالکل دخل نہیں تھا جو

کام اختیار کرتے پہلے ہی اس کی جزئیات و تفصیلات پر پورا غور و خوض کر چکے ہوتے ہیں۔ آپ کے اخلاق نہایت پسندیدہ اور قابلِ تعریف تھے۔ آپ کی تقریر بھی بڑی دلپذیر اور دلکش ہوتی تھی۔ انہی اوصاف کی وجہ سے مکہ میں آپ اس قدر بارسوخ اور ہردلعزیز تھے کہ بڑے بڑے اہم معاملوں میں اہالیانِ شہر آپ کی رائے پر پورا اعتماد کرتے تھے۔ ایسے مقتدر، واقف کار اور عاقل شخص کا ایمان لانا بھی پیغامبر اسلام کی صداقت کی ایک واضح دلیل ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا اثر و رسوخ اور بہت سی سعید روحوں کو جن کے قلوب صداقت کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، حلقۂ اسلام میں کھینچ لایا، جن میں جوان، بچے، بوڑھے، مرد، عورت ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔ اس طرح فرزندانِ توحید کی ایک چھوٹی سی جماعت کفرستان عرب میں خدائے وحدہٗ لاشریک کی شانِ معبودیت کا اقرار کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آزاد کردہ غلام زید بن حارث بھی روزِ اول ہی آپ کی نبوت پر ایمان لائے اور اپنے دل کو نورِ اسلام سے منور کیا۔

صداقتِ رسولؐ کی ایک اور درخشاں مثال

ابھی تک نور اسلام سے نبی برحق حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قریبی دوست اور پھر آگے ان کے دوستوں کے حلقہ اثر کے لوگ ہی فیض یاب ہوتے تھے۔ اب تک تبلیغ و اشاعت بھی اندر ہی اندر رازدارانہ طریقے پر ہوتی تھی کیونکہ وقت کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا جب خدائے برتر و توانا کے

حضور میں سربسجود ہونے کا وقت آتا، حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب فرزندانِ توحید کو ہمراہ لے کسی پہاڑ کی گھاٹی میں تشریف لے جاتے، وہاں یہ لوگ آپؐ کی اقتدار میں نماز ادا کرتے۔

ایک دن جب سرشارانِ بادۂ توحید کی گردنیں خداوند قدّوس کی شانِ معبودیت کا اقرار کرنے میں مصروف تھیں۔ حسنِ اتفاق سے حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا حضرت ابی طالب تشریف لے آئے۔ جب حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے متبعین مخلصین نماز سے فارغ ہو چکے تو حضرت ابی طالب نے حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دریافت فرمایا:

"اے میرے بھائی کے نورِ نظر! تم کس مذہب کے پیروکار ہو؟"

آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ:

"میں اُس روشن اور درخشاں اور شاندار مذہب کا پیروکار ہوں جو خدا کے نزدیک مقبول ترین ہے۔ جو اس کے فرشتوں کا مذہب ہے اور جو تمام انبیائے سابق کا مذہب تھا۔ آپ کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے لیے مناسب ہوگا اگر آپ بھی اس دینِ ہُدیٰ کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔"

حضرت ابوطالب نے اپنے برگزیدہ بھتیجے کا جواب بڑے غور سے سنا اور پھر فرمایا:

"جس مذہب پر میرے آباؤ اجداد عمل پیرا رہے ہیں اُسے ترک کرنا میرے لیے انگشت نمائی کا باعث ہوگا۔ اس لیے میں اسے قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں۔"

پھر اپنے لختِ جگر حضرت علیؑ کی طرف مخاطب ہو کر دریافت فرمایا:

"بیٹا! تم نے اپنے لیے کون سا مذہب پسند فرمایا ہے!"

حضرت علیؑ نے جواب میں عرض کیا کہ:

"میں خدا اور اُس کے رسول پر ایمان لایا ہوں، اور میرا مذہب اسلام ہے۔"

حضرت ابوطالب نے یہ جواب سن کر اپنے بیٹے کی طرف نہایت اطمینان کی نگاہ سے دیکھا اور کہا:

"بیشک تم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے روگردان نہ ہونا۔ یہ تمہیں جس راستے پر چلائیں، وہ تمہارے حق میں مفید ہی ثابت ہوگا۔"

کیا ابی طالب کے یہ الفاظ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پاکیزہ و شاندار اور بے داغ زندگی کی تعریف میں رطب اللساں نہیں ہیں؟ اور صداقتِ رسولؐ کی ایک واضح اور بیّن دلیل نہیں ہیں؟ ابی طالب سے حضورِ انور (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی زندگی کا کوئی پہلو محجوب نہ تھا۔ اگر ان کو آپؐ میں ذرا بھی نقص نظر آتا تو وہ اتنے دیوانے نہیں کہ اپنے لختِ جگر کا مستقبل آپؐ کے ہاتھ میں دے دیتے اور اسے اس آسانی سے آپؐ کے مذہب کا پابند رکھنے کی اجازت دے دیتے، یہ آپؐ کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ کی برکت تھی جو آپ کے تعلق میں آنے والے ہر شخص کا دل ایک مقناطیسی کشش کے زیرِ اثر اپنی طرف کھینچ لیتی تھی۔ آپ کی گزشتہ زندگی راست گفتاری اور نیک کرداری کے عدیم النظیر مظاہرات کی حامل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ جو آپؐ کی خلوت وجلوت سے پورے طور سے واقف تھے

آپ کے ظاہری اور باطنی کمالات کی تعریف و توصیف میں اس شد و مد سے رطب اللسان تھے۔

توحید کی دعوتِ عامہ کا ظہور

کفر و شرک کی آندھیوں کے خوف سے پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپ چھپ کر نمازیں ادا ہوتی رہیں۔ تہذیب و تمدن کی روشنی نے چپکے چپکے بد تہذیبی اور جہالت کی تاریکیوں پر غلبہ پانا شروع کر دیا۔ بتوں کے آگے سجدہ ریز ہونے والے عربوں کے ملک میں خدائے وحدہٗ لاشریک کے آستانۂ عالیہ پر جھکنے والی گردنوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا تھا۔ مخفی سے مخفی چیزوں کے ظہور کے لیے بھی وقت مقرر ہے۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ توحید کی دعوتِ عامہ ظہور میں آجائے۔ چنانچہ داعی حق نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔ کہ آپ اپنے رشتہ داروں اور تعلق میں آنے والے لوگوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرائیں۔ اور جو حکم آپ کو بارگاہِ عالیہ سے ملا ہے اُسے صراحت اور وضاحت سے لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اس لیے اب آپ نے علی الاعلان اسلام کی اشاعت و تبلیغ شروع کر دی۔ اس کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ ؎

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر   تمام اہلِ مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسبِ فرمانِ داور   سوئے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا پر

یہ فرمایا سب سے کہ اے آلِ غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا　　کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا　　تو باور کرو گے؟ اگر میں کہوں گا

کہ فوج گراں پشت کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پا کر

کہا تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے　　کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے
کہا گر مری بات یہ دلنشیں ہے　　تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں　　بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانہ میں تھا دورِ صہبائے بطلاں　　مۓ حق سے محروم تھی بزمِ دوراں

اچھوتا تھا توحید کا جام اب تک
خمِ معرفت کا تھا موہنہ خام اب تک

نہ واقف تھے انسان قضا و جزا سے　　نہ آگاہ تھے مبتدا منتہا سے
لگائی تھی اک اک نے لو ماسوا سے　　پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا
یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق　　زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق　　اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اس سے لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم　　اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم

اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کی طلب میں مرو گر مرو تم
مبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی
خرد اور ادراک رنجور ہیں واں مہ و مہر ادنےٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہے واں نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرستش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

رسولِ خدا پیشوائے عالم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی یہ دعوت برحق تھی۔ آپؐ کا پیغام صداقت سے لبریز تھا مگر سامعین کے دل حق و باطل کی تمیز کا احساس کھو چکے تھے۔ دلوں پر صداقت کا رنگ بھی تب ہی چڑھتا ہے جب باطل کا رنگ زرد ہو چکا ہو۔ کفار عرب مدت سے معبودانِ باطل کی پرستش کرتے چلے آئے تھے۔ ان کے دلوں پر وساوس شیطانی اور اوہام باطلہ کی حکمرانی تھی۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کے وقت سے لے کر جس بھول بھلیوں میں پڑے ہوئے چکر کھا رہے تھے۔ عادت کی پختگی کے باعث اپنی دانست میں اسے شاہراہِ حقیقی تصور کرنے لگے تھے۔ ان کے دلوں میں اعتقاد باطلہ پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط ہو چکے تھے اور اب ان سے گریز کرنا انہیں اپنے حیطۂ اختیار سے باہر معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اس دعوتِ حقہ پر بہت ناک بھوں چڑھائی۔ ابولہب ایسے شقی ازلی اشخاص تو نہایت دلخراش الفاظ کہتے ہوئے واپس چلے گئے۔ باقی تمام مجمع بھی تھوڑی دیر میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو برا بھلا کہتا ہوا منتشر ہو گیا۔ صداقت کی اس اوّلین صلائے عام کا نتیجہ سوائے مضحکہ اڑانے کے

اور کچھ نہ ہوا۔ قریش کے دل سے آپؐ کی خوش اعتقادی کی تمام خیالات نکل گئے۔ وہی زبانیں جو کبھی آپؐ کو "الامین والصادق" کا قابلِ رشک خطاب دے چکی تھیں اب آپؐ کے خلاف زہر اُگلنے لگیں۔ جن کے دلوں پر آپؐ کے اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ کا سکّہ رواں تھا ان ہی کے مُنہ سے اب آپؐ کے لیے ساحر، مجنون اور دیوانہ کے الفاظ نکلنے لگے۔

آہ دنیا! شیطان کی مرید دنیا! تو نے ہمیشہ اپنے روحانی پیشواؤں کے خلاف اس طرح علمِ بغاوت بلند کرنے کی کوششیں کی ہیں۔

بے نظیر جوشِ تبلیغ

صد آفرین ہے اس مصلحِ اعظم کی عدیم النظیر مت اور جوشِ تبلیغ پر کہ اس حوصلہ فرسا اور عزم شکن واقعہ سے بھی آپؐ کے استقلال میں اضمحلال نہ آیا۔

آپ نے اپنا کوہِ وقار قدم صداقت کی جس سرزمین پر جمایا تھا۔ اس سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹایا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس قسم کی ناکامیابی آتشِ شوق کو اور بھی بھڑکا دیتی ہیں۔ اور کہ دنیا کے کامیاب ترین اشخاص ناکامیوں کے فرشِ خاک سے اُٹھ کر ہی کامیابیوں کے عرشِ اعظم تک پہنچے ہیں ؎

سبق آموز ہیں ناکامیاں بیکار ہستی کی
شکستہ دل سے آبادی ہے اس ویرانہ بستی کی

قریش کو دعوتِ طعام

ابھی اس مایوس کن واقعہ کی یاد دلوں میں تازہ ہی تھی کہ حضرت علیؓ نے حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ارشاد کے مطابق اپنے ہاں قریش کو دعوتِ طعام دی - اس میں قریش کے تمام مشہور اور سرکردہ لوگ شامل تھے۔

جب مہمان کھانے سے فارغ ہوئے تو ابو لہب نے انہیں اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگا لیا۔ اور جس مقصد کو پیش نظر رکھ کر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعوت کرائی تھی وہ مقصد فوت ہو گیا - اس لیے دوسرے دن پھر دعوت کا انتظام کیا گیا۔

دعوتِ اسلام

جب سردارانِ قریش کھانے سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

"اے لوگو! تمہاری عاقبت اور دنیا کی بہتری کے لیے کوئی شخص مجھ سے بہتر چیز لے کر نہ آیا ہوگا - میں تمہارے لیے دین اور دنیا کی سعادتیں لے کر آیا ہوں - مجھے خدا تعالےٰ نے حکم دیا ہے کہ تمہاری پیشانیوں کو اس کے آستانۂ عالیہ پر سجدہ ریز ہونے کی دعوت دوں ۔ اور تمہارے دلوں سے ما سوا کی پرستش کا خیال بالکل نکال دوں - پس تم سب لوگ بُت پرستی اور شرک سے باز آجاؤ - خالص خدا پرستی کو اپنا شعارِ زندگی قرار دو - اپنے خیالات اور افعال کی اصلاح کرو - کون ہے جو میری اس

دعوتِ حقّہ پر لبیک کہے اور مجھے اس کی نشر و اشاعت میں مدد دے۔"

صدائے برنخواست! تمام مجمع پر ایک سناٹا طاری ہو گیا مگر ایک سولہ سالہ نوجوان شیر کی طرح گرج کر اٹھا اور کہا:

"اے رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اگرچہ ان لوگوں میں سب سے کم عمر اور ناتجربہ کار ہوں مگر جب تک زندہ ہوں آپؐ کے دین کی اشاعت میں میں پوری سرگرمی سے کام لوں گا۔ اور آپؐ کے لیے اپنی جان تک دے دینے سے دریغ نہ کروں گا۔"

یہ اوالعزم نوجوان ابوطالب کا نورِ نظر حضرت علیؓ تھا۔ اگرچہ اس وقت اس نے پیغمبرِ اسلام کی حمایت کا بیڑا اٹھا کر اپنے تئیں اضحوکۂ قریش بنایا۔ مگر آنے والے زمانے نے صاف ثابت کر دیا کہ اس نے اسلام کے قصرِ عالی شان کی تعمیر میں ایک مستحکم ستون کا کام دیا اور قریش کو دکھا دیا کہ مرد وعدے کا پاس اس طرح کیا کرتے ہیں۔

حضرت علی کا دل تو پہلے ہی نورِ اسلام سے منوّر ہو چکا تھا۔ بس حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوتِ اسلام کی دوسری کوششوں سے بھی سوائے ناکامی کے اور کوئی شاندار نتیجہ مرتب نہ ہوا۔ تمام مجمع قہقہے لگاتا ہوا منتشر ہو گیا۔

آنحضرتؐ کعبۃ اللہ میں

یہ ناکامی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آتشِ شوق کو ایک اور تازیانہ ہوئی۔ آپؐ کعبۃ اللہ میں تشریف لے گئے اور اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے نصب کردہ پتھر پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے صدائے توحید بلند کی، بتوں کی سخت مذمت کی اور دینِ ہُدیٰ کی دعوت دی۔ خاص کعبۃ اللہ میں جسے بت پرستوں نے بیت الاصنام بنالیا تھا۔

کفار اپنے بتوں کی کھلی ہوئی توہین کس طرح برداشت کرسکتے تھے۔ ان کے جذبات غیض وغضب برانگیختہ ہو گئے اور فوراً ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔

اسلام کی اشاعت اور تشدّد

میرے دل کے آتش کدے میں ان خیرہ چشم اور متعصب مصنفوں کی تنگ نظری اور تعصب کو جلاکر خاک سیاہ کر دینے کے لیے بے پناہ شعلے بھڑکنے لگتے ہیں جو کفار کے اس جبر وتشدّد اور زہرہ گداز ستم کے روح فرسا مناظر کو دیکھتے ہوئے بھی کہتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت تلوار اور تشدّد کے زور سے ہوئی ہے۔ ان کے اس غلط نظریے کو تھوڑے سے اُلٹ پھیر کے بعد صحیح بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ تشدّد

جس نے اسلام کی اشاعت میں غیر معمولی مدد دی۔ مسلمانوں کی طرف سے نہیں تھا بلکہ کفار کی طرف سے تھا۔ کفار ظالم تھے۔ مسلمان مظلوم۔ کفار کی خون آشام تلواریں نیام سے باہر تھیں۔ مسلمانوں نے ان کو زنگ آلود ہونے کے لیے کسی کونے میں پھینک رکھا تھا۔ ان کے پاس اگر کوئی تلوار تھی تو وہ صداقت کی تلوار تھی۔ وہ اسلام کی حریت نواز اور عدم تشدد کی تلوار تھی۔ جو اسلام کے اصول کی اشاعت کے بہانے ظالم کے ظلم کی پوری طاقت سے مدافعت کرتی تھی اور خود وار نہ کرتی تھی مگر جس نے کفار کی فولادی تلواروں کے منہ پھیر دیئے تھے۔

اسلام اور داعی اسلام

وہ تعلیم کتنی شان دار، کتنی دقیع اور کتنی حیات افروز تھی جس نے مسلمانوں کے دلوں میں صداقت و ایمان کا وہ شعلہ پھونک دیا تھا کہ اسے کفار کے ظلم و ستم کی کوئی آندھی نہ بجھا سکی۔ بلکہ ان کے جور و تشدد کی ہر کوشش اسلامی حلقہ میں ایک نئی کڑی کا اضافہ کر دینے کا باعث بنتی رہی۔

میں اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کہ دنیا میں دروغ کو بھی اس درجہ فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ کون سی خفیہ طاقت تھی اور وہ کون سی طلسمی طاقت تھی جس سے مسحور ہو کر مسلمانوں نے جلتی ہوئی ریت اور شعلہ زن انگاروں کو اپنا بستر بنایا مگر منہ سے اُف تک نہ کی؟ تمام واقعات پر گہری نظر ڈالنے کے بعد کوئی دانش مند یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ طلسمی طاقت اسلام کی بے نظیر صداقت اور داعی اسلام کی عدیم النظیر شخصیت تھی جس نے

دنیا میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اور خون آشام تلواروں کو مرہم بنا دیا تھا جس سے متاثر ہونے والے لوگ موت سے کھیلتے رہے مگر اس سے برگشتہ نہ ہوئے۔

مصلح اعظم کا سفرِ طائف

جب پیغمبرؐ توحید نے دیکھا کہ اہل مکہ کے دلوں پر کفر و شرک کا رنگ چڑھ چکا ہے اور ان کی سیاہ کاریوں نے ان کے دلوں میں کسی اور رنگ کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں چھوڑی تو ان کی طرف سے مایوس و ناکام ہو کر آپؐ نے پا پیادہ طائف کا رُخ کیا۔ طائف کے شمال مشرق میں ستّر میل کے فاصلے پر ایک بارونق شہر تھا، جس میں بڑے بڑے امراء اور رئیس سکونت پذیر تھے۔ سب سے مشہور قبیلہ ثقیف کا تھا۔ جس میں سے تین اشخاص عبدؔ۔ مسعودؔ۔ حبیبؔ بارسوخ اور ممتاز تھے۔ آپؐ سب سے پہلے اُن کے پاس تشریف لے گئے اور ان پر اسلام کے محاسن اور شرک اور بت پرستی کے معائب ظاہر فرمائے اور ان بھُولے بھٹکے ہوؤں کو صراطِ مستقیم بتایا۔ مگر جہالت و ضلالت کی تاریکیوں نے ان پر اتنا غلبہ پالیا تھا کہ ان کو اپنی جہالت کا احساس ہی نہ تھا۔ اس لیے ان کے کاذب دلوں نے بھی اہلِ مکہ کی طرح اسلام کی صداقت کو محسوس نہ کیا۔ ان کو نور بھی نار اور روشنی بھی تاریکی نظر آئی۔

مشرکین طائف کی گستاخیاں

طائف کے اصنام پرست اور اوہام پرست لوگوں نے پیغمبر عالم کے دعوائے نبوت کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کے ساتھ جگر خراش یاوہ گوئی اور تہذیب سوز گستاخی سے پیش آنے پر ہی بس نہ کیا۔ بلکہ شہر کے اوباش، بدمعاش اور شریر النفس لوگوں کو اکسایا تاکہ رحمت اللعالمینؐ پر پتھروں کا مینہ برسائیں۔ شہر کے کتے آپؐ کے عقب میں چھوڑ دیئے گئے اور شریر بچوں کو آوازے کسنے کے لیے آپؐ کے پیچھے لگا دیا گیا۔

رحمۃ اللعالمینؐ پر ظلم وستم

طائف کے کافر اور جاہل طائف کے دو رویہ قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے اور جب رحمۃ اللعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) بازار سے گزرے تو آپؐ کے پاؤں پر جن پر دو جہان کی عظمتیں نثار ہوتی تھیں سنگ باری شروع کر دی۔ آپؐ کے پائے مبارک لہولہان ہو گئے، نعلین مبارک سرخ اور مقدس خون سے بھر گئیں۔ زخموں کی تکلیف سے چور ہو کر آپؐ بیٹھ جاتے تو ظالم اور ستمگر کفار بازوؤں سے پکڑ کر آپؐ کو کھڑا کر دیتے۔ جب چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، تالیاں بجاتے، مغلظات بکتے، پھبتیاں کستے۔ اس طرح تاریکی اور جہالت کے طوفان نے روشنی اور علم کے مینار کو گرانے کی نامعقول اور [illegible] کوشش پر کمر باندھ لی۔

عدم تشدد کا عملی مظاہرہ

کیا ان واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام نے عدم تشدد کو عملی طور پر پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

غیر متعصب اور غیر جانب دار اربابِ بصیرت کے لیے میرا یہ فیصلہ کس قدر صحیح ہے کہ اسلام نے مصائب کی گود میں آنکھ کھولی۔ شدائد کے گہوارہ میں پرورش پائی اور مخالفین کی تلوار کے سایہ میں بڑھ کر جوان ہوا۔

بارگاہِ ذوالجلال میں دعا

کفارِ طائف کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بن چکنے کے بعد اس طوفانِ بے تمیزی سے مخلصی پا کر رحمۃ اللعالمین ایک انگورستان میں تشریف فرما تھے کہ رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھے۔ اور آپؐ کی زبان فیض ترجمان سے یہ الفاظ ادا ہوئے۔ جو اب تک اسلامی تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں:۔

"اے ربِ جلیل! یہ بندہ مسکین و عبد ذلیل تیری بارگاہ عزت و جلال میں اپنی کمزوری اور صبر و قوت کی کمی اور اپنی ذلت و خواری کی فریاد لایا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم والا اور ہر ایک عاجز و ناتواں کا مددگار اور خود میرا مالک اور پروردگار ہے۔ اے خدائے لایزال! تو مجھے کس کے حوالے کرتا

ہے! کیا ایک ایسے دوست کے جو مجھے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائے یا ایسے دشمن کے جس کو تو نے میرا معاملہ سونپ دیا ہے۔ لیکن اگر یہ تیری بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھے اس کی کچھ پروا نہیں، کیونکہ تیری حفاظت میرے لیے بہت وسیع ہے میں تیری قدرت و رحمت کے نور میں جو تمام تاریکیوں کا روشن کرنے والا اور دنیا و آخرت کا سنوارنے والا ہے، تیرے غیض و غضب کے نزول سے پناہ لیتا ہوں۔ لیکن اگر تیری خفگی ہی میں میری بھلائی ہے تو تجھے وہاں تک اختیار ہے کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے کیونکہ بغیر تیری مدد کے نہ میں برائی سے بچ سکتا ہوں اور نہ میں نیکی کی طاقت و قدرت ہی رکھتا ہوں سے

تا ابد یارب نہ تو من لطف ہا دارم امید
از تو گر امید بہ برم از کجا دارم امید

زیستم عمرے بلے چوں دشمناں دشمن مگیر
بے وفائی کردہ ام از تو وفا دارم امید

ہم فقیرم ہم غریبم بے کس و بیمار و زار
یک قدح زاں شربتِ دار الشفا دارم امید

نا امیدم از خود و از جملہ خلقِ جہاں
از ہمہ نومیدم اما از شما دارم امید

منتہائے کار تو دانم کہ آمرزیدن ست
من از رحمتِ بے منتہا دارم امید

ہر کسے امید دارد از خدا او جز خدا
یک عمرے شد کہ از تو من ترا دارم امید

ہم تو دیدی من چہا کردم تو پوشیدی ز لطف
ہم تو می دانی کہ از تو من چہا دارم امید

روشنی چشم من از گریہ کم شد اے حبیبؐ
ایں زماں از خاک کویت تو تیا دارم امید

عدیم المثال صبر وضبط کا مجسمہ

باوجود کفار کی اس شدید مخالفت کے آپؐ نے اس کفرستان میں آکر جس استقامت و استقلال کا ثبوت دیا وہ آپؐ ہی کا حصہ ہے۔ سخت سے سخت اذیت پر بھی آپؐ کی زبان رحم ترجمان سے بد دُعا نہ نکلی۔ آپؐ کے دل میں ظالم اور ستمگر کفار کے لیے بھی رحم وکرم کا سمندر ہی ٹھاٹھیں مارتا رہا۔ آپؐ طائف سے مایوس و ناکام لوٹے مگر آپؐ کے عزم و استقلال میں اضمحلال نہ آیا۔

عرب کے میلوں اور جلسوں میں دعوتِ اسلام

زمانہ جاہلیت میں عرب میں ایسے میلوں اور جلسوں کی گرم بازاری تھی جن میں جہاں شہسواری، تیغ زنی اور پہلوانی کے جواں مردانہ اور شجاعانہ کرتب دکھلا کر اولوالعزم شخص لوگوں سے خراج تحسین و آفرین وصول

کرتے تھے وہاں فحش گو شاعر اپنا ایسا عشقیہ کلام سُنا کر ملک الشعراء بنتے تھے جس میں نوجوان اور شریف لڑکیوں کے نام درج کر کے ان سے اپنے عاشقانہ تعلقات جتائے جاتے تھے۔ شرم و حیا کے دامن کی دھجیاں ان جلسوں میں نہایت بے باکانہ اور فخریہ طور پر اڑائی جاتی تھیں۔ آپؐ گمراہ اور جاہل لوگوں کی اصلاحِ اخلاق اور کفر و شرک کے مجمعوں تک اشاعتِ اسلام کی غرض سے ان جلسوں اور میلوں میں تشریف لے جاتے تھے اور اصلاحِ نفس اور ترقی تہذیب کے لیے تجاویز پیش کرتے تھے۔ بُت پرستی اور شرک کی لعنت کو دُور کرنے کے لیے اپنی قادر الکلامی کا تمام زور صرف کرتے اور اک خدائے بزرگ و برتر کی طرف سب کو بلاتے۔ مگر مخالفِ اسلام ہر وقت سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ لگے رہتے آپؐ معائبِ اخلاق کے خلاف زبان فیض ترجمان سے کچھ گُل افشانی کرنے لگتے تو یہ کفر و جہالت کے مجسّمے اپنی ناپاک زبان کے خاروں سے آپؐ کے دل کو زخمی کرتے۔ آپؐ کی مذمّت کرتے اور مخالفت کا طوفان اٹھاتے ہوئے حاضرین سے کہتے: ”یہ اپنے آباؤ اجداد کے دین سے پھر گئے ہیں، لات و منات اور اساف و نائلہ کی پرستش کو حماقت بتاتے ہیں تم ان کی بات مت سنو۔“

لوگ آپؐ کی طرف سے منہ پھیر لیتے اور کوئی آپؐ کی بات کی طرف توجہ نہ کرتا۔

کامیاب ناکامی اور ناکام کامیابی

ان دل شکن ناکامیوں سے آپؐ مایوس نہ تھے۔ آپ خوب سمجھتے تھے کہ انسان سچے دل سے صرف کوشش کا ذمہ دار ہے، نتیجہ کا نہیں۔ کوشش انسان کے ہاتھ میں ہے اور نتیجہ خدا کے ہاتھ میں۔ داورِ محشر کی نظر میں ظاہری کامیابی قابلِ ستائش نہیں بلکہ لائق تعریف تو صرف کوشش ہے۔

کتنے ہی ایسے رہبرانِ عالم گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے اصلاحی پروگرام کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں مگر ان کی آواز بہرے کانوں سنی گئی۔ ان کی تمام ظاہری زندگی ناکامیوں کی ایک حسرت ناک داستان تھی مگر داورِ محشر نے ان کے سر پر کامیابی کا تاج رکھا اور کتنے ہی ایسے قوم کی اصلاح کے دعوے دار گزرے ہیں جن کے قدموں پر دنیا لوٹتی تھی، جن کی کامیابی کے طرے سے گنبد عالم میں غلغلہ سا پیدا تھا، مگر خدائے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان کو لعنت کا طوق پہنایا اور ابدی ذلت کا سزاوار گردانا۔ فرق صرف نیت کا تھا۔ آپؐ کی نیت اصلاح اخلاق اور ترقی تہذیب کی تھی تو پھر آپؐ کی ظاہری ناکامی بھی کامیابی ہی تھی۔ آپؐ مایوس کیوں ہوتے۔

ایامِ حج میں دعوتِ اسلام

آپؐ صدائے حق بلند کرتے تھے اس کا سننے والا کوئی نہ تھا مخالفت کرنے والے ہزاروں تھے، مگر پھر بھی آپؐ نے حوصلہ نہیں ہارا۔ آپ ایامِ حج میں بھی جب قرب و دُور کے زائرین مکہ آتے تو ان کو پیغامِ حق سناتے مگر یہ سب کچھ صدا بالصحرا ثابت ہوتا۔ لوگوں کے قلوب پر سیاہ کاریوں کا زنگ چڑھ چکا تھا۔ اب اعمالِ صالحہ کی رنگ آمیزی کیوں کر کامیاب ہوتی؟ ان کے دلوں میں اعتقادِ باطلہ اور وساوس شیطانی جاگزیں تھے۔ اخلاق و روحانیت کے اعلیٰ اصول ان میں کیونکر مروّج ہو سکتے تھے۔ تاہم تہذیب و اخلاق کی تعلیم کی یہ کوششیں بالکل رائگاں ہی نہ گئیں۔ انہوں نے عالمِ خارجی کے تخریبی عناصر سے زنگ آلود دلوں پر اگر رنگ آمیزی نہیں کی تو کسی قدر صیقل ضرور کر دیا جس نے ان میں آئندہ کسی وقت صداقت کا رنگ قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔

نقشِ حق

مشرکینِ مکہ نے داعیٔ حق، فخرِ کائنات، مجسمہ رحم و کرم نبی اکرم حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر تبلیغ حق اور اشاعتِ اسلام کے "جرم" میں جو انسانیت سوز مظالم اور زہرہ گداز ستم توڑے، ظلم و عدوان اور جور و جفا کی تاریخ میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ مگر مجسمہ صبر و برداشت اور پیکرِ

استقامت و استقلال حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس عزم بالجزم اور ہمت و شجاعت کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے اپنے سینہ کو کفار کے جور وستم کے تیروں کی آماجگاہ بنائے رکھا وہ قوت و برداشت کی تاریخ میں عدیم النظیر ہے۔ کفار نے صبر و برداشت کا ایسا فقید المثال مظاہرہ نہ کبھی آنکھوں سے دیکھا تھا نہ کبھی کانوں سنا تھا۔ کئی بلند خیال اور تعلیم یافتہ اشخاص حق و باطل کی اس حیرت انگیز کش مکش سے بہت متاثر ہوئے جن کے دلوں میں کبھی بھول کر بھی اسلام کی عزت و وقعت کا خیال پیدا نہ ہوا تھا۔ اب ان کے دل میں بھی اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے تھوڑے بہت ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے۔

ظاہرا حالات کو دیکھا جائے تو یہ سب کچھ ایک عارضی، وقتی اور ہنگامی جذبہ معلوم ہوتا ہے۔ آبائی دین سے منحرف ہونے پر برادرانِ وطن لعنت وملامت اور اپنے رشتہ داروں کی نظر میں سبک ہونے کے خوف سے اس ہلکی سی شعاعِ صداقت کو، جو بعض مخالفین اسلام کے دلوں میں فخرِ کائنات کا عدیم النظیر استقلال اور مشرکینِ مکہ کی ستم کوشیوں کو اپنے مقصد میں ناکام ہوتے ہوئے دیکھ کر پیدا ہوئی تھی علی الاعلان ظاہر نہ ہونے دیا۔ مگر حق کا نقش اندرونی طور پر بہت سے دلوں پر ثبت ہو گیا اور اکثر صورتوں میں اس کا اثر پائیدار بھی ہوا۔

تبلیغ حق لافانی ہے

حق و صداقت کی تبلیغ کی کوششیں جو ضمیر کا ہمنوا ہو کر کی جائیں آج

تک کبھی ناکام نہیں ہوئیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اصلاح کے لیے اٹھایا ہوا کوئی قدم کبھی بے کار ثابت نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ نیک جذبات اور بلند خیالات ریفارمروں کی موت کے بعد بھی دنیا کے دلوں کو متاثر کرتے رہے جو ریفارمر اپنی زندگی میں قطعی ناکام رہے تھے ان کا مشن ان کی موت کے بعد عروسِ کامرانی سے ہمکنار ہوا۔

حق کو کبھی فنا نہیں

نیک اور بلند خیالات کبھی فنا نہیں ہو سکتے۔ ان کی اہمیت کی طرف سے اگر دنیا آج غافل ہے تو کل غافل نہیں رہے گی، جلد یا بدیر وہ اپنا اثر ضرور دکھائیں گے۔ یہی بات تبلیغ اسلام کے معاملہ میں بھی ہوئی جن لوگوں نے ابتدا میں اسلام کا مضحکہ اڑایا تھا وہ بھی آخر کار اس کے جھنڈے تلے آئے اور جوں جوں دن، مہینے اور سال گزرتے گئے۔ اسلامی تعلیمات اپنی بلند پروازی اہمیت اور ہمہ گیری کی بدولت عام ہوتی گئیں اور اب بھی ان کے ماننے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار اس کے دعویٰ کی صداقت پر شاہد عادل ہیں۔

"عرب کا چاند"

مصنف

حقیقت نگار سوامی لکشمن جی مہاراج

خلقِ محمدی

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کا بیان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے نبی بنایا ہے کہ میں پاکیزہ اخلاق اور نیک اعمال کی تکمیل کروں۔

اُم المؤمنین حبیبہ حبیب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے فرمایا۔ قرآن مجید ان کا خلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ درخت پھل سے اور انسان اپنی تعلیم سے پہچانا جاتا ہے۔ تم قرآن مجید سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شناخت کرو۔

ایک حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق یہ معلوم ہوتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاہدِ خلق ہیں۔ حکم ماننے والے کو خوش خبری سناتے۔ نافرمانوں کو ڈراتے۔ انجانوں کی پناہ۔ اللہ کے بندے اور رسول۔ سب کام کو اللہ پر چھوڑ دینے والے۔ نہ عادت کے سخت اور نہ بول چال میں کرخت چیخ کر نہیں بولتے۔ بدی کا بدلہ ویسا ہی نہیں دیتے۔ ان کا کام قوم اور مذہب کی کجیوں کو درست کر دینا ہے، اور ایک اللہ کی وحدانیت کو قائم کر دینا۔ ان کی تعلیم اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان دیتی ہے اور غافل دلوں کے پردے اٹھا دیتی ہے۔ وہ ہر خوبی سے آراستہ، ہر خلقِ کریم سے ممتاز ہیں۔ سکینہ ان کا لباس، نکوئی ان کا شعار ہے۔ ان کا ضمیر تقوٰے ہے۔ ان کا کلام حکمت ہے۔ صدق ووفا ان کی طبیعت ہے۔ عفو واحسان ان کی عادت ہے۔ عدل ان کی سیرت ہے۔ سچائی ان کی شریعت ہے اور ہدایت ان کی راہنما ہے۔ مذہب ان کا اسلام ہے اور **اَحْمَدْ** ان کا نام ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ ضلالت کے بعد ہدایت دینے والے اور جہالت کے بعد علم سکھانے والے ہیں۔ گمناموں کو رفعت دینے والے مجہولوں کو نامور کر دینے والے۔ قلت کو کثرت اور تنگدستی کو غنا سے بدل دینے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے افتراق کی بجائے جمعیت بخشی۔ پھٹے ہوئے دلوں کو اُلفت عطا فرمائی۔ گوناگوں خواہشوں اور بچھڑی ہوئی قوموں کو اتحاد بخشا۔ اُن کی اُمّت بہترین اُمّت ہے۔ ان کا کام لوگوں کو ہدایت کرنا ہے۔

رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صبر و حلم کا بیان

۱۔ طائف والوں نے آپ کو پتھر پر پتھر مار کر زخمی اور بیہوش کر دیا تھا۔ فرشتہ نے آکر کہا۔ حکم ہو تو یہ بستی اُلٹ دوں۔ فرمایا۔ نہیں۔ اگر یہ مسلمان نہیں ہوتے تو امید ہے کہ ان کی اولاد مسلمان ہو جائے گی۔ آج دنیا کی تمام بے دین قوموں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا۔ چنانچہ وہ آنے والی نسلوں کو راہِ راست سے ہٹانے کی جتنی کوشش کرتی ہیں اگر موجودہ مسلمان اس کا عشرِ عشیر بھی اپنا لیتے تو یوں نوجوان دین سے برگشتہ نہ ہوتے۔

۲۔ ایک یہودی کا قرض دینا تھا۔ وعدہ کے دن باقی تھے۔ اس نے راہ چلتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گریبان آکر پکڑ لیا۔ کہ میرا قرض ادا کرو۔ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ یہ گستاخ قتل ہونا چاہیئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ ابھی تو وعدے کے دن باقی ہیں۔

۳۔ ایک گنوار نے پیچھے سے آکر زور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کھینچی۔ کہ گردن سُرخ ہو گئی۔ آپ نے لوٹ کر دیکھا، تو وہ بولا۔ میری مدد کرو۔

مَیں غریب ہوں - فرمایا - ایک اُونٹ جَو کا اور ایک کھجور کا دلا دو -

اَدب اور تواضع

۱- لوگوں میں پاؤں پھیلا کر کبھی نہ بیٹھتے -

۲- اپنی تعظیم کے لیے مسلمانوں کو کھڑا ہونے سے روکا کرتے -

۳- دستِ مبارک کو اگر کوئی پکڑ لیتا تو آپ اس سے کبھی نہ چھڑاتے -

۴- کسی کی بات نہ کاٹتے -

۵- سوار ہو کر پیدل کو ساتھ نہ لیتے یا اسے سوار کرا لیتے یا واپس کر دیتے - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خچر پر بلا پالان کے سوار تھے - میں مل گیا - فرمایا - سوار ہو جاؤ - میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکڑ کر چڑھنے لگا - خود تو نہ چڑھ سکا - ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرا دیا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہو کر دوبارہ فرمایا - میں پھر نہ چڑھ سکا - اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرا دیا - تیسری بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوار ہو کر فرمایا - سوار ہو جاؤ - میں نے کہا - مجھ سے تو نہیں چڑھا جاتا آپ کو کہاں تک گراتا جاؤں گا -

جُود و سخاوت

سوالی کو کبھی ردّ نہ فرماتے - زبان پر انکار نہ لاتے - اگر کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تو سوالی سے عذر کرتے - جیسے کوئی معافی مانگتا ہے -

۱- ایک آدمی نے آکر سوال کیا - فرمایا - میرے پاس تو ہے نہیں - تم بازار سے میرے نام پر قرض لے لو - حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خدا نے

آپ کو یہ تکلیف نہیں دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چپ ہو گئے۔ ایک شخص نے پاس سے کہہ دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینا ہی اچھا ہے۔ اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوئے۔

شرم وحیا

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پردہ نشین لڑکی سے بڑھ کر حیا تھی۔

۱۔ اپنے کام میں اپنی جان پر تکلیف اٹھا لیتے۔ مگر دوسرے کو شرم کی وجہ سے نہ فرماتے۔

۲۔ کسی کو کوئی کام کرتے دیکھ لیتے۔ جو پسند نہ ہوتا تو اس کا نام لے کر کچھ نہ فرماتے۔ عام طور پر لوگوں کو اس کام سے روک دیا کرتے۔

مہربانی اور محبت

۱۔ نفلی عبادت چھپ کر کیا کرتے کہ امت پر اتنی عبادت کرنا مشکل نہ بنے۔

۲۔ ہر کام میں آسان صورت کو پسند فرماتے۔

۳۔ فرمایا۔ میرے سامنے کسی کی چغلی نہ کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آئے۔

۴۔ وعظ و نصیحت کبھی کبھی کیا کرتے تا کہ لوگ اُکتا نہ جائیں۔

۵۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا کہ ساری ساری رات امت کے لیے دعا کیا کرتے اور زار زار روتے۔

صلہ رحم

۱۔ فرمایا۔ میرے دوست تو ایمان والے ہیں۔ لیکن صلہ رحم سب کے ساتھ ہے۔

۲۔ ایک جنگ میں ایک عورت پکڑی آئی۔ اس نے کہا کہ میں آپ کی دایہ کی بیٹی ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چادر اپنے اوپر سے اتار کر اس کے لیے بچھادی۔

۳۔ مکہ والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو سینکڑوں دکھ رنج دے دے کر وطن سے نکالا تھا۔ بیسیوں سچے مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ کہ کیوں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو آپ نے سب کو بُلا کر فرمایا کہ تمہارے سب قصور معاف کیے جاتے ہیں۔

عدل واعتدال

۱۔ جو جھگڑا دو شخصوں میں ہوتا۔ اس میں عدل فرماتے۔ اگر کسی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ معاملہ ہوتا تو رحم فرماتے۔

۲۔ مکہ مکرمہ میں ایک عورت کا نام فاطمہ تھا۔ اس نے چوری کی، لوگوں نے اسامہ بن زیدؓ سے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پیارے تھے سفارش کرائی۔ فرمایا۔ کیا تم تعزیراتِ الٰہی میں سفارش کرتے ہو۔ سُنو! اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ایسا کرتیں تو میں اس کا ہاتھ بھی کٹوا دیتا۔

۳۔ اعتدال کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:
خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا۔ اس سے ہر بات میں درمیانہ پن کی ہدایت ملتی ہے۔

صدق وامانت

۱۔ جانی دشمن بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی اور امانت کا اقرار کرتے تھے۔

۲۔ بچپن ہی سے سارا ملک آپ کو صادق (سچا) اور امین (امانت دار) کہہ کر پکارتا تھا۔

۳۔ ایک دن ابوجہل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں تجھے جھوٹا نہیں سمجھتا۔ لیکن تیرے دین پر میرا دل نہیں جمتا۔

۴۔ جس رات آپ گھر سے مدینہ طیبہ کے لیے نکلے تھے۔ دشمنوں نے اس رات آپ کے شہید کرنے کا پروگرام پورا بنایا تھا۔ مگر آپ نے اپنے پیارے بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے مکہ مکرمہ میں پیچھے چھوڑا تھا کہ جو امانتیں لوگوں کی میرے پاس ہیں وہ دے کر آنا۔

زُہد

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی۔ الٰہی! ایک دن بھوکا رہوں ایک دن کھانے کو ملے۔ بھوک میں تیرے سامنے گڑگڑایا کروں، اور کھا کر تیرا شکر ادا کیا کروں۔

۲۔ اُمّ المومنین حبیبہ حبیب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ آپ کا کنبہ دو دو مہینہ تک پانی اور کھجور پہ گذران کرتا۔ چولھے میں آگ تک نہ جلائی جاتی۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے گھر میں آپ کا

بستر کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تھا۔

۴۔ اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ میرے گھر میں رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بستر صرف ٹاٹ تھا۔ اسے دو تہہ کر کے بچھاتا جاتا۔ ایک دن ہم نے چار تہہ کر دیا۔ فرمایا بستر نرم ہو گیا۔ پھر ایسا نہ کرو۔

۵۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری زندگی جَو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی

۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو آخری رات دنیا میں کاٹی، اس رات صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چراغ کے لیے تیل ایک پڑوسن سے اُدھار لیا تھا۔

۷۔ وفات کے بعد آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تھی۔ جو اناج کے بدلے گرو تھی۔

۸۔ آپ جیسا زُہد خود فرماتے۔ ایسی ہی نصیحت کنبہ والوں کو فرماتے۔ آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے ہاتھ دکھائے۔ تنور کی آگ سے جھلسے ہوئے۔ چکی پیسنے سے چھالے پڑے ہوئے۔ اور ایک لونڈی مانگی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کو خوب یاد کرو۔ دنیا کی تکلیفیں کیا ہیں۔

۹۔ دعا فرمایا کرتے۔ الٰہی! آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو صرف اتنا دے جیسے بس ہی ڈال لیں

۱۰۔ زہد کی یہ سب صورتیں اختیاری تھیں۔ لاچاری کچھ نہ تھی۔

★

عبادت

۱۔ نفلی عبادت میں اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں سوج جاتے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی کہ آپ تو بخشے ہوئے ہیں، پھر اتنی تکلیف کیوں فرماتے ہیں۔ فرمایا۔ کیا میں اب اپنے رب کا شکر ادا نہ کروں۔

۲۔ سجدے میں اتنی اتنی دیر تک پڑے رہتے کہ دیکھنے والے کو انتقال کر جانے کا وہم ہوتا۔

۳۔ مناجات کے وقت سینہ مبارک ہنڈیا کی طرح جوش مارتا ہوا معلوم ہوتا۔

۴۔ آیتِ رحمت پڑھ کر دعا کرتے اور آیتِ عذاب پڑھ کر کانپ اُٹھتے۔

۵۔ کئی کئی دن کا برابر روزہ رکھا کرتے۔ اُمّت کو ایسے روزہ سے منع فرماتے۔

عام برتاؤ

۱۔ سب سے ہنس مکھ ہو کر ملتے۔

۲۔ یتیموں کو پالتے۔ رانڈوں کی مدد کرتے۔

۳۔ غریبوں مسکینوں کو پیار کرتے۔ ان میں جا کر بیٹھا کرتے۔

۴۔ لونڈی غلام بھی بیمار ہو جاتے تو خود جا کر ان کی خبر لیتے۔

۵۔ کوئی مسلمان مرجاتا اس پر قرض ہوتا۔ تو بیت المال سے اس کا قرض دفن سے پہلے ادا کرتے۔

۶۔ کوئی مخلص فوت ہوتا تو اس کی تجہیز و تکفین میں خود شامل ہو

۷۔ منافق لوگ سامنے آکر گستاخیاں کیا کرتے۔ دشمنوں کو مدد دیا کرتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ان سے مدد نہ لیا کرتے

۸۔ ایک دن نجران کے عیسائی آگئے ان کو اجازت دے دی کہ مسجد نبوی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں اپنے طریقہ کی نماز پڑھ لیں۔

۹۔ جنگل میں ایک بکری ذبح کرنے لگے۔ ایک بولا۔ میں ذبح اور صاف کر دوں گا۔ ایک بولا۔ میں گوشت کاٹ دوں گا۔ ایک بولا میں پکا دوں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لکڑیاں لے آؤں گا

عرض کی گئی ہم سب خدمت کو حاضر ہیں۔ آپ کیوں تکلیف کریں فرمایا میں سب میں نکما نہیں رہنا چاہتا۔

عفو و رحم

۱۔ وحشی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مارا۔ ناک، کان وغیرہ کاٹے۔ کلیجہ نکالا تھا۔ پھر بھی جب اس نے معافی چاہی تو اسے معاف کر دیا۔

۲۔ ھبار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے نیزہ مارا۔ وہ ہودج سے گر گئیں۔ حمل جاتا رہا۔ وہی صدمہ ان کی موت کا آخر کو سبب بنا۔

ھبار نے سامنے آکر معافی مانگی۔ معاف فرما دیا۔

۳۔ ایک دفعہ آپ ایک درخت کے نیچے سو گئے۔ تلوار ٹہنی سے لٹکا دی۔ ایک دشمن آیا تلوار اٹھالی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گستاخی

سے جگایا اور پوچھا۔ اب کون تم کو بچائے گا۔ آپ نے فرمایا "اللہ" وہ شخص چکر کھا کر گر پڑا ۔ تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اُٹھا لی ۔ فرمایا۔ اب تجھے کون بچا سکتا ہے؛ وہ حیران ہو گیا۔ فرمایا جاؤ، میں بدلہ نہیں لیا کرتا ۔

۴ ۔ فرمایا جاہلیت کی جن باتوں پر قبیلے لڑا کرتے تھے ۔ میں سب کو مٹاتا ہوں۔ اور سب سے پہلے اپنے خاندان کے خون کا بدلہ چھوڑتا ہوں۔ اور جن لوگوں سے میرے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرض لینا ہے ۔ ان کو قرضہ بھی معاف کرتا ہوں۔

★

تعلیماتِ محمدّیہ

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک تعلیم، اعتقادات، عبادات، عادات، معاملات، مہلکات، منجیات، ریاضات اور احسانات کے بارہ میں بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزرگی اور اسلام کی برتری اسی تعلیم پر ہے۔ میرا مطلب اس چھوٹی سی کتاب میں اس پاک تعلیم کا نمونہ دکھانا ہے۔

تہذیبِ نفس

اپنے آپ کی درستی

۱۔ دانا وہ ہے جو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے۔ اور کام وہ کرتا ہے جو مرنے کے بعد کام آئے۔ نادان وہ ہے جو نفس کا کہا مانتا ہے اور اللہ پر امیدیں باندھتا ہے۔

۲۔ پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دیتا ہے، بلکہ پہلوان وہ ہے جو نفس پر قابو پالیتا ہے۔

۳۔ قناعت وہ خزانہ ہے جو کبھی خالی نہیں جاتا۔

۴۔ غیر ضروری کا چھوڑ دینا عمدہ دینداری ہے۔

۵۔ مشورہ بھی امانت ہے۔ جھوٹی صلاح دینا خیانت ہے۔

۶۔ شر (بدی یا فساد) کو چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے۔

۷۔ حیاسر پا خیر ہے، غرم وحیا میں نیکی ہی نیکی ہے۔

۸۔ صحت، اور فراغت ایسی نعمتیں ہیں جو ہر ایک کو میسّر نہیں۔

۹۔ گزران میں میانہ روی رکھنا نصف روزی ہے۔

۱۰۔ تدبیر جیسی کوئی نادانی نہیں۔

۱۱۔ جو عہد کا پکا نہیں وہ دیندار نہیں۔

۱۲۔ عقل سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔

۱۳۔ مرد کی خوبصورتی اس کی فصاحت ہے۔

۱۴۔ جہالت سے بڑھ کر کوئی تنگی نہیں۔

۱۵۔ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں۔

۱۶۔ اچھے خلق کے برابر محبت کی کوئی تدبیر نہیں۔

۱۷۔ تواضع سے درجہ بلند ہوتا ہے۔

۱۸۔ خیرات سے مال میں کمی نہیں آتی۔

۱۹۔ اپنے بھائی کو طعنہ نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی حال میں پھنس جاؤ۔

۲۰۔ جس طرح سرکہ سے شہد خراب ہوتا ہے۔ اسی طرح بد خلقی سے ساری خوبیاں جاتی رہتی ہیں۔

ماں باپ کی اطاعت

۱۔ خدا کی خوشی باپ کی خوشی میں ہے۔ اور خدا کا غضب باپ کے غضب میں ہے۔

۲۔ سب عملوں سے بہتر نماز کا وقت پر پڑھنا ہے۔ پھر ماں باپ کی اطاعت۔

۳۔ سب گناہوں سے بڑھ کر گناہ شرک اور ماں باپ کی نافرمانی ہے۔ پھر جھوٹی گواہی اور جھوٹ بنانا۔

رشتہ داروں سے برتاؤ

رحم (قرابت) رحمٰن سے نکلا ہے جو قرابت کو قائم رکھتا ہے۔ اللہ اسے ملاتا ہے۔ جو اسے چھوڑتا ہے اللہ اس شخص کو چھوڑتا ہے۔

لڑکیوں کا پالنا

۱۔ اگر کسی کے دو یا تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں اور وہ اللہ تعالےٰ سے ڈر کر ان کی اچھی تربیت کرے وہ بہشتی ہے (خواہ ایک ہو)

۲۔ لڑکیوں کی پرورش ایک امتحان ہے جو اس میں پورا اترے وہ دوزخ سے بچا رہے گا۔

یتیموں کا پالنا

یتیم کی پرورش کرنے والا بہشت میں میرے (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے ساتھ یوں رہے گا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں۔

بادشاہ وقت کی اطاعت

۱۔ بادشاہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہے۔

۲۔ حبشی غلام بھی حاکم ہو جائے تو اس کی اطاعت نیکی میں تم پر فرض ہے۔

۳۔ سلطنت کفر سے نہیں جاتی بلکہ ظلم سے جاتی ہے۔

رحم دلی

جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

بھیک مانگنے کی بُرائی

۱۔ جو کوئی لوگوں سے بھیک مانگتا ہے، وہ اپنے لیے آگ اکٹھی کر رہا ہے اب بہت اکٹھی کرے یا تھوڑی۔

۲۔ سب سے بڑا آدمی وہ ہے جو خدا واسطے کہہ کر مانگتا ہے اور پھر بھی اسے نہیں ملتا۔ دیکھو اللہ کا واسطہ دے کر لوگوں سے مت مانگو۔ اللہ ہی سے مانگو۔

باہمی برتاؤ

۱۔ جو چھوٹوں پر رحم اور بزرگوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔

۲۔ تم اہلِ زمین پر مہربانی کرو خدا آسمان پر مہربان ہو گا۔

۳۔ ایک مومن دوسرے کا گویا آئینہ ہے۔ اگر کسی بھائی میں کوئی نقص دیکھو تو اُسے بتا دو۔

۴۔ آپس کی محبت اور ہمدردی میں دیوار سے مثال سیکھو جس کی ایک اینٹ دوسری کو مضبوط بناتی ہے۔

۵۔ ہنس کر ملنا، نیک بات بتا دینا، بُری بات سے ہٹا دینا، بھولے بھٹکے کو راستہ بتا دینا، تھوڑی نظر والے کو راستہ بتانا، راستہ میں سے کانٹا، پتھر، ہڈی ہٹا دینا، کسی کو پانی کا ڈول نکال دینا۔ یہ سب کام صدقہ

جیسے ہیں۔

۶۔ سلام کرنا (غریبوں کو) کھانا کھلانا، رات کو چھپ کر نماز پڑھنا اسلام کی اچھی نشانیاں ہیں۔

۷۔ جس کا خُلق اچھا ہے، قیامت کے دن وہی مجھے پیارا اور میرے پاس ہوگا۔ جس کا خُلق بُرا ہے میں اس سے بیزار اور دُور رہوں گا۔ جو لوگ بیہودہ بکتے، گپیں لگاتے، تکبّر کرتے ہیں، میں ان سے بیزار ہوں۔

۸۔ اچھی حالت میں رہنے کا نام تکبّر نہیں۔ لوگوں کو حقیر جاننا، سچّائی کو ردّ کر دینے کا نام تکبّر ہے۔

۹۔ سب سے محبّت رکھو۔ آدھی عقل اسی میں ہے۔

۱۰۔ یہ مت کہو کہ اگر لوگ ہم سے اچھا برتاؤ کریں گے تو ہم بھی اچھا برتاؤ کریں گے۔ اور اگر وہ ظلم کریں گے۔ تو ہم بھی ظلم کریں گے۔ بلکہ ایسی عادت بناؤ کہ اگر لوگ تم سے اچھا برتاؤ کریں تو تم ان سے احسان کرو۔ اور اگر وہ تم سے برائی کریں تو تم ان پر ظلم نہ کرو۔

علم کی بزرگی

۱۔ جو کوئی علم کی تلاش میں چلتا ہے اسے بہشت کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔

۲۔ تم جب تک علم کی تلاش میں ہو، راہِ خدا میں ہو۔

۳۔ علم کی تلاش پچھلے گناہوں کا کفارہ ہے۔

۴۔ تحقیقات کا شوق آدھا علم ہے۔

۵۔ عبادت کی بزرگی سے علم کی بزرگی بہتر ہے۔

۶۔ حکمت و دانائی کو اپنی گم شدہ چیز سمجھو، جہاں مل جائے لے لو۔

۷۔ جو کوئی علم کو چھپاتا ہے اُسے آگ کی لگام دی جائے گی۔

۸۔ جہاں علم اور حلم اکٹھے ہوں۔ ان سے بہتر کوئی دو چیزیں کہیں ایک جگہ اکٹھی نہ ملیں گی۔

۹۔ عالم کو دوسرے لوگوں پر ایسے فضیلت ہے جیسے چاند کو دوسرے ستاروں پر۔

۱۰۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ دعا کریں۔ "اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔

لونڈی، غلام اور خادم سے سلوک

۱۔ لونڈی، غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنا دیا ہے۔ جس کے پاس لونڈی یا غلام ہو۔ وہ برابر کا کھلائے، برابر کا پہنائے طاقت سے بڑھ کر ان سے کام نہ لے۔ مشکل کام میں آپ اس کی مدد کرے۔

۲۔ لونڈی یا غلام کو آزاد کرنا، اپنے آپ کو دوزخ سے چھڑا لینا ہے۔

۳۔ ایک نے پوچھا۔ خدمت گار کو کہاں تک معاف کیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ دن میں ستر دفعہ۔

۴۔ آخری وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ لونڈی غلام سے اچھا سلوک کرو اور نماز پابندی سے ادا کرو۔

★

قرآن مجید

ہمارے سید و مولا نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات اگر کوئی فاضل مبسوط و مشرح لکھے تو ضرور ہے کہ وہ علومِ قرآن سے بھی بحث کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص میری طرح مختصر اور سادہ لکھ رہا ہو تو اُسے بھی لازم ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کا نمونہ پیش کر دے۔ گو اسرار و حکم اور خصوصیات قرآنِ پاک کے مباحث کو وہ چھوڑ ہی دے۔ کیونکہ جس سیرۃ نبویہ کے ساتھ قرآن مجید کا نمونہ دکھایا جاتا ہو وہ کتاب بے حد نامکمل ہے۔

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے دریافت کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق ہے۔

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید کا ہر لفظ ربّ العالمین کا کلام ہے لیکن اہلِ عالم کو اس کلامِ ربانی سے روشناس و ماہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے کرایا ہے۔

یہ پاک کلام تیئس ۲۳ سال کی مدّت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوُا۔ یہ انہی الفاظ میں دنیا میں مشتہر و محفوظ، زبانوں پر جاری دِلوں پر قابض اور دماغوں پہ حاوی ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھ کر سنائے تھے۔

یہ کلامِ پاک دنیا کے ہر طبقہ پر موجود ہے۔ دنیا کے ہر حصّہ پر کروڑوں

اشخاص ہر روز پانچ دفعہ اس کے مختلف حصّوں کو ضرور پڑھ لیتے ہیں۔

جب سے اس کا نزول ہوُا، اس کا ظہور ترقی پذیر رہا ہے۔ اس وقت سے لے کر جب اسے اکیلی خدیجۃ الکبریٰ (اُمّ المؤمنین) رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سُنا، لحظہ بہ لحظہ، روز بروز اس کے ماننے والوں کی تعداد ترقی پذیر رہی ہے۔ کوئی ملک، کوئی موسم، کوئی رسم ورواج، کسی جگہ کے ماننے والے یا انکار کرنے والوں کے موافق یا ناموافق حالات اس کی ترقی کے لیے روک نہیں بن سکے۔

مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے غلط کیے گئے، اس کی سچی، صاف تعلیم پر غلط حاشیے چڑھائے گئے لیکن کوئی تدبیر بھی اس کی اشاعت کو نہ روک سکی۔ اور اس کی وسعت پذیر ترقی کو محدود نہ کر سکی۔ یہ جس زبان میں پہلے پہل جلوہ گر ہوُا اسی میں اب تک نور گستر ہے۔ اور ایک عالم اس کی روشنی سے منوّر ہے۔ لیکن دنیا کی اور تمام مقدس کتابیں کیا توراۃ وزبور، کیا انجیل اور اس کے خطوط۔ کیا وید، کیا ژند و پاژند اس وصف سے عاری ہیں۔ جس زبان میں وہ اُتری تھی آج دنیا پر اس زبان کا اور اس زبان کے بولنے والوں کا نام ونشان بھی باقی نہیں۔ قرآن مجید ان سب اعتراضوں کو جو قرآن کے زمانۂ نزول میں کیے گئے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو الزام لگائے گئے، خود بیان کرتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید اپنے لیے خود ایک سچی تاریخ بن گیا ہے جس میں تاریخ کے ہر دو رُخ دکھا دیئے گئے ہیں۔ قرآن عظیم نے اس بارہ میں اپنی صداقت اور احکام کے اعتماد پر جس جرأت سے کام لیا ہے دنیا کی کسی اور کتاب سے اس کا ظہور نہیں ہوُا۔

قرآنِ حکیم کی تعلیم ایسی زبردست صداقت لیے ہوئے ہے کہ جن قوموں اور مذہبوں نے اسے علی الاعلان نہیں مانا انہوں نے بھی کتابوں میں جو سینکڑوں سال اس سے پہلے کی ہیں یا سینکڑوں سال بعد کی ہیں اسی تعلیم کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ صدق اللہ تعالیٰ۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ

میرے اس فقرہ کا مطلب آپ پر واضح ہو جائے گا جب آپ یہودیت، عیسائیت، بدھ مت اور ہندو مت کے سناتن دھرم یا آریہ دھرم کے حالات قبل از نزول قرآن مجید کو پڑھیں گے۔ اور پھر بعد از نزول قرآن پاک آپ ان مذاہب کی ترقیات تا زمانۂ حال پر غور فرمائیں گے۔ اور ان ترقیات کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیں گے کہ اس ملک میں اس انقلاب سے پیشتر قرآنی تعلیم کا رواج ہو چکا تھا یا نہیں۔

اب خواہ کوئی قرآن کریم کے فیوض کو مانے جیسا کہ مشہور بانیان برہمو سماج کا حال ہے یا جیسا کہ رومن کیتھولک نے لوتھر کو الزام دیتے ہوئے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ اس کے مسائل قرآن سے مخرج ہیں خواہ کوئی نہ مانے جیسا کہ بہت سے فرقوں کا حال ہے۔ مگر عملاً انہوں نے قرآن مجید کی تعلیم کو لے لیا ہے یا لے رہے ہیں۔ اور ہر ایک ترقی کنندہ قوم (علی رغم الف) مجبور ہے کہ اس کی تعلیم کو لیتی رہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے قرآن مجید ہی ایک ایسی کتاب ہے جو اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کی بشارت سناتا ہے۔

میں نے آیات کے ساتھ صرف سادہ ترجمہ لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ لکھنا اس کتاب کے موضوع سے باہر تھا۔ کیونکہ میں ایک سلیس اور آسان کتاب پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس کے پڑھ لینے کے بعد پڑھنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور قرآنِ عظیم کی بابت کچھ تو معلوم کر سکے

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

مسلمان براہِ مہربانی دیکھیں کہ قرآن مجید کس نمونہ کے مسلمان تیار کرتا ہے۔

الٰہیات

ذاتِ خداوندی کا عرفان

(۱) بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع ہے کمال رحمت والا اور دائمی رحم والا ہے۔

(۲) لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ۔

(سورہ انعام رکوع ۱۳)

حواس اور عقول خدا کا ادراک نہیں کر سکتے لیکن خدا کو ان سب پر ادراک ہے۔

(۳) لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

(سورہ شوریٰ رکوع ۲)

کوئی چیز بھی خدا کی مثال نہیں اور وہ بندوں کی التجاؤں کو سنتا اور ان کے حالات کو دیکھتا ہے۔

(۴) اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ (سورہ بقرہ)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے محبت رکھتا ہے۔ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔

(۵) اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ

خدا ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ اسے غفلت

وَّلَا نَوْمٌ ط لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ط
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ
بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا
شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا
وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۵ .
(سورہ بقرہ رکوع ۳۴)

نیند کا اثر نہیں ہوتا۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے۔ ایسا کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس کے پاس شفاعت کر سکے۔ وہ خدا لوگوں کے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے اور لوگ اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ لوگ تو اتنا ہی جان سکتے ہیں جتنا وہ چاہے اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اسے آسمانوں اور زمین کا تھام رکھنا تھکا نہیں دیتا۔ وہ بڑی اعلیٰ شان اور عظمت والا ہے۔

(۶) كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ
الرَّحْمَةَ۔

تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ لیا ہے۔

(۷) قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ
الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

وہ خدا ایک یکتا۔ سب کا سید و آقا ہے کوئی اس کا فرزند نہیں۔ وہ کسی کا فرزند نہیں اور کوئی بھی اس کے برابر کا نہیں۔

سچّے دین کی تعریف

(۱) فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ

(سورہ روم رکوع ۴)

یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ خدا کی بناوٹ میں ادل بدل نہیں ہوتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۲) صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ؕ

(البقرہ رکوع ۱۶)

اللہ کا رنگ چڑھانا ہے۔ ہاں اللہ سے بڑھ کر اور کون رنگ چڑھا سکتا ہے۔

(۳) شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ

(سورہ شوریٰ رکوع ۲)

خدا نے تمہارے لیے دین کا وہ راستہ بنایا ہے جس کا حکم نوحؑ کو دیا اور پھر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اس کی وحی بھیجی۔ اور ابراہیمؑ و موسےٰؑ و عیسیٰؑ کو بھی اسی کا حکم دیا تھا۔ کہ دین پر سیدھے چلو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

بندہ کے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو کیا مطلوب ہے

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔

(سورۂ حج رکوع ۵)

خدا کے ہاں قربانیوں کا گوشت نہ یا لہو ہرگز نہیں پہنچتا۔ خدا کے پاس تو تمہاری فرمانبرداری پہنچتی ہے۔

شریعت سے مقصود انسان کی تکمیل ہے

(۱) مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

(سورۂ مائدہ رکوع ۲)

اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر تنگی ڈالے۔ اللہ کا ارادہ تو یہ ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمت پوری بھیجے۔ تاکہ تم شکر کرو۔

(۲) اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔

(سورۂ عنکبوت رکوع ۵)

نماز فحش اور بے حیائی اور ممنوع کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر تو اس سے بھی (فوائد) میں بڑھ کر ہے۔

نبی کے فرائض

(۱) اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَ یُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ۔

(سورہ بقرہ رکوع ۱۸)

ہم نے تمہارے پاس رسول کو بھیجا جو تم ہی میں سے ہے ۔ وہ ہماری آیتیں تم کو سناتا (اخلاق رذیلہ سے) تم کو پاک کرتا، اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور وہ علوم تمہیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے ۔

(۲) یَاۡمُرُھُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡھٰھُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡھِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنۡھُمۡ اِصۡرَھُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡھِمۡ

(اعراف رکوع ۱۹)

نبی لوگوں کو نیک باتوں کے کرنے کا حکم دیتا، بُری باتوں کے کرنے سے روکتا اور پاکیزہ چیزوں کو لوگوں کے لیے حلال ٹھہراتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتا، بوجھ (غیر شرعی باتوں کا) ان سے دُور کرتا اور طوق (رسم و رواج کے) نکال دیتا ہے ۔

اعمال کی جزا و سزا دنیا و آخرت دونوں میں دی جاتی ہے

(۱) لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

(اعراف ع ۱۲)

اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور تقوے اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکتیں کھول دیتے۔ لیکن وہ تو حکم الٰہی کو جھٹلانے لگے۔ اس لیے ہم نے ان پر ان کے فعلوں کی وجہ سے مواخذہ کیا۔

(۲) وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۔

(سورۂ مائدہ ع ۹)

اگر وہ لوگ تورات اور انجیل پر اور اس تعلیم پر جو ان پر نازل کی گئی تھی قائم ہوتے تو اپنے اوپر اور نیچے سے خوراک کھایا کرتے (زمین اور آسمان کی برکتیں ان کے ساتھ ہوتیں)

(۳) وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔

(سورہ شوریٰ ع ۴)

جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی لائی ہوئی ہے اور خدا تو تمہاری بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے۔

(۴) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ

کوئی شخص بھی نہیں جان سکتا۔ کہ

أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ (سجدہ رکوع ۲)

خدا نے اپنے بندوں کے لیے وہ کیا کیا چیزیں خفیہ مہیا کر رکھی ہیں۔ جن سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ یہ بدلہ ان کے اعمال کا ہے۔

سنن الہیہ میں تبدیلی نہیں

(۱) فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا۔

سنتِ الٰہی میں کچھ بھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

(۲) وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا۔ (سورہ فاطر ع ۵)

سنت الٰہی میں ایر پھیر کی گنجائش نہیں۔

(۳) مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُورٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيرٌ ۝ (سورہ ملک ع ۱)

خدا کی آفرینش میں تجھے کچھ بھی نقص نظر نہیں آئے گا۔ ذرا آنکھ اٹھا کر تو دیکھ۔ کیا تجھے کوئی شگاف بھی دکھائی دیتا ہے۔ پھر آنکھ اٹھا کر اور بار بار دیکھ۔ تیری نظر تھک کر، ناکام ہو کر لوٹ آئے گی۔

انسان کی ذاتی کوشش ہی کامیابی کے لیے مثمر بنتی ہے

(۱) لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم ع ۳)	انسان کو وہی ملتا ہے جو اس نے سعی کی ہے۔
(۲) وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا (دہر ع ۱)	تمہاری کوشش خوب کامیاب ہوئی۔
(۳) تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ (البقرہ ع ۱۶)	وہ اُمّت گزر چکی ہے جو اس نے کمایا تھا اُسے ملے گا، جو تم کماؤ گے وہ تمہیں ملے گا۔

صبر اور پرہیزگاری کا درجہ

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (سورۂ آل عمران)	اگر تم صبر اور پرہیزگاری کرو۔ تو یہ ایک عالی ہمتی کا کام ہے۔

حکمت اور دانش کا درجہ

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔	اور جسے حکمت (حقیقی فلسفہ) دیا گیا۔ اسے نہایت سعادت مندی حاصل ہوئی۔

صبر کا پھل

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا

(الٓم سجدہ رکوع ۳)

جب بنی اسرائیل نے صبر اختیار کیا تو ہم نے ان میں ایسے مقتدائے قوم پیدا کیے۔ جو ہمارے حکم کے مطابق اور لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔

قطع طمع

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔

(طٰہٰ رکوع ۸)

کافروں کی مختلف قوموں کو جو ہم نے دنیوی حظوظ سے بہرہ مند کیا ہے۔ تو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ۔

دینی عروج میں آخرت کو نہ بھولنا

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔

(قصص ع ۸)

اے قارون! تو دنیا کے گھمنڈ میں آکر اپنے بہرہ نجات کو فراموش نہ کر۔

تہلکہ سے بچنا

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ)

اپنے آپ کو خود ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اِفترا اور جھوٹ ایمان کی ضد ہیں

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ۔ (النحل ع ۱۴)

جھوٹ اور افترا وہی باندھتے ہیں، جو خدا کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔

قطعی حرام چیزیں

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف ع ۴)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ سنا دیجئے کہ میرے پروردگار نے حرام کر دیا ہے (۱) فحش کی سب قسموں کو جو کھلی ہیں یا چھپی ہیں (۲) اور گناہ کو (۳) اور ناحق بغاوت کو (۴) اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کو جس پر کوئی بھی دلیل موجود

نہیں (۵) اور خدا پر ایسی بات جوڑدینے
کو جسے تم نہیں جانتے ۔

خدا کی عبادت الٰہی بپتسمہ ہے

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ ۔
(البقرہ ع ۱۶)

ہم نے خدا کا ہی رنگ اختیار کیا ہے۔ کیا خدا سے بڑھ کر بھی کوئی اچھا رنگ دینے والا ہے۔ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

تحریر و انشاء دانی کی تعریف

وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ
(قلم ع ۱)

میں قلم اور اس کے لکھے ہوئے علوم کی قسم کھاتا ہوں۔

ارباب عقل و دانش کے لیے الٰہی نشانات

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَ

زمین و آسمان کو پیدا کرنے، رات دن کے آنے جانے، وہ کشتیاں اور جہاز جو لوگوں کو مفید اشیاء تجارت سے کر دریاؤں اور سمندروں

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔

(البقرہ ع ۲۰)

میں چلتے ہیں۔ آسمانوں کی طرف سے خدا کے پانی اتارنے اور مُردہ زمین کو اس کے ذریعے سے از سرِ نو زندگی بخشنے، زمین میں ہر قسم کے جانور پیدا کر کے پراگندہ کر دینے۔ مختلف قسم کی ہوائیں بدلنے اور ان بادلوں میں جو آسمانوں و زمین کے بیچ میں تابع حکم نظر آتے ہیں۔ سب میں بے شک عقل مندوں کے لیے خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

قسم کھانے کی ممانعت

(۱) وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (قلم ع ۱)

تو کسی ایسے ذلیل کی بات مت مان جو بہت قسمیں کھانے والا ہے۔

(۲) وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ۔ (بقرہ رکوع ۲۸)

خدا کے نام کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ۔

(۳) وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ۔

(مائدہ ع ۱۲)

اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔

صلح کلّی کی دعوت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (بقرہ ع ۲۵)

اے ایمان والو! دین اسلام میں (جو مبنی بر امن و سلامتی ہے) بالکلیہ ہمہ تن داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔

اصلاح باہمی کا حکم

(۱) وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ (بقرہ ع ۲۸)

لوگوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔

(۲) وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (انفال ع ۱)

آپس کے تنازعات اور جھگڑوں کی اصلاح کر لیا کرو۔

عفو و درگزر کی تعلیم

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (سورہ نور۔ رکوع ۳)

لازم ہے کہ معافی دو اور درگزر کرو۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ خدا تم کو بخش دے۔

سچّی تعلیم کی صداقت

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

(حٰم سجدہ رکوع ۶)

ہم اپنی قدرت کی نشانیاں جو اطرافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اور خود ان کی ذات ونفوس میں بھی موجود ہیں، ضرور انہیں دکھائیں گے۔ اور بالآخر انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ تعلیم بالکل سچّی ہے۔

سلطنت کے اصول

(۱) حاکمانِ عدالت کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۔ (انبیاء)

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا قصہ بیان کیجیے جب وہ ایک کھیت کے بارہ میں فیصلہ صادر کر رہے تھے۔ جس میں رات کے وقت ان کی قوم کی بکریاں چر گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ کرنے وقت حاضر ناظر تھے۔ سو اس معاملہ میں ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک خاص سمجھ عنایت کی۔ دونوں کو ہم نے عام طور پر حکومت اور علم عطا کیا تھا۔

(۲) نقضِ امن کی ممانعت

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۔

کسی سرزمین میں اصلاح ہو جانے کے بعد خرابی نہ کرو۔

(اعراف رکوع ۳)

(۳) ظلم باعثِ زوال ہے

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝

(انبیاء ع ۲)

کتنے شہروں کو ہم نے ان کے ظلم کے باعث توڑ مروڑ ڈالا۔ اور ان کی تباہی کے بعد ہم نے ایک دوسری قوم ان کی بجائے پیدا کر دی۔

(۴) نکوکاری باعثِ قیام ہے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝

(ہود ع ۱۰)

ایسا نہیں کہ تیرا پروردگار آباد شہروں کو ان کے باشندوں کو نیکوکار ہونے کے باوجود ظلم سے تباہ کر دے۔

(۵) جنگ کے لیے تیار رہنا ہی جنگ سے بچنے کی تدبیر ہے

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ

(انفال)

جہاں تک ممکن ہو اپنی طاقت بڑھاؤ۔ اور گھوڑوں کو آمادۂ پیکار رکھو۔ جس سے تم ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال سکو۔ جو خدا کے دشمن اور تمہارے بھی دشمن ہیں۔

(۶) ارکانِ دولت کے مشورہ پر کاروبار کرنا

(۱) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ (آلِ عمران ع ۷)

حکومت کے کاموں میں لوگوں سے مشورہ لیا کرو۔

(۲) وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (شوریٰ ع ۴)

مسلمانوں کی حکومت باہمی مشورہ پر ہے۔

(۳) يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ۵ (نمل ع ۳)

اے سردارو! میری حکومت میں تم فتوے دو۔ تمہاری موجودگی کے بغیر مجھ کو کسی بڑے کام کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے۔

تعلیم و تعلّم

(۱) علم و حکمت کی باتوں کا سننا، ان پر غور کرنا، بہترین صورت کو اختیار کرنا

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ (سورۃ زمر ع ۲)

اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ان بندوں کو بشارت سنا دیجئے (جو علم و حکمت کی) گفتار کو سنتے اور اس کی بہترین صورت کو اختیار کر کے اس

کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ
لوگ جنہیں خدا نے ہدایت بخشی
اور یہی لوگ کھرے عقل والے
ہیں۔

(۲) غیر اقوام سے علم اخذ کرنا

هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا (انعام ع ۱۸)

کیا تمہارے پاس کچھ علم ہے پس اسے ہمارے لیے ظاہر کرو۔

نظام تبلیغ دین

(۱) دین کی دعوت دینے والی جماعت کا قیام ضروری ہے

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

(آل عمران ع ۱۱)

تم میں ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے۔ اچھے کاموں کو حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے ایسے ہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

(۲) ہر ایک قوم کا شخص داعیانِ دین کی جماعت میں ہو سکتا ہے

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ (توبہ ع ۱۵)

ہر ایک فرقہ و قوم میں سے ایک گروہ اس غرض کے لیے کیوں کھڑا نہیں ہوتا۔ کہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں۔ اور جب فارغ التحصیل ہوں تو اپنی قوم کی ہمدردی کریں انہیں خدا کی نارضامندی کی باتوں سے ڈرائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم بری باتوں سے بچنے لگے گی۔

تہذیبِ اخلاق

(۱) جنس اناث کی تعریف

مَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ۔ (زخرف ع ۲)

(عورت) آرائش و زیور کے اندر پلتی ہے۔ اور لڑائی پیکار سے علیحدہ رہتی ہے۔

(۲) میاں بیوی کی تعریف

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ (بقرہ ع ۲۳)

بیویاں اپنے شوہروں کے لیے اور شوہر اپنی بیویوں کے لیے لباس ہیں۔

لباس انسان کو گرمی سردی سے بچاتا ۔ لباس انسان کے حسن و جمال کو ترقی دیتا۔ لباس سے پہننے والے کی تہذیب و تمیز کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لباس پہننے والے کے عیوب کو چھپاتا ہے ۔ اسی طرح زن و شوہر کے باہمی تعلقات ہونے چاہئیں۔ وہ گرم و سرد زمانہ سے ایک دوسرے کا بچاؤ ہوں ۔ ایک دوسرے کا حسن و جمال باہمی الفت سے ترقی کرے۔ عورت کو دیکھ کر اس کے شوہر کی تہذیب اور شوہر کو دیکھ کر عورت کی تمیز کا اندازہ کیا جا سکے ۔ ایک دوسرے کے رازدار ہوں ۔

خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً (روم ع ۳) — خدا نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں بنائیں۔ تاکہ تسکین پکڑو۔ اور میاں بیوی کے درمیان خدا نے محبت اور پیار ڈال دیا۔

(۳) میاں بیوی کے حقوق

(۱) اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ۔ (نساء ع ۶) — مرد عورتوں پر نگران ہیں ۔

(۲) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۔ (بقرہ ع ۲۸) — عورتوں کے شوہروں پر ویسے ہی حقوق ہیں ۔ جیسے شوہروں کے عورتوں پر ہیں ۔ اور مردوں کو ان پر درجہ ہے ۔

(۴) کمال درجہ کی محبت کو ایمان کہتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (البقرہ ع ۲۰)

مومن خدا کی محبت میں زیادہ ثابت قدم ہیں۔

(۵) بلندی درجات کا سبب ایمان اور علم ہیں

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔

(مجادلہ ع ۲)

خدا تعالیٰ مومنوں کے اور ان لوگوں کے جنہیں علم سے بہرہ مند کیا گیا ہے، درجے اور رتبے بلند فرماتا ہے۔

بر و بحر پر تسلّط بہترین و پاکیزہ اصول پر چلنے کی وجہ سے انسان کو دیگر مخلوق پر فضیلت ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔

(مجادلہ ع ۲)

ضرور ہم نے انسان کو عزت دی ہے اور خشکی و تری میں ان کو سوار کرکے پھرایا (خشکی و تری میں سفر کرنے کے وسائل سمجھائے) اور الوانِ نعمت سے ان کا رزق مقرر کیا۔ اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو شرف بخشا۔

انسان کا اشرف ہونا ہی ردِّ شرک کی دلیل ہے

قَالَ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰھًا وَّھُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ۔

(اعراف ع ۶)

حضرت موسےٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ میں تمہارے لیے اور معبود ڈھونڈ لاؤں۔ حالانکہ اس نے تمہیں تمام عالم پر فضیلت عنایت فرمائی ہے۔

انسان کو ہر ادنیٰ ہستی سے سبق حاصل کرنا چاہیئے

یَا وَیْلَتٰی اَعَجَزْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِثْلَ ھٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ سَوْاَۃَ اَخِیْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ۵

اے کاش! مجھ سے تو اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی مُردہ لاش کو خاک سے چھپا دیتا۔ اور یہ سمجھ کر اسے سخت ندامت ہوئی۔

دیکھنے والے کے لئے ہر چیز میں ایک نشان ہے

وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا وَ ھُمْ عَنْھَا مُعْرِضُوْنَ۔

(یوسف)

زمین و آسمان میں قدرتِ کاملہ کی کس قدر نشانیاں موجود ہیں جن سے وہ یونہی منہ پھیرے گزر جاتے ہیں۔

سیر و سیاحت سے فہم بڑھتا ہے اور معلومات میں اضافہ ہوتا ہے

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا۔ (حج ع ۶)

انہوں نے اطرافِ عالم میں سیاحت کیوں نہ کی جس سے ان کو دل ہائے دانا اور گوشہائے شنوا حاصل ہوتے۔

اندھا وہ ہے جس کا دل اندھا ہے

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔ (سورۃ حج ع ۶)

حقیقت حال یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

حرام چیزیں طیّب نہیں، طیّب چیزیں حرام نہیں

یٰاَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ۔

اے لوگو! زمین پر جو پاکیزہ حلال اشیاء خدا نے پیدا کی ہیں کھاؤ پیو اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔

حلال طیّب چیزوں کا ترک

کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

زمین کی سب پاکیزہ حلال اشیاء کھاؤ۔ اور شیطان کے نقشِ قدم

الشَّیْطٰنِ۔ پر نہ چلو۔

بصیرت وہدایت اسی دنیا میں حاصل ہوسکتی ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔

جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا تو وہ آخرت میں زیادہ اندھا اور زیادہ گمراہ ہوگا۔

ایمان ہی کے ذریعے سے ہر ایک اعلیٰ منزل پاسکتے ہیں

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (اٰلِ عمران ع ۱۴)

اپنے آپ کو ذلیل نہ سمجھو اور رنجیدہ نہ ہو۔ تم ہی سب سے برتر ہوگے اگر تم ایمان دار ہو۔

تمدّن

(۱) چرند و پرند میں ایک تمدن کا پایا جانا، لوازم حیات میں انسان کا انہی جیسے اصول پر کاربند ہونا

(۱) وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔

روئے زمین پر کوئی ایسا جان دار یا اڑنے والا پرندہ نہیں ہے جس کی تمہاری طرح قومیں اور جتھے نہ ہوں۔

مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتَابِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّھِمْ یُحْشَرُوْنَ

ہم نے اپنی کتاب میں کسی چیز کا بیان ترک نہیں کیا۔ پھر ان سب کو آخر کار خدا ہی کی طرف اکٹھا ہو کر جانا ہے۔

(۲) موجوداتِ عالم انسان کے فائدے کے لئے ہیں

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔

خدا وہ ذاتِ کبریا ہے۔ جس نے تمہارے فوائد و منافع کے لیے روئے زمین کی تمام اشیاء پیدا کی ہیں۔

(۳) لوگ اپنی اپنی مختلف قابلیتوں سے مختلف کام انجام دیتے ہیں

کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ۔
(اسریٰ)

ہر ایک شخص اپنی جبلّت کے موافق عمل کرتا ہے۔

(۲) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ۔ (حج ع ۲)

کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ آسمان اور زمین کی سب مخلوق سورج چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، حیوان اور انسانوں کا بڑا حصہ خدا کا فرماں بردار ہے۔ پھر بھی سب لوگ ایسے رہ جاتے ہیں جن پر عذاب کا ہونا درست ٹھہرا۔

(۳) فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی

جس شخص نے خدا کی راہ میں کچھ دیا۔ اور پرہیزگاری بھی اختیار

فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی وَ اَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَ کَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی (سورہ والیل)

کی اور خدا کے بہترین وعدوں کی تصدیق کی۔ اس کو ہم نہایت آسانی کے ساتھ آسان طریقہ پر (دینِ اسلام) پر فطرت کے راستے پر جو بمقتضائے "الدین یسر" نہایت آسان طریقہ ہے) چلائیں گے۔ لیکن (بہ خلاف اس کے) جس نے بخل کیا اور اپنے آپ کو (خدا کی اطاعت سے) بے نیاز خیال کیا۔ خدا کے بہترین وعدوں کو جھٹلایا۔ تو اس کے لیے (ترکِ معونت و توفیق کر کے اور اپنی عنایت سے محروم کر کے) وہی دشوار طریقہ (جو درحقیقت بہ سبب خلافِ فطرت ہونے کے نہایت دشوار ہے۔ بباعث ترک کرنے لطف و عنایت کے) آسان کر دیں گے۔

(۴) سیاستِ مدن کے قیام اور انتظام کے لئے مختلف طبقات کی ضرورت اور ہر ایک طبقہ کا اس کے مناسبت بقاو قیام اور دوامِ انتظام کیلئے ذمہ دار ہونا

وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

خدا وہ ذاتِ کبریا ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر (موالید ثلاثہ کے مختلف اقسام میں انواع تصرف کرنے کے) اپنا خلیفہ بنایا (یعنی ودائع قدرت ظاہر کرنے کے لیے تمہیں جارحہ تصرف بنایا اور حسنِ انتظام

(سورہ انعام ع ۲۰) کے لیے) تمہارے مختلف درجے یا طبقے قرار دیئے ہیں۔ جس سے غرض یہ ہے کہ تمہیں اپنے عطا کردہ کمالات میں آزمائے (کہ تم ان بالقوہ کمالات کو معرضِ ظہور میں لاکر اپنے آپ کو خلیفۃ اللہ ثابت کرتے ہو یا اپنی فطری استعداد کو منسوخ کر کے اسفل السافلین کا خطاب حاصل کرتے ہو) ضرور تیرا پروردگار جلدی عذاب بھی دینے والا ہے اور وہ یقیناً بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِيْزَانِ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ۔

(الرحمٰن ع ۱۲)

اور خدا نے ایک میزان مقرر کی۔ کہ تم اس میزان میں کسی طرح طغیانی (افراط و تفریط) نہ کرو اور انصاف کے ساتھ میزان کو درست رکھو اور میزان مقرر کردہ الٰہی میں کسی قسم کی تقصیر نہ کرو۔

(۶) بہترین شخص وہ ہے جو نسلِ انسانی کا خیر خواہ ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(آلِ عمران ع ۱۲)

تم لوگ (اے امتِ محمدیہ) باقی لوگوں کے لیے ایک بہترین قوم صفحۂ ہستی پر لائے گئے ہو (تم سب لوگوں کو) مطابق شرع و فطرت کے حکم دیتے، برائیوں سے منع کرتے۔ اور خدا کی ذات و صفات پر کامل یقین رکھتے ہو۔

(۷) اخوّت کی بنیاد

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (حجرات ع ۱) تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

(۸) مال کی تعریف، دولت، قیام قومی کا سبب ہے

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَہَآءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا۔ (النساء ع ۱) اور تم اپنے اموال جو اللہ نے تمہارے لیے قوام زندگی بنائے ہیں۔ بے وقوفوں کے ہاتھ میں مت دیا کرو۔

(۹) فقر و تنگ دستی کی بُرائی

اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ (البقرہ ع ۳۷) شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا ہے اور (اس بنا پر) تمہیں بخل و امساک کا حکم دیتا ہے (بہ خلاف اس کے خدا تمہیں اپنے فضل و بخشش کی امید دلاتا ہے) اور خدا بہت فراخ، رحمت والا (حقائق امور کو) جاننے والا ہے۔

(۱۰) اسراف کی بُرائی، بُخل کا نہ ہونا بڑی بہبود ہے

وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ جن کو جبلّی بخل اور لالچ سے خدا

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

نے محفوظ رکھا، وہی (آخرت میں) کامیاب ہوں گے۔

(۱۱) میانہ روی، رحمٰن کے بندے بخیل و مسرف نہیں ہوتے

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا.

(فرقان ع ۵)

خدائے مہربان کے خاص بندوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ جب وہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگ چشمی کرتے ہیں بلکہ (میانہ روی کرکے) بیچ کا مستقیم راستہ اختیار کر لیتے ہیں۔

(۱۲) بحری تجارت خصوصًا نفع بخش ہے

وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ.

اور وہ کشتیاں اور جہاز (بھی خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں) جو لوگوں کی مفید اشیاء لے کر دریا اور سمندر میں (برابر) چلی آتی ہیں۔

اللہ کے ہاں بہتر اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں کن لوگوں کیلئے ہیں

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ.

(شوریٰ ع ۴)

بہتر اور باقی رہنے والا اجر ان لوگوں کے لیے ہے (۱) جو ایمان لائے ہیں اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔

بہتر اور باقی رہنے والا اجر ان لوگوں کے لیے ہے:

(۱) جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں۔

(۲) جو لوگ بڑے گناہوں فحش اور بے حیائی سے پرہیز کرتے ہیں۔

(۳) اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو درگزر کیا کرتے ہیں۔

(۴) اور جو اپنے پروردگار کے حکموں کو قبول کر لیتے ہیں۔

(۵) اور جو نماز قائم رکھتے ہیں۔

(۶) اور جن کا کام باہمی مشورہ پر ہے۔

(۷) اور جو اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔

(۸) اور جو دوسروں کی طرف سے زیادہ (حملہ) ہونے پر (صرف) اپنا بدلہ لیتے ہیں اور بُرائی کا بدلہ ویسے ہی بُرائی ہے۔

(۹) ہاں جو دوسروں کی زیادتی معاف کرے اور اس سے نیکی کرے تو اس کا ثواب اللہ کی قدرت میں ہے۔ اللہ تو ظلم کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

(۱۰) (تاہم) جو کوئی (دوسرے سے) ظلم کا بدلہ لیتا ہے۔ اس کا کچھ بھی الزام نہیں۔

(۱۱) الزام تو ان لوگوں پر ہے جو نسل انسانی پر ظلم کرتے اور ملک میں مار و بغاوت پھیلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(۱۲) جو شخص (دوسرے کی زیادتی پر) صبر کرتا اور اسے معاف کر دیتا ہے تو یہ بات بڑی بلند ہمت کی ہے۔

قرآن

غیر مسلموں کی نظر میں

ڈاکٹر موریس

مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب (قرآن) تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کے آگے سارے جہان کے بڑے بڑے انشاء پرداز شاعر سر جھکاتے ہیں۔ روم کے عیسائیوں کو جو کہ ضلالت کی خندق میں گر پڑے تھے کوئی چیز نہیں نکال سکتی تھی بجز اس آواز کے جو غارِ حرا سے نکلی۔

پروفیسر اڈوائر مونتے

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مذہب تمام کا مذہب ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جو معقولیت کے امورِ مسلمہ پر مبنی ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ توحید ایسی پاکیزگی اور جلال و جبروت اور کمالِ تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

اشاعت مذہب عیسوی اور اس کے مخالف مسلمان صہ۱۷-۱۸ مطبوعہ پیرس ۱۸۹۰ء

ریورنڈ آر یکسوئل کنگ

اسلام کی آسمانی کتاب قرآن ہے۔ اس میں نہ صرف مذہب اسلام کے اصول و قوانین درج ہیں بلکہ اخلاق کی تعلیم روزمرہ کے متعلق ہدایات اور قانون ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تصنیف ہے اور سب تورات اور انجیل سے لیا گیا ہے۔ مگر میرا ایمان ہے کہ اگر الہامی

دنیا میں الہام کی کوئی شے ہے۔ اور الہام کا وجود ممکن ہے۔ تو قرآن شریف ضرور الہامی کتاب ہے۔ بلحاظ اصولِ اسلام مسلمانوں کو عیسائیوں پر فوقیت ہے۔

موسیو اوجین کلاقل

قرآن مذہبی عقاید ہی کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ وہ ایک عظیم الشان ملکی اور تمدنی نظام پیش کرتا ہے۔

کونٹ ہنری ڈی کاسٹری

عقل بالکل جبروت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیوں کر ادا ہوا۔ جو بالکل اُمّی ہے۔ تمام مشرق نے اقرار کیا کہ وہ ایسا کلام ہے کہ نوعِ انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے۔ جو تا حال ایک ایسا مہتم بالشّان راز چلا آتا ہے کہ اس طلسم کو توڑنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

ڈاکٹر گبن

قرآن کی نسبت بحرِ آٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ وہ شریعت ہے اور ایسے دانش مندانہ اصول اور عظیمُ الشّان قانونی انداز پر مرتب ہوئی کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

(انحطاط و زوالِ سلطنت روما جلد ۵ باب ۵۰)

★

مسٹر مارماڈیوک پکتھال

وہ قوانین جو قرآن میں درج ہیں اور جو پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سکھائے وہی اخلاقی قوانین کا کام دے سکتے ہیں اور اس کتاب کی سی کوئی اور کتاب صفحۂ عالم پر موجود نہیں ہے۔

الکس لوازون

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو فصیح و بلیغ شریعت کا دستور العمل دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ وہ مقدس کتاب ہے جو اس وقت تمام دنیا کے ہر حصہ میں معتبر اور مسلّم سمجھی جاتی ہے۔ جدید علمی انکشافات میں جن کو ہم نے بزورِ علم حل کیا ہے۔ یا ہنوز وہ زیر تحقیق ہیں، وہ تمام علوم اسلام و قرآن میں سب کچھ پہلے ہی سے پوری طرح موجود ہیں۔

(لائف آف محمد)

موسیو سیدیو

اسلام بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ اسلام کو جو لوگ وحشیانہ مذہب کہتے ہیں۔ وہ غلطی پر ہیں۔ ہم بزورِ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں تمام آداب و اصولِ حکمت و فلسفہ موجود ہیں۔

(خلاصہ تاریخ عرب صفحہ ۵۹ - ۶۳ - ۶۴)

موسیو گاسٹن کار

نامور فرنچ مستشرق کے مضمون کا ترجمہ اسی زمانہ کے مشہور اخبار "البلاغ" ۱۳ صفر ۱۳۳۰ھ نے شائع کیا ہے۔ لکھتے ہیں: اسلام حقیقت میں ایک طرح کا اجتماعی مذہب ہے جس کو دنیا کی ۱/۴ حصہ آبادی نے حق تسلیم کر لیا ہے۔ اس عاقلانہ مذہب کے قانون (قرآن) میں وہ تمام فوائد و مصالح موجود ہیں جن سے زمانہ حال کا تمدن بنا ہے۔ اسلام ہی نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لیے ہر قسم کے ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے۔ اگرچہ کوئی ہم میں سے اعتراف نہ کرے مگر امر واقعہ یہی ہے۔ اور خود ہی سوال کرتا ہے کہ "روئے زمین سے اگر اسلام مٹ گیا، مسلمان نیست و نابود ہو گئے۔ قرآن کی حکومت جاتی رہی، تو کیا دنیا میں امن قائم رہ سکے گا؟ پھر وہ خود ہی جواب دیتا ہے۔ "ہرگز نہیں"۔

نامور جرمن فاضل

مشہور مستشرق جوائیمر دی بولف جرمنی کے رسالہ "دی ہاف" بابت ۱۹۱۲ء میں اسلام اور حفظِ صحت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو حفظِ صحت کے اعتبار سے ساری دنیا کی آسمانی کتابوں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ اسلام نے صفائی، طہارت اور پاکبازی کے صاف و صریح ہدایات نافذ کر کے جراثیم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچایا ہے۔

محقق عمانوئیل ڈی اٹش (اسرائیلی)

کوارٹرلی ریویو جلد ۱۲، نمبر ۴۲ ۵ میں زیر عنوان "اسلام" تحریر فرماتے ہیں۔ "یہی عرب لوگ (قرآن کی مدد سے) یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانے آئے۔ جنھوں نے یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کیا اور مغرب و مشرق کو فلسفہ، طب، ہیئت اور دلچسپ فن سکھانے کے لیے آئے اور علوم جدید کے بانی ہوئے۔

پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ

اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" صفحہ ۲۷۹ و ۲۸۱ میں لکھتے ہیں۔ مدارس میں قرآن کی تعلیم دی جائے تو کچھ کم ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ افریقہ کو ایک یہ بھی فائدہ ہوا کہ بجائے اپنی رائے سے حکومت کرنے کے انتظام سلطنت کے لیے ایک ضابطہ اور دستور العمل مل گیا۔ مسلمانوں کی تاثیر اور طرز اسلام سے افریقہ کے ملک میں اتنے بڑے بڑے شہر قائم ہو گئے کہ یورپ کو اوّلاً ان باتوں کا یقین نہ آیا۔

مسٹر ایچ۔ ایس لیڈر

بعنوان "عربوں کا احسان تمدن پر" اورینٹل سرکل لندن میں فرماتے ہیں: کہ قرآن و حدیث کی تعلیم دینی و دنیوی ترقیوں کا سرچشمہ ہے۔ عرب بحیثیت فاتح قوم، امن و ترقی بخش قوم کی شان اختیار کرنے لگے تو اس کے لیے قرآن و حدیث کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔

مسٹر اے۔ ڈی ماریل

نے ۱۹۱۲ء میں رائل سوکا آف آرٹس میں ایک لیکچر "شمالی نائجیریا" پر دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ قرآن نے نظامِ تہذیب وتمدّن پیدا کیا۔ شائستگی کی روح پھونکی۔ سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود عدالت کے قیام میں (اسلام) بڑا معاون ثابت ہوا ہے۔ جہاں ابھی تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی۔ لوگوں کے فائدے کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ حکومت برطانیہ اس (اسلام) کو قائم رکھ کر اس کو مضبوط اور طاقت ور بنانے کی کوشش کرے۔

جان جاک ویک

مشہور جرمن فلاسفر جس نے مقاماتِ حریری، تاریخ ابوالفداء اور سبعہ معلقہ عربی تصانیف کا لاطینی میں ترجمہ کیا ہے اور ان پر حواشی لکھے ہیں، لکھتا ہے کہ "تھوڑی عربی جاننے والے قرآن کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اگر وہ خوش نصیبی سے کبھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معجزنما قوتِ بیان سے تشریح سنتے تو یقیناً یہ اشخاص بے ساختہ سجدہ میں گر پڑتے۔ اور سب سے پہلی آواز ان کے منہ سے یہ نکلتی۔ کہ پیارے نبی، پیارے رسول خدا ہمارا ہاتھ پکڑ لیجئے اور ہمیں اپنے پیرووں میں شامل کر کے عزت اور شرف دینے میں دریغ نہ فرمایئے۔

لندن کا مشہور ہفتہ وار "نیر السیٹ"

۱۲؍اپریل ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

قرآن کی حسن و خوبی سے جن کو انکار ہے وہ عقل و دانش سے بیگانہ ہے۔

ایک عیسائی فاضل

داؤد آفندی محاعص نے بیروت کے مسیحی اخبار "الوطن" ۱۹۱۱ء میں "دنیا کا سب سے بڑا ہیرو کون ہے" پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

جب کوئی مسلمان قرآن وحدیث کا یکسوئی سے مطالعہ کرے یا اس پر تدبّر کی نظر ڈالے، تو ان میں دین و دنیا کے فلاح و بہبودی کے تمام اسباب پائے گا۔

مشہور مسیحی پادری

ڈین وسینٹی نے "مشرقی کلیسا" کے صفحہ ۲۷۹ پر لکھتا ہے:

"قرآن کا قانون بلے شبہ بائیبل کے قانون سے زیادہ موثر ثابت ہوا ہے۔"

مسٹر رچرڈسن

نے قانونِ ازالۂ غلامی انڈیا کونسل میں پیش کرتے وقت ۱۸۱۰ء میں فرمایا:

غلامی کی مکروہ رسم کے اٹھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہندو شاستر کو

قرآن سے بدل دیا جائے۔

کرنل انگرسال

امریکہ کے ایک مشہور دہریہ ہیں جن کو اسلام اور عیسائیت تو کجا دنیا کے کسی مذہب سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس فہرست میں ان کو خاص طور پر شریک کیا جاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"ہندسے کا رواج، الجبرا، علم المثلثات کے گر، علم پیمائش، ستاروں کے نقشے، زمین کا حجم، اعوجاج طریق شمس، سال کی صحیح مدت، آلاتِ ہیئت وغیرہ، مختلف قسم کے کلاک، علم الکیمیا، علم المائعات، علم المناظر وغیرہ جنہوں نے اس قدر ایجادات اور اختراعات کیں۔ اور علوم و فنون کو اسی قدر نشو و نما دی۔ وہ عیسائی نہ تھے۔ ہم کو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ موجودہ سائنس کا سنگِ بنیاد پیروانِ اسلام ہی کو رکھنے کا فخر حاصل ہے جو کسی مفید کام کے لیے عیسائیت یا کلیسا کے منت پذیر نہیں ہیں۔"

ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ

کے مصنف اور مشہور مستشرق جناب ایس۔ پی اسکاٹ لکھتے ہیں:

"ہم اس غیر معمولی مذہب (اسلام) کی سرعت، ترقی اور اس کے دوامی اثرات کی قدر کریں کہ جو ہر جگہ امن و امان، دولت و حشمت، فرح و سرور اپنے ساتھ لے گیا۔"

مشہور فرانسیسی مؤرّخ والٹر

تہذیبِ اسلام پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے :

" پادریو! راہبو! اور مجاورو! اگر تم کو ماہِ جولائی میں (جبکہ رمضان المبارک کا مہینہ اس مہینہ میں آئے) ـــــــ وقت مقررہ تک آپ پر کھانے پینے کی ممانعت کا قانون عائد کر دیا جائے۔ کسی قسم کی جوُا بازی ہو سب سے منع کر دیا جائے۔ شراب حرام کر دی جائے۔ تپتے ہوئے صحراؤں سے گزر کر حج کو جانے کے لیے کہا جائے۔ اپنی آمدنی کا ۲½ فی صد محتاجوں میں تقسیم کر دیں۔ اگر آپ اٹھارہ عورتوں کی رفاقت کا لطف اٹھاتے ہوں اور ان میں سے ۱۴ ایک لخت کم کر دی جائیں۔ تو کیا آپ ایمانداری سے یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ایسا مذہب عیش پرست ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل اور بے عقل ہوں گے جو مذہب اسلام پر اتہامات و الزام عائد کرتے ہیں۔

بلبلِ ہند مسز سروجنی نائیڈو

ان سے کون ناواقف ہے۔ مسجد ووکنگ میں جماعت مسلمین کے رُو برو ۲۸، دسمبر ۱۹۱۹ء میں تقریر کرتے ہوئے کہا :

" قرآن کریم غیر مسلموں سے رواداری کا برتاؤ سکھاتا ہے۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کم و بیش ایثار علی النفس کی

تعلیم دیتے ہیں مگر اسلام اس باب میں سب سے آگے ہے نبی نوع انسان کی خدمت تعلیمِ اسلام کا سرمایہ ناز ہے، اسی لیے اسلام نے تمام عالمگیر اخوت کا اصول دنیا کے رُوبرو پیش کیا ہے ۔ دنیا اس اصول کی پیروی کرنے سے خوشحال ہوسکتی ہے ؟"

(از اسلامک ریویو جنوری ۱۹۲۰ء)

مہاتما گاندھی

اپنے مضمون میں جو (خدا ایک ہے) کے موضوع سے آپ ہی کے اخبار "ینگ انڈیا" میں شائع ہوا ۔ فرماتے ہیں کہ مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر تامل نہیں ہے ۔ ہندو مسلم اتحاد اور موپلوں کے بلوہ پر گاندھی جی نے ایک مضمون اپنے اخبار میں لکھا ۔ کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام زندگی کے واقعات، مذہب میں کسی سختی کو روا رکھنے کی مخالفت سے لبریز ہیں ۔ جہاں تک مجھ کو علم ہے کسی مسلمان نے آج تک زبردستی مسلمان بنانے کو پسند نہیں کیا ۔ اسلام اگر اپنی اشاعت کے لیے قوت اور زبردستی کو استعمال کرے گا تو تمام دنیا کا مذہب باقی نہ رہ جائے گا ۔ یہ ہے وہ اسلام ۔

ف : آج کل جو لوگ محض ضد اور اندھی تقلید اور زعم باطل کی وجہ سے انصاف سے ہٹ کر مقدس برگزیدہ اسلام پر جا بجا الزام تراشتے ہیں ۔ ان کو چاہیئے کہ میدانِ علم میں آنکھ کھولیں اور دیکھیں کہ مشاہیر عالم کے

آراء کیا ہیں۔

"قرآن مجید کے معجزانہ کلام نے میرا دل جیت لیا"

میں کئی سال تک فرانس میں رہا۔ اور اپنے ملنے والوں سے ایک فرنچ ڈاکٹر کی تعریف و توصیف سنتے سنتے اُکتا گیا۔ کوئی کہتا تھا ڈاکٹر فرشتہ ہے۔ کوئی کہتا ڈاکٹر سچائی کی مورت ہے۔ کوئی کہتا ڈاکٹر کی انسانیت اپنا جواب نہیں رکھتی، شرافت۔ راست بازی، روشن خیالی، عالی ظرفی، اخلاص مندی، کریم النفسی، مہمان نوازی۔ غرضیکہ کوئی بھی انسانی وصف ایسا نہ تھا جس سے میرے ملاقاتی اسے نسبت نہ دیتے ہوں۔ میں نے سمجھا کہ بیماروں پر اس کی شفقت عام ہو گی۔ مگر تعجب یہ ہے کہ بیماروں سے بڑھ کر تندرست اس کی مدّاحی کے مرض کا شکار تھے۔

ڈاکٹر کی ہردلعزیزی

ڈاکٹر کا نام غریذیہ تھا۔ یہ فرانسیسی پارلیمنٹ کا ممبر بھی تھا۔ یہ اس کی ہردلعزیزی کا دوسرا ثبوت ہے۔ اس لیے کہ آزاد ممالک میں پارلیمنٹ کی ممبری اور قوم کی ترجمانی ایک ایسا اعزاز ہے جو وہاں ممتاز اور منتخب اشخاص ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے متعلق لوگوں نے بیان کیا کہ ڈاکٹر کی نیک دلی اور صاف باطنی اس اعزاز سے اس قدر زیادہ بلند ہے جس قدر زمین سے آسمان۔ وہ حمایتِ حق اور خدمتِ خلق کے خیال سے پارلیمنٹ میں داخل ہوا تھا لیکن اس نے وہاں دیکھا کہ وہاں تمام لوگ عدل و انصاف کی بے حرمتی کر رہے ہیں۔ حق و صدق ذبح کیا جا رہا ہے۔

غریب کا گوشت بک رہا ہے ۔مظلوموں کا خون ارزاں ہے ۔ امن و آزادی کے نام سے غلامی اور فساد کی کیفیت بوئے جا رہے ہیں۔ انسانیت پارلیمنٹ ہال میں حق و عدل کی موت پر ماتم کر رہی ہے ۔لیکن کوئی نہیں جو اس کی فریاد و زاری پر رحم کھائے ۔نیک دل ڈاکٹر یہ بات دیکھ کر مبہوت رہ گیا ۔ وہ پارلیمنٹ کو ترقی عقل اور آزادی فکر کی بہشت سمجھ کر داخل ہوا تھا ۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ یہاں خوشگوار اور دلفریب تقریروں کے پردوں میں جنگ و جدل ، نفرت و فساد اور حرص و ہوا کے جہنم بھڑک رہے ہیں ۔ وہ نہایت ہی بے صبری کے ساتھ اپنی کرسی سے اٹھا ۔ اس نے پارلیمنٹ کی عظمت کی پروا نہ کی ۔ اس نے ان تمام چیزوں کو اور ساتھ ہی اپنے حال کی عزت کو اور مستقبل کی شہرت کو بے پرواہی سے الگ پھینک دیا اور پارلیمنٹ سے کنارہ کش ہو گیا ۔ صرف پارلیمنٹ سے نہیں بلکہ پیرس سے بھی کنارہ کش ہو گیا اور رونق و عزت کے اس جہنم سے قطع تعلق کر کے فرانس کے ایک چھوٹے سے پرسکون گاؤں میں اقامت اختیار کر لی ۔ اور خلق خدا کی خدمت میں مصروف ہو گیا ۔

محمود بے مصری نے فرمایا :

جب مجھے ان حالات کا علم ہوا اور ساتھ ہی یہ معلوم ہوا کہ فرانس کا یہ عظیم الشان انسان اسلام قبول کر چکا ہے تو میں نے آرزو کی کہ اس یگانۂ روز ڈاکٹر سے ضرور ملنا چاہیئے اور کم سے کم قبولِ اسلام کا سبب دریافت کرنا چاہیئے ۔

جوشِ ملاقات نے میرے قدموں کو حرکت دی ۔ میں پیرس سے نکلا ۔ اور اس بستی کا رُخ کیا ۔ جہاں یہ ممتاز ترین انسان عزت گزین تھا ۔ میں بستی میں داخل ہوا اور ڈاکٹر عزیفیہ کے متعلق لوگوں سے دریافت کرنے لگا ۔ میں جس

شخص سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھتا، وہ نہایت ہی پُرمسرت اور گرم جوشی سے میرے سوالات کا جواب دیتا۔ شہر کے تمام باشندے ڈاکٹر کے مدّاح تھے۔ مجھے معلوم ہوا کہ شہر کی تمام آبادی کو ڈاکٹر کی احسان مندیوں نے جھکا دیا ہے۔ شہر میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس سے ڈاکٹر نے عزت، شرافت اور مروّت کا سلوک نہ کیا ہو۔ وہ بچّوں کے لیے سرلبسر محبّت و شفقت، فقیروں اور غریبوں کے لیے عزّت و مسرّت کا پیغام تھا۔ یتیم بچّوں اور بیوہ عورتوں کے لیے حفاظت کا سرمایہ تھا۔ اگرچہ شہر کی دیواروں پر اس کے نام کے اشتہار چسپاں نہ تھے۔ لیکن میں نے دیکھا کہ ہر پیشانی پر اس کی عزت کا سائن بورڈ آویزاں ہے اور خلقِ خدا کے قلوب کو اس کے خلوص و احسان کی گراں باریوں نے کمان کی طرح جُھکا رکھا ہے۔

میں بہت جلد ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ اس کی پیشانی پر محبت اور خوش اخلاقی کے معصوم ستارے چمک رہے تھے۔ وہ مجھے بڑی گرم جوشی سے ملا۔ ایسی گرم جوشی سے جس سے اخوتِ اسلامیہ کا نام زندہ ہے۔ وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکا تو میں نے پوچھا:

ڈاکٹر صاحب! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

ڈاکٹر غرینیہ نے جواب دیا "قرآن پاک کی صرف ایک آیت"۔ یہ کہا اور خاموش ہو گیا۔

تو کیا آپ نے کسی مسلمان عالم سے قرآن پڑھا۔ اور اس کی ایک آیت نے آپ پر اثر کیا؟ میں نے پوچھا۔

نہیں! میں نے کسی مسلمان سے اب تک ملاقات نہیں کی۔ ڈاکٹر نے جواب دیا۔

پھر قرآن کی کوئی تفسیر پڑھی۔ میں نے سوال کیا۔

تفسیر بھی نہیں پڑھی۔ ڈاکٹر نے جواب دیا۔

تو پھر یہ واقعہ کیونکر گزرا۔

"ڈاکٹر نے جواب دیا" میری جوانی سمندروں میں گزری ہے۔ مجھے سمندر کے نظاروں اور بحری سفروں کا اس قدر شوق دامنگیر تھا کہ گویا میں ایک آبی مخلوق ہوں۔ میں اپنے رات اور دن پانی اور آسمان کے درمیان بسر کرتا تھا۔ اور اس قدر مسرور تھا کہ میری زندگی کا مقصد ہی یہ ہے۔ انہی ایام میں قرآنِ پاک کے فرانسیسی ترجمہ کا ایک نسخہ جو موسیو ساواری کے قلم سے تھا مجھے دستیاب ہوا۔ میں نے اسے کھولا۔ تو سورۂ نور کی ایک آیت میرے سامنے تھی۔ جس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔ میں نے اسی آیت کو نہایت ہی دلچسپی سے پڑھا۔ اس آیت میں کسی گمراہ شخص کی حالت کے متعلق ایک نہایت ہی عجیب تمثیل بیان کی گئی تھی۔ آیت میں لکھا تھا کہ گمراہ شخص حالتِ انکار میں اس طرح دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ جیسے ایک شخص اندھیری رات میں جبکہ بادل بھی چھائے ہوئے ہوں سمندر کی لہروں کے نیچے ہاتھ پاؤں مارتا ہو۔

ڈاکٹر غرینیہ نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا کہ اس کا دل تمثیل کی عزت سے لبریز تھا۔ اور اس کے اندازِ بیان سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کے نزدیک اس تمثیل کی عمدگی اور دل نشینی صداقتِ اسلام کی ایک بہت ہی کافی دلیل ہے۔

لیکن ڈاکٹر کے بیان سے میرا دل مطمئن نہ تھا۔ میں نے پوچھا، ڈاکٹر صاحب اس کے بعد کیا واقعہ پیش آیا۔ ڈاکٹر نے جواب دیا آیت یہ تھی: "ان کی مثال بڑے گہرے سمندر کے اندرونی اندھیروں کی سی ہے۔ اس طرح کہ سمندر کو لہر نے ڈھانپا ہے۔ لہر کے اوپر لہر ہے، اس کے اوپر بادل ہے۔ یعنی اندھیرے پر اندھیرا۔ اس حال

میں ایک شخص تہہ دریا میں اپنا ہاتھ نکالے تو توقع نہیں کہ اس کو دیکھ ے جس کو خدا نور نہ دے اس کے لیے کوئی روشنی نہیں ۔

جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میرا دل تمثیل کی عمدگی اور انداز بیان کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا ۔ اور میں نے خیال کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور ایسے شخص ہوں گے جن کے رات اور دن میری طرح سمندر میں گزرے ہوں گے ۔ لیکن اس خیال کے باوجود بھی مجھے حیرت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کمال کا اعتراف تھا کہ انہوں نے گمراہوں کی آوارگی اور ان کی جدّوجہد کی بے حاصلی کو کیسے مختصر الفاظ میں بیان کیا ہے ۔ گویا کہ وہ خود رات کی سیاہی، بادلوں کی تاریکی اور موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی بے حواسی کو دیکھ رہے ہیں ۔ میں سمجھتا ہوں کہ سمندری خطرات کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اس طرح گنتی کے لفظوں میں ایسی جامعیت کے ساتھ دریا کی صحیح کیفیت بیان نہیں کر سکتا ۔

لیکن اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) محض اُمّی تھے ۔ انہوں نے زندگی بھر کبھی سمندر کا سفر نہیں کیا ۔ اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہو گیا ۔ میں نے سمجھا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز نہیں ۔ بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی کو دیکھ رہا ہوتا ہے ۔ میں نے قرآن کو ایک ہاتھ میں لیا، اور ان آیتوں پر بڑی احتیاط سے غور کرنے لگا ۔ اور چند دنوں میں مسلمان ہو گیا ۔

قرآن ایک الہامی کتاب ہے

عنقریب ہم آفاق والنفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہ حق ہے (القرآن)

یہاں میں ایک واقعہ نقل کروں گا جس کے راوی علامہ عنایت اللہ المشرقی ہیں اور اس کا تعلق انگلستان سے ہے۔

" ۱۹۰۹ء کا ذکر ہے، اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام سے باہر نکلا تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہر فلکیات سر جیمز جینس (SIR JAMES GAANS) پر نظر پڑی جو بغل میں انجیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے۔ اور کہنے لگے، تم کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا دو باتیں۔ اوّل یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھاتا بغل میں داب رکھا ہے۔ سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے، اور چھاتا تان لیا۔ دوم یہ کہ آپ جیسا شہرۂ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لیے جا رہا ہے یہ کیا؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمز لمحہ بھر کے لیے رک گئے۔ اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا " آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو"۔ چنانچہ شام کو میں ان کی رہائش گاہ پہنچا۔ ٹھیک چار بجے لیڈی جیمز باہر آ کر کہنے لگیں " سر جیمز تمہارے منتظر ہیں"۔ اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ پروفیسر صاحب تصورات میں کھوئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے " تمہارا سوال کیا تھا" اور میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اجرام آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز

نظام، بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں۔ کہ میرا دل اللہ کی اس داستانِ کبریا و جبروت پر وجد میں آنے لگا۔ اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے۔ آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے۔ "عنایت اللہ خاں! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے۔ اور جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں "تو بہت بڑا ہے"۔ تو میری ہستی کا ہر ذرّہ میرا ہم نوا بن جاتا ہے۔ مجھے بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے۔ کہو عنایت اللہ خاں! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں گرجے کیوں جاتا ہوں؟"

علامہ مشرقی فرماتے ہیں کہ پروفیسر جینز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کہرام پیدا کر دیا۔ میں نے کہا جنابِ والا! میں آپ کی روح افروز تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی ایک آیت یاد آ گئی ہے اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔ فرمایا ضرور۔ چنانچہ میں نے حسبِ ذیل یہ آیت پڑھی:

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۞ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ	پہاڑوں میں خطے ہیں، سفید اور سرخ اور طرح طرح کے رنگ کے اور کالے اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپایوں میں۔

مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ کَذٰلِکَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُاؕ (فاطر : ۲۸)

اسی طرح مختلف رنگ ہیں۔ اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں سے۔ جو علم رکھتے ہیں۔

آیت سنتے ہی پروفیسر جیمز بولے :

"کیا کہا۔ اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں۔ حیرت انگیز، بہت عجیب، یہ بات جو مجھے پچاس برس کے مسلسل مطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمدؐ کو کس نے بتائی۔ کیا قرآن میں واقعی یہ آیت موجود ہے۔ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ "قرآن ایک الہامی ہے"۔ محمدؐ ان پڑھ تھے، ان میں یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی۔ انہیں یقیناً اللہ نے بتائی تھی۔ بہت خوب، بہت عجیب ..."

(علم جدید کا چیلنج صفحہ ۲۲۸ بحوالہ نقوش شخصیات نمبر)

تحریف سے پاک

کوئی جزو، کوئی فقرہ، کوئی لفظ (قرآن مجید میں) ایسا نہیں جسے جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا جو اس مسلّم مجموعہ میں داخل کر دیا گیا ہو۔ جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک ہو۔

(ولیم میور)

قرآن ایک معجزہ ہے

(جناب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوٰے ہے کہ قرآن مستقل اور دائمی معجزہ ہے۔ اور میں مانتا ہوں یہ ایک معجزہ ہے

(مسٹر بوسورتھ اسمتھ)

وحدانیت کا گواہ

قرآن وحدانیت کا بڑا گواہ ہے۔ ایک موحد فلسفی اگر کوئی مذہب قبول کر سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ غرض سارے جہان میں قرآن کی نظیر نہیں مل سکتی۔

(ڈاکٹر گبن)

قرآنی قانون

قرآنی قانون ایک تاجدار سے لے کر ادنیٰ ترین افراد رعایا تک کو حاوی ہے۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو ایک معقول ترین علم فقہ پر مشتمل ہے۔ جس کی نظیر اس سے پیشتر دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

(بابو بپن چندر پال)

سب سے اعلیٰ ہستی

قرآن نے فطرت اور کائنات کی دلیلوں سے خدا کو سب سے اعلیٰ ہستی ثابت کیا اور انسانوں کو خدا کی اطاعت اور شکر گزاری پر جھکایا۔

(سر ولیم میور)

پُر زور ایمانی جوش

قرآن دلوں میں ایسا زندہ اور پُر زور ایمانی جوش پیدا کر دیتا ہے کہ پھر کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ (ذکری مصری صفحہ ۴۷)

(ڈاکٹر گستاولی بان فرانسیسی)

دختر کشی کا خاتمہ

قرآن کے اثرات سے عربی زبان تمام اسلامی دنیا کی متبرک زبان بن گئی۔ اور قرآن نے دختر کشی کا خاتمہ کر دیا۔

(پروفیسر اینلڈ اے نکلسن)

مفہوم ومعانئ قرآن

جوں جوں قرآن پر غور کرتا ہوں اور اس کے مفہوم ومعانی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں، میرے دل میں اس کی قدر ومنزلت زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

(پروفیسر اڈورڈ جی براؤن ایم۔اے)

قرآن کی تعلیم

مدارس میں قرآن کی تعلیم دی جائے تو کچھ کم ترقی کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ افریقہ کو ایک یہ بھی فائدہ ہؤا کہ بجائے اپنی رائے سے حکومت کرنے کے انتظام سلطنت کے لیے ایک ضابطہ اور دستورالعمل مل گیا۔

مسلمانوں کی تاثیر اور طرزِ اسلام سے افریقہ کے ملک میں اتنے بڑے بڑے شہر قائم ہو گئے کہ یورپ کو اوّلاً ان باتوں کا یقین نہ آیا۔

(پریچنگ آف اسلام صفحہ ۲۷۹-۲۸۱) (پروفیسر ٹی۔ڈبلیو آرنلڈ)

ہمارا ہی قصور ہے

قرآن کے مطالب ایسے مناسب وقت اور عام فہم ہیں کہ دنیا ان کو آسانی سے قبول کر سکتی ہے۔ پر افسوس! ہمارا ہی قصور ہے۔ کہ ہم کو دیکھ کر دنیا اس سے نفرت کرتی ہے۔ (ڈاکٹر جانسن)

فلسفہ و حکمت

تعلیم قرآن سے فلسفہ و حکمت کا ظہور ہؤا اور ایسی ترقی کی کہ اپنے عہد کی بڑی بڑی یورپین سلطنت کی تعلیم حکمت سے بڑھ گیا۔

(مسٹر ایس لیڈر)

غریب آدمی کا دوست

قرآن غریب آدمی کا دوست اور غم خوار ہے۔ بڑے آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہے۔ (گاڈفری ہڈگسن)

قرآن کی تعلیم

قرآن کی تعلیم بہترین ہے اور انسانی دماغوں پر نقش ہو جاتی ہے۔

(میجر لیونارڈ)

قرآن کا طرزِ تحریر

قرآن کا طرزِ تحریر دِل آویز ہے، روان ہے اور مختصر اور جامع ہے۔ خدا کا ذکر شاندار طریقہ سے کرتا ہے۔ (ڈاکٹر چارٹن)

مؤاخات ۔ بھائی چارہ

قرآن نے مسلمانوں کو ایسی مؤاخات کے بندھن میں باندھ رکھا ہے جو نسل اور زبانوں کے فرق کے پابند نہیں ہے۔ (ایچ۔جی ویلز)

نمایاں اثر

قرآن نے بے حد و شمار انسانوں کے اعتقاد اور چال چلن پر نمایاں اثر ڈالا ہے۔ (اور سائنس کی دنیا نے قرآن کی ضرورت کو اور واضح کر دیا)۔
(مسٹر جے ٹی پٹانی)

امن اور سلامتی کا مذہب

قرآن کا مذہب امن اور سلامتی کا مذہب ہے۔
(پادری والرشن ۔ ڈی ۔ ڈی)

خلوص اور سچائی کا وصف

میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ (پروفیسر کارلائل)

مسلمانوں کا مشترکہ قانون

قرآن مسلمانوں کا مشترکہ قانون ہے۔ معاشرتی، ملکی، تجارتی، فوجی، عدالتی، تعزیری سب ہی معاملات اس میں ہیں۔ باوجود اس کے یہ ایک مذہبی کتاب ہے۔ اس نے ہر چیز کو باقاعدہ بنایا۔ (ڈیون چارٹ)

عقائد و اخلاق کا مکمل ضابطہ

قرآن میں عقائد و اخلاق کا مکمل ضابطہ و قانون موجود ہے۔ وسیع جمہوریت، رشد و ہدایت، انصاف و عدالت، فوجی تنظیم و تربیت، مالیات اور غرباء کی حمایت و ترقی کے اعلیٰ آئین موجود ہیں۔ اور ان سب باتوں کی بنیاد ذاتِ باری کے اعتقاد پر رکھی گئی ہے۔ (مسٹر لٹف کرہل)

قرآن اور مسئلہ توحید

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذہب تمام کا تمام ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جو معقولیت کے امور مسلّمہ پر مبنی ہے۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس میں مسئلہ "توحید" ایسی پاکیزگی اور جلال و جبروت کمال تیقن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

(اشاعت مذہب عیسوی اور اس کے مخالف مسلمان صفحہ ۱۷۰۱-۱۸ مطبوعہ پیرس ۱۸۹۰ء)
(پروفیسر اڈ وائر مونتے)

قرآن، رسالت کی دلیل

عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر رواں ہوا۔ جو بالکل اُمّی تھے۔ تمام شرق نے اقرار کیا کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوعِ انسانی لفظاً و معناً ہر لحاظ سے نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کو اپنی رسالت کی دلیل کے طور پر لائے۔ جو تا حال ایک ایسا مہتم بالشان راز چلا آتا ہے کہ اس طلسم کو توڑنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

(کتاب (اسلام) مترجم احمد متحی بلجی زاغلول مطبوعہ ۱۸۹۸ء)

(کونٹ ہنری دی کاسٹری)

قرآن، ایک مقدّس کتاب

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو فصاحت و بلاغت، شریعت کا دستور العمل دنیا کے سامنے پیش کیا یہ وہ مقدّس کتاب قرآن ہے۔ جو اس وقت تمام دنیا کے ۱/۴ حصہ میں معتبر اور مسلّم سمجھی جاتی ہے۔ جدید علمی انکشافات میں جن کو ہم نے بزورِ علم حل کیا یا ہنوز وہ زیرِ تحقیق ہیں وہ تمام علوم اسلام و قرآن میں سب کچھ پہلے ہی سے پوری طرح موجود ہیں۔

(کتاب لائف آف محمدؐ)

(الکسن لوازون)

زبردست اثر والی کتاب

جس قدر ہم اس (کتاب) کے قریب پہنچتے ہیں یعنی اس پر زیادہ غور کرتے ہیں وہ اسی قدر دُور کھینچی جاتی ہے۔ یعنی زیادہ اعلےٰ معلوم ہوتی ہے وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے۔ پھر متعجب کرتی ہے۔ فرحت آمیز تحیّر میں ڈال دیتی ہے اور آخرکار اپنا احترام کروا کے چھوڑتی ہے۔ اس طرح یہ کتاب تمام نظروں میں ہمیشہ زبردست اثر ڈالتی ہے۔ (گوئٹے)

زود اثر والی کتاب

جتنا بھی ہم اس کتاب (قرآن) کو الٹ پلٹ کر کے دیکھیں۔ اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جاتی ہے، لیکن فوراً ہی ہمیں مسخّر کر لیتی ہے، متحیّر بنا دیتی ہے اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کے چھوڑتی ہے۔ اس کا طرزِ بیان باعتبار، اس کے مضامین و اغراض کے عفیف، عالی شان اور تہدید آمیز ہے۔ یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا زود اثر دکھاتی رہے گی۔ (مسٹر روڈول)

حفظانِ صحت کی تعلیم دینے والی کتاب

قرآن نے صفائی، طہارت، حفظانِ صحت کی ایسی تعلیم دی کہ اگر ان پر عمل

کیا جائے تو بیماریوں کے کیڑے سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔

(ایکم۔ دی بولف۔ جرمنی) در رسالہ دی ہاٹف ۱۹۱۲ء جرمن)

قرآن کا قانون

قرآن کا قانون بلاشبہ بائیبل کے قانون سے زیادہ موثر ثابت ہوا ہے۔ (مشرقی کلیسا صفحہ ۲۷۹) (ڈین سٹینلی عیسائی)

قرآن اور ہندو شاستر

غلامی کی مکروہ رسم کے اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ ہندو شاستر قرآن سے بدل دیا جائے۔ (مسٹر رچرڈسن)

قرآن، اور یورپ

قرآن شریف اس بات کا مستحق ہے کہ یورپ کے گوشہ گوشہ میں پڑھا جاوے۔ (مسٹر اڈورڈ ولیی سن ر اس سی آئی اے)

قوانینِ قرآن

وہ قوانین جو قرآن میں درج ہیں اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

نے سکھائے وہی اخلاقی قوانین کا کام دے سکتے ہیں اور اس کتاب کی سی کوئی اور کتاب صفحۂ عالم پر موجود نہیں ہے ــــ لندن ذیل موضوع پر تقریر کی گئی۔

(مسٹر مارماڈیوک پکتھال) (دا اسلام اینڈ ماڈرن ازم)

قرآن کی روشنی

قرآن کی روشنی اس وقت یورپ میں نمودار ہوئی جب تاریکی محیط ہو رہی تھی۔ اور اس سے یونان کی مُردہ عقل اور علم کو زندگی مل گئی۔ (محقق عالم ڈی اُمش)

(کواٹری ریویو ج ص ۱۲۷ - ۲۵۴ ۔عنوان اسلام)

قرآن اور اجتماعی زندگی

قرآن مذہبی قواعد اور احکام ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اسمیں اجتماعی (سوشل) احکام بھی ہیں۔ جو انسان کی زندگی کے لیے ہر حالت میں مفید ہیں۔

(موواد جین ۔ کلافل ،فرانسیسی) (ایک مضمون ۱۹۰۱ء)

قرآن ایک معجزہ

قرآن کریم بے شک عربی کی سب سے بہتر اور سب سے مستند کتاب ہے۔ کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب نہیں لکھ سکتا۔ اور یہ مُردوں کو زندہ کرنے سے بڑھا ہوا معجزہ ہے۔ (جارج سیل)

قرآن اور اصولِ فطرت

قرآن نے مسلمانوں کو جنگ آرائی بھی سکھائی اور ہمدردی وخیرات وفیاضی بھی۔ قرآن نے وہ اصولِ فطرت پیش کیے کہ سائنس کی بڑھتی ہوئی ترقیاں اس کو شکست نہیں دے سکتیں۔ (مسٹر ارنلڈ وہایٹ)

قرآن کی تعلیم

قرآن کی تعلیم نے بُت پرستی مٹائی۔ جنّات اور مادیات کا شرک مٹایا۔ اللہ کی عبادت قائم کی۔ بچوں کے قتل کی رسم نیست ونابود کردی۔

(ریورنڈ جی ایم راڈویل)

قرآن کی سب سے بڑی تعریف

قرآن کی سب سے بڑی تعریف اس کی فصاحت وبلاغت ہے۔ مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ اس کی فصاحت اور بلاغت کے آگے سارے جہان کے بڑے بڑے انشاء پرداز وشاعر سر جھکا دیتے ہیں۔ روم کے عیسائیوں کو جو کہ ضلالت کی خندق میں گرے پڑے تھے کوئی چیز نہیں نکال سکتی تھی۔ بجز اس آواز کے جو غارِ حرا سے نکلی۔ (ڈاکٹر موریس فرانسیسی)

قرآن کی عظمت

اگر ہم قرآن کی عظمت اور فضیلت اور حسن و خوبی سے انکار کریں تو ہم عقل و دانش سے بیگانہ ہوں گے۔

(ریز الیسٹ ہفت روزہ لندن ۱۳۔اپریل ۱۹۲۲ء)

قرآن کی سب سے بڑی خوبی

قرآن نے ظلم، جھوٹ، غرور، انتقام، غیبت، طمع، فضول خرچی، حرام کاری، خیانت اور بدگمانی کی بہت سخت بُرائی کی ہے اور یہ اس کی بڑی خوبی ہے۔

قرآن مطابق حکمت و فطرت

قرآن کے احکام اس قدر مطابق عقل و حکمت فطرت ہیں کہ اگر انسان انہیں چشم بصیرت سے دیکھے تو وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

(پاپولر انسائیکلو پیڈیا)

قرآنی قانون

اسلامی (قرآنی) قانون ایک تاجدار سے لے کر ادنیٰ ترین افراد رعایا تک کو

حاوی ہے ۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو کہ معقول ترین علمِ فقہ پر مشتمل ہے ۔ جس کی نظر اس سے پیشتر دنیا پیش نہیں کر سکتی ۔ (راڈمنڈ برک ہندو فاضل)

قرآن اور ذات پات

قرآن کی تعلیم میں ہندوؤں کی طرح ذات پات کا امتیاز موجود نہیں ہے، نہ کسی کو محض خاندانی اور مالی عظمت کی بنا پر بڑا سمجھا جاتا ہے ۔

(بابو بپن چندر پال)

قرآن کی تعلیم کا اثر

تیرہ سو برس کے بعد بھی قرآن کی تعلیم کا یہ اثر موجود ہے کہ ایک خاکروب بھی مسلمان ہونے کے بعد بڑے بڑے خاندانی مسلمان کی برابری کا دعوےٰ کر سکتا ہے ۔ (بابو بھوپندر ناتھ باسو)

قرآن الہامی کتاب

مجھے قرآن کو الہامی کتاب تسلیم کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہے ۔

(مہاتما گاندھی)

قرآن اور رواداری

قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ دنیا اس کی پیروی سے خوشحال ہو سکتی ہے۔

(مسز سروجنی نائیڈو)

سچّی کتاب

توریت، زبور، انجیل اور وید وغیرہ سب کو پڑھ کر دیکھ لیا۔ قرآن شریف ہی قابلِ قبول اور اطمینان قلب کی کتاب نظر آئی۔ اگر سچ پوچھو تو سچّی اور ایمان کی کتاب جس کی تلاوت سے دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ قرآن شریف ہی ہے۔

(بابا نانک)

قرآن، اندھیرے میں روشنی

عرب قوم کے لیے یہ اندھیرے سے روشنی میں جنم لینے کا موجب بنی۔ اس کے وسیلہ سے ملک عرب پہلی بار زندہ ہوگیا۔ ایک غریب گڈریا قوم کے لیے جو دنیا کی پیدائش کے وقت سے لے کر تا ہنوز اپنے صحراؤں میں بغیر کسی شخص کی توجہ کے گھومتی پھرتی تھی۔ ایک بہادر پیغمبر بھیجا گیا۔ ایک ایسے لفظ (پیغام) کے ساتھ جو قابلِ تسلیم تھا۔ دیکھیے۔ وہ جسے کوئی دیکھتا بھی نہ تھا۔ اب تمام دنیا میں قابل توجہ ہوگیا۔ ایک چھوٹی سی ہستی دنیا بھر میں عظیم ہوگئی۔ ایک صدی گزرنے کے بعد وہ خطہ گنڈولہ بن گیا۔ جس کے ایک طرف عرب تھا اور دوسری جانب دہلی تھا۔[1] (کارلائل)

قرآن، سائنس اور سیاسی دستاویزات کی کتاب

قرآن کی کتاب محض مذہب کا دل اور خدائی حکومت کا راستہ دکھانے والی کتاب ہی نہیں بلکہ یہ سائنس اور سیاسی دستاویزات کا کتابچہ ہے۔ جس میں زمین پر خدائی حکومت کے لیے قوانین درج ہیں۔[2] (پروفیسر پی۔ کے ہیٹی)

قرآن اور پند و نصائح

قرآن میں اخلاق کے متعلق بہترین پند و نصائح دی گئی ہیں۔ اس کے مضامین

---

[1] تھومس کارلائل ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ [2] عربوں کی مختصر تاریخ مصنفہ پی کے ہیٹی ص۳۳

اس قدر بھرے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص اس کے کسی صفحے کو ایسے اصولوں سے خالی نہیں پاتا جو تمام لوگوں کے نزدیک مستحسن ہیں۔ (مسٹر جے۔ ولیم ڈریپر)

قرآن، قابلِ احترام کتاب

اس میں (قرآن شریف میں) بہت سے مضامین قابلِ احترام اور گہری اخلاقی سنجیدگی کے حامل پائے جاتے ہیں۔ جن میں کثیر المعانی اور پُر مغز الہامی دانائی پائی جاتی ہے۔ اس نے ثابت کر رکھا ہے کہ اس میں ایسے ایسے مواد (مضامین) پائے جاتے ہیں جن کے بل بوتے پر مضبوط اور فاتح حکومتیں بنائی جا سکتی ہیں۔ [۱]

(مسٹر ریونیو جے۔ ایم روڈویل)

قرآن، ایک اخلاقی و قانونی ضابطہ

جیسی کہ حقیقت ہے یسوع مسیح کا کام نامکمل حالت میں چھوڑا گیا تھا۔ انجیل کا نزول کسی اور استاد کے لیے ہوا۔ جو اس کے اخلاقی قوانین کو ترتیب دے۔ قرآن شریف روحانی مشغول اور اعمال کی کتاب ہونے کے علاوہ اخلاقی اور قانونی ضابطہ کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہے۔ [۲] (پروفیسر ہٹن سمتھ)

---

[۱] قرآن مصنفہ روڈویل صفحہ ۱۵

[۲] قرآن مصنفہ روڈویل صفحہ ۱۵

قرآن کا منصفانہ قانون

یاد رکھیے۔ اسلام کا قانون (جیسا کہ قرآن میں لکھا گیا ہے) موجودہ زمانہ تک جب کہ اس کے اجزاء پر انگلینڈ میں بھی عملدرآمد شروع ہو گیا ہے اسے سب سے زیادہ منصفانہ قانون جہاں تک عورت کا تعلق ہے دنیا میں تسلیم کیا جا چکا ہے اس قانون میں جہاں تک جائداد کا تعلق ہے یا طلاق کے معاملات کا حل کرتا ہے، یہ مغربی قانون سے بہت سبقت لے چکا ہے۔ یہاں تک کہ عورت کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے۔ [1]

(اینی بیسنٹ)

اسلامی قانون

اسلامی قانون کے تحت عورتوں کے عام حقوق کو وسیع تر کر دیا گیا ہے۔ بہ نسبت ان قوانین کے جنہیں آج ہم قانون خیال کرتے ہیں۔ [2]

(لاوی جوری ڈکی)

قرآن، ایک قابلِ مطالعہ کتاب

گزشتہ تیرہ سو سال سے قرآن شریف ترکوں اور ایرانیوں کی مقدس کتاب

---

[1] دیکھیے دی لائف اینڈ ٹیچنگ آف محمدؐ ۱۹۳۲ء صفحہ ۳ پر

[2] ای ڈکنی ہین کی کتاب۔ قرآن کا دیباچہ صفحہ ۵ پر۔

چلی آرہی ہے۔ یقیناً ایسی کتاب جو مغربی ملکوں میں تمام پڑھی جانے کے قابل ہے خاص طور پر آج کل جب کہ وقت اور فاصلہ کا تصوّر، دورِ حاضرہ کے موجدوں کی تحقیقات سے درہم برہم ہو چکا ہے۔ نیز جب کہ عوام کا مفاد تمام دنیا سے وابستہ ہو چکا ہے۔ [1] (مسٹر ای۔ ڈینی سن)

قرآن مقدّس

یہ وقت ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا رُخ کریں اور اللہ کی دنیا میں پناہ لینے کے لیے قرآن مقدّس کے پیغام کی طرف جو ڈنکے کی چوٹ سے دیا جاتا ہے، توجہ کریں۔ [2]

---

[1] ای۔ ڈینی سن کی کتاب۔ صفحہ ۸ پر

[2] (DIMENSIONS OF CNRISTIANITY) شائع کردہ اسلامی مشن لاہور۔ صفحات ۱۷۰۔

فصاحت و بلاغت قرآن

اگر کسی کو فصاحت و بلاغت قرآنی کا اندازہ کرنا ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیئے

کہ اس کام کے لیے زبان دانی کامل کی ضرورت ہے۔

اور علم بیان، و معانی و بدیع میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا ہونا ضروری ہے۔

اور پھر فہم سلیم و طبع ہموار کی شرط لابدی ہے۔

اگر یہ آنکھیں، یہ عینک، یہ دُوربین کسی کو مل جائے تو وہ لابدی اختیار بول

اُٹھے گا کہ قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت طاقتِ بشری سے بالاتر ہے۔

جُہلائے عرب شیدائی زبان اور فدائی حُسنِ بیان تھے۔ اور اسی وجہ سے

وہ اسالیبِ غریب و قصائدِ عجیب کے مالک اور رجزِ فاخرہ و اسجاعِ موجزہ

اور خطبِ بلیغہ کے انشاء پر قادر تھے۔

صرف اسی قابلیت کے وجود نے بڑے بڑے زبان آوروں، خطیبوں

اور شاعروں سے منوا دیا تھا کہ قرآن کلام بشر نہیں۔

ذرا غور کرو دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے ایسا

کوئی دعوےٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے نرالا اور فائق تر ہو (جیسے خاتم النبیین،

رسول کافۃ للناس، رحمۃ اللعالمین، متابع عالم کے اعلام سے نمایاں ہے۔

اور ثبوت دعوے میں ایک تصنیف کو پیش کر دیا ہو اور اُسی کو اپنے صدق

و کذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور اس دعوے کے انکار کرنے والوں کو ضلالت

و غوایت اور خلودِ نار وغیرہ کی ذِلتوں کی مواعید سے جوش بھی دلایا ہو۔

بھر لینے میں بھی اُسی کے ملک کے رہنے والے، اسی کی زبان کے بولنے والے، اُسی زبان کے قادر الکلام اور سحر البیان لوگ اس کے سامنے ساکت وخاموش اور متحیّر و مدہوش رہ گئے ہوں۔

ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قرآن مجید کے پیش کرنے والے (فداہ ابی وامی) نے معارضہ کی چھ قسمیں بتائیں اور ہر ایک قسم کے مقابلہ میں سب کو عاجز ودرماندہ ثابت کر کے اپنی صداقت کو آفتاب روشن کی طرح آشکارا کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید گو عربی مبین ہے مگر اس کی فصاحت وبلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کُتب سے بالاتر ہے۔

اب یہ بھی ملحوظِ خاطر رہنا چاہیئے کہ فردوسی و ہومر، سعدی وشکسپیر، والمیک وملٹن، گوئٹے وبیکن، نابغہ وسسرو، امراء القیس وخسرو وغیرہ وغیرہ جن کی فصاحت وبلاغت کی بڑی بڑی تعریفیں مختلف السنہ کے متعلق مختلف اقوام نے کی ہیں۔ ان سب کا جوش وخروش ایسی کتابوں میں نکلا ہے، جن کی بنیاد تخیلات وتصورات پر رکھی گئی ہے۔ جن میں ہر قسم کی تشبیہات واستعارات کے استعمال کی مصنف کو آزادی حاصل تھی جن میں ترکِ غلو یا پابندی صداقت کی کوئی بندش نہ تھی۔

اگر انہی زبان اور ان پُر کلام کو کوئی قانون، کوئی ضابطہ لکھنا پڑتا۔ اگر حقائق الٰہیات ورموز فطرت یا اسرارِ آفرینش پر ان کو چند سطور بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھ لیتی کہ عبارت کتنی پھیکی بندش کتنی سست، الفاظ کیسے گھٹیل، طرزِ ادا کتنا مبتذل ہوتا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے کہ وہ احکام شریعت اور مواعظ وامثال،

اخبار و انداز میں زبانِ ماضی کی سرگزشت اور عہد مستقبل کی حالت پر آیات کا اطلاق فرما رہا ہے اور باایں ہمہ کلام کسی جگہ بھی نہ صداقت اور روحانیت کے درجے سے گرا اور نہ فصاحت و بلاغت کے مرکز سے متزلزل ہوا ہے۔

اندازۂ فصاحت و بلاغت کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ساری دنیا کے مسلمہ و مقتدر فصحاء کے میدان کلام اور وادیٔ سخن بھی خاص خاص ہوتے ہیں۔ سعدیؔ کی نصیحت قصرِ قلب میں جگہ پا لیتی ہے۔ لیکن بزم و نشاط کی بساط کا بچھانا اور رنا نزوا اختلاط کے کواڑ کھول دینا، اس کی طاقت سے باہر ہے۔

فردوسیؔ کے بیانِ جنگ کو پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ کوئی سینما دیکھ رہا ہے، لیکن مواعظ و اخلاق کی سڑک پر اُس کا خشک قلم لنگڑاتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

عرب کے امراء القیسؔ وغیرہؔ، ابو نواسؔ، و ابو العتاہیہ کا بھی یہی حال ہے۔

جرمنی و فرانس، اٹلی و انگلستان کے اہل قلم (شاعروں، ناول نویسوں، اڈیٹروں یا زبان آوروں، پروفیسروں، لیکچراروں) میں بھی یہی تفاوت درجات موجود ہے۔

رینالڈؔ کبھی گبنؔ نہیں بن سکتا اور کارلائل کبھی شیکسپیئر کا روپ نہیں دھار سکتا۔ ہربرٹ سپنسر اور نارتھ بروک کی زبان کبھی ایک نہیں ہو سکتی۔

قرآنِ کریم پڑھو، اُسے موجودہ ماہیات و کیفیات کے متعلق کس قدر دلائل ساطعہ و براہینِ بیّنہ سے کام لینا پڑا۔

اُسے اقوامِ ماضیہ کے عروج و زوال اور اس کے لوازم و اسباب پر کیا کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اُس نے مذہب مادیان اور عقاید و مسلّماتِ انسانی

پر کتنی تیز روشنی ڈالی۔

اُس نے روحؔ و مادّہ اور اعمال کی بابت کس قدر اسرار آشکارا کیے۔

اس نے تدبیرِ منزل و سیاستِ مدن، حقوقِ افراد و جوب قوم کی نسبت کتنے قوانین و ضوابط ایجاد کیے۔

اور ان سب متبیّن و وضوح کے سلسلہ میں اُسے کس قدر اقسامِ سخن اور اسالیبِ کلام پر تکلّم کی ضرورت ہوئی۔ لیکن ہر جگہ کلام کی شان، الفاظ کی شوکت، معانی کا حسن اور خصوصیت کے ساتھ جلوہ گستر و نور افزا ہے جیسا کہ اثباتِ توحید اور ردِّ شرک و ابطالِ باطل و احقاقِ حق کی فضا میں عطر بیز و روح پرور تھا۔ یہ وہ وقائع کلام ہیں جن کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اپنی لمبی لمبی عمروں کو اسی شوقِ فہم و ذوقِ وجدان میں پورا کر دیا ہے۔

فصاحت و بلاغت کا تعلق جزالت الفاظ سے بھی ہے اور اناقت معنی سے بھی ہم اس جگہ چند آیات کا اقتباس کرتے ہیں۔ ان کے ہمہ گیر معانی پر غور کرو اور خوب غور سے دیکھو کہ تہذیبِ اخلاق، تہذیب نفس، تدبیرِ منزل، ضمانتِ قوم اور سیاستِ مدن کا کون سا ضروری مسئلہ ہے۔ جو ان چند آیات سے باہر رہ گیا ہے۔ اسی سے قرآن مجید کی ۶۶۶۶ آیاتِ شریفہ کا اندازہ کرو اور ان علوم و معارف کا تخمینہ لگاؤ جو ان آیات میں محفوظ کئے گئے ہیں۔

ان آیات کے پیش کرنے سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم صرف اتنی ہی آیات کو پیش کر سکتے تھے یا یہی چند آیات نمونہ بنائے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ لا و اللہ۔

اس وقت ہماری مثال اس گلچیں کی سی ہے جو ایک گلستانِ تازہ بہار

کی سیر کو نکلتا اور واپسی کے وقت وہاں سے چند گل شاداب کو زیب سروسینہ بنا لیتا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس گلچیں کے بعد باغ میں پھول باقی ہی نہیں رہے یا جو باقی ہیں وہ سب آب و رنگ میں یا نزہت و نزاکت میں گلہائے چیدہ سے کم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یقیناً منفی ہوگا۔

(۱) اصول عبادت

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف ہم تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۔ (بنی اسرائیل)

ہم نے فرزندانِ آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں ان کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں ان کو کھلائیں، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو برترین فضیلت عطا کی۔

(۳) اوامر یعنی کرنے کے کام

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی۔

اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔

(۴) نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۔

اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تم کو منع کرتا ہے۔

(۵) محرّمات

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے:

(ا) بے حیائی کی سب صورتیں کھُلی ہوں یا چھُپی ہوں۔

(ب) گناہ۔

(ج) بغاوت ناحق۔

(د) شرک باخدا۔ جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

(ہ) اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

(۶) تعاوُن

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۔

اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔

(۷) عدمِ تعاون

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔

(۸) جملہ اعضائے انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔

شنوائی۔ بینائی اور دل ان سب سے سوال کیا جائے گا۔

(۹) وزنِ اعمال

مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔

جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرتا ہے وہ اُسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ برابر بھی بدی کرتا ہے وہ اسے دیکھ لے گا۔

(۱۰) عدل ورحم

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ۔ (شوریٰ)

بدی کا بدلہ تو بالکل ویسا ہی ہے۔ بعد ازیں جس کسی نے معافی دی اور بھلائی کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ خود دے گا۔

(۱۱) عدل و رحم اور معافی

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ (شوریٰ) اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ)

(۱) جو کوئی ظلم سہنے کے بعد اپنا چارہ کار کرتا ہے اس پر کوئی اخذ نہیں۔

(ب) اخذ تو ان لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے اور ملک میں بغاوت ناحق پھیلاتے ہیں۔

(ج) جو لوگ ظلم و زیادتی پر صبر کرتے اور معافی دیتے ہیں تو یہ کام بڑے شاندار کاموں میں سے ہے۔

(۱۲) عفو عام

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (نور)

لازم ہے کہ معاف کیا کرو، لازم ہے کہ درگزر کیا کرو۔ کیا تم خود یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دیا کرے۔

(۱۳) دشمن کو دوست بنانے کی ترکیب

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ (حٰم سجدہ)

تم بدی کی مدافعت نیکی اور سلوک کے ساتھ کیا کرو۔ پھر تو عداوت والا

شخص تم کو گرم جوش دوست نظر آئے گا۔

(۱۴) حریّت دین

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔ (بقرہ)

دین کے معاملہ میں کسی شخص پر کوئی دباؤ نہیں، نیک رفتاری اور کج روی کو الگ الگ کر کے دکھلایا گیا ہے۔

(۱۵) قول بلا عمل

کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ (صف)

جب قول ہو اور فعل اس کے ساتھ نہ ہو تو خدا کے یہاں یہ بہت بیزاری کی بات ہے۔

(۱۶) اپنے افعال کی پوری پوری ذمہ داری

وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔

کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(۱۷) برائی کی اشاعت بھی بری ہے

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ (نساء)

برائی کا کھلا ذکر اللہ کو پسند نہیں، ہاں مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔

(۱۸) حلم و تواضع کی تعلیم

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (فرقان)

رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے ہیں۔ اور جاہلوں کے ساتھ بات چیت کے وقت وہ جاہلوں کو سلام کہتے ہیں۔

(۱۹) ناپسندیدہ عادتیں

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۔ (لقمان)

مکّار اور جھوٹے فخر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

(۲۰) چغلی سے نفرت دلانے والی مثال

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا، اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا۔ (حجرات)

تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی چغلی نہ کرے۔ کیا تم مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کر سکتا ہو (چغلی کی یہی مثال ہے)۔

(۲۱) نفع رسانی کی ضرورت اور فضیلت

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (آل عمران)

تم اصل نیکی کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے۔

(۲۲) اخوتِ عامہ کی تعلیم

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔ (الحجرات)

سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ یہی پکی بات ہے۔

(۲۳) عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (البقرہ) دستور کے مطابق حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں۔ ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔

(۲۴) زن وشوہر کا اتحاد

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ (البقرہ)

عورتیں مردوں کے لیے لباس ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔

(۲۵) عورت کو جدا نہ کرنے کی نصیحت

اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ۔ (احزاب ع ۱)

اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈرا کر۔

(۲۶) شکر کا حکم اور فائدہ

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ (ابراہیم)

اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو بڑھاتا رہوں گا۔

(۲۷) امتحانِ الٰہی کی چیزیں

اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تغابن)

مال و دولت اور اولاد میں بندوں کا امتحان ہے۔

(۲۸) کسرِ نفسی کی تعلیم

وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ (یوسف)

میں نفس کو بری نہیں ٹھہراتا نفس تو برائی کی طرف بہت اُکسایا کرتا ہے۔

(۲۹) جنگ سے بچنے کی تدبیر

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال)

تم دشمنوں کے لیے اپنی پوری قوت سے تیار رہو اور سرحدات پر پوری فوجی تیاری رکھو۔ اس تدبیر سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ردکے رکھو گے۔

(۳۰) جملہ محامد عالیہ کا مالک ہمارا پروردگار ہی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (فاتحہ)

جو تمام تر مخلوق کا پالنے والا ہے۔ وہی سب خوبیوں کا مالک ہے۔

(۲۱) دین الٰہی کی تعریف

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ.

وہ سرشت الٰہی جس پر سب انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں۔ یہی تو محکم و استوار دین ہے۔

(۲۲) دین صحیح کا مقصد کیا ہے اور کیا نہیں

مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ط

اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر کوئی دشواری ڈالے، اس کا تو ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک و مطہر بنائے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے کہ تم شکر گزار بنو۔

(۲۳) رب برتر کا تعلق اہل ایمان کے ساتھ رحمت و محبت کا ہے

(ا) کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (انعام ع ۶)

تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ رکھا ہے (رجع کر رکھا ہے)

(ب) وَھُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۔ (بروج)

وہ تو بہت بخشنے والا اور بہت محبت کرنے والا ہے

(ج) اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (بقرہ)

اللہ تو ایمان والوں سے محبت کرنے والا ہے اور ان کا کارساز ہے۔

اُن کو سب تاریکیوں سے نکالتا اور نور میں لاتا ہے۔

(۲۴) انسانِ واحد کی جان کی قیمت

اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (المائدہ ع ۵)

اگر کسی نے ایک انسان کو بھی مارا (قصاص یا بلوہ کی سزا کو مستثنیٰ سمجھو) تو گویا اُس نے تمام نوعِ انسانی کو قتل کر ڈالا اور جس کسی نے ایک کو بھی ہلاکت سے بچا لیا۔ گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی کو بچا لیا۔

(۲۵) امن شکنی عامہ کی ممانعت

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (اعراف ع ۱۰)

اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور ملک میں فساد پھیلانے سے باز آ جاؤ۔

(۲۶) اصولِ مصارف

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ (الفرقان ۶)

رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں، تب نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں۔ اور ان حالتوں کی درمیانی حالت پر چلا کرتے ہیں۔

(۳۷) مال و منال دنیا سے آرام و آسائش بھی مناؤ اور آخرت بھی کماؤ

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْیَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ۔ (القصص ع ۱۰)

جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اس میں آخرت کی بھی طلب کر اور اپنا دنیوی حصہ بھی مت بھول جا اور بھلائی کیا کر، جیسا کہ اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے۔

(۳۸) امداد غرباء و مساکین

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

(الروم ع ۴) قرابت والے اور مسکین اور مسافر کا حق ادا کیا کر۔ یہ باتیں ان لوگوں کے لیے بہترین ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے۔

(۳۹) سوگند کھانے والا انسان بے اعتماد بن جاتا ہے

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ۔

جو کوئی شخص بہت سوگندیں کھاتا اور ذلیل بنتا ہے۔ اس کا اعتبار نہ کرو۔

(۴۰) خدا سے دعا مانگا کرو

وَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔

اللہ ہی سے دعا مانگا کرو، خالص اسی کے ہو کر اور اسی کے فرمانبردار بن کے رہو۔

(۱۴) حمد خالق و مدح مخلوق

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہٖ۔

حمد کا مالک اللہ ہے اور اللہ کے بندوں کے لیے سلام (سلامتی) ہے۔

اس مختصر جملہ پر اور تقسیم مدائح پر جتنا زیادہ غور کیا جائے گا، اُسی قدر زیادہ حقائق معلوم ہوں گے۔ اسی میں توحید ہے، اسی میں ردِ شرک، اسی میں برگزیدہ بندگانِ الٰہ کے مدارج علیا کا بیان۔

(۲۴) نظم عالم اور تناسب اجزاءِ عالم کا بیان

مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ (ملک)

تو رحمٰن کی پیدا کردہ اشیاء میں کچھ فرق نہ دیکھے گا۔ کیا تجھے کوئی نقص بھی نظر آیا۔

(۳۴) قرآن مجید اور بیت العنکبوت کی مثال

اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (عنکبوت)

سب گھروں میں کمزور عنکبوت کا گھر ہوتا ہے اگر لوگوں کو علم ہو۔

علم کو بیت العنکبوت سے متعلق فرمایا۔ اس لیے کہ عنکبوت کے گھر میں اہل علم کے لیے بڑے عجائب ہیں۔ جرمن پروفیسروں کا قول ہے کہ مکڑی کے جالے کا ہر ایک تار چار تاروں سے ملا ہوا ہوتا ہے اور ان چار تاروں میں کا ہر

ایک تار ایک ۔ ہزار تار سے بنا ہوا ہوتا ہے ۔ یعنی ایک تار میں چار ہزار تاگے ہوتے ہیں ۔ اہل علم غور کریں کہ اس اوہن البیوت بنانے والی مکڑی کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر فہم و فراست اور باریک نسج و خیاطت کی صنعت عطا فرمائی ہے ۔

(۴۴) قرآن مجید اور نحل کی مثال

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ۔

تیرے رب نے شہد کی مکھی کو ہدایت کی ۔

شہد کے چھتّہ کے اندر نظام قومی کا مستحکم آئین ، فوج اور اہلِ صنعت کی جداگانہ تقسیم ، جداگانہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ محلّے ، بچہ دینے والی رانی کی حکومت ، بچوں کی پرورش اور تربیت کی خدمات کو سرانجام دینے والا عملہ ، شہد کے ذخیرے ، ذخیروں کی حفاظت کے طریقے ، شہد بنانے والی ہزارہا اقسام کے پھولوں میں سے چاشنی کا نکال کر لانا ، چھتّے کے سب گھروں کا مسدّس اور یکساں رقبہ ہونا ۔ یہ جملہ امور اس نتیجہ کے مؤید ہیں کہ جب وحی ربانی کسی ذی روح کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو اسے کیا کچھ بنا دیتی ہے ۔

اور جب قرآن جیسی وحی انسان جیسے ذی عقل و فہم اور ذی نطق و تدبّر کے ارتقائے بدنی و رُوحی کی طرف التفات فرمائے تو اسے کن کن منازل تک بلند فرما دے گی ۔

(۴۵) قرآن مجید اور نمل کی تمثیل

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ

سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۔ (النمل)

چیونٹیوں کی رانی نے کہا! اے چیونٹیو! تم اپنی اپنی آرام گاہوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں تم کو سلیمان اور اُس کے لشکر ریزہ ریزہ نہ کر دیں۔ اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔

اللہ اللہ، چیونٹیوں کے پاس ایسے مسکن موجود ہیں کہ سب وہ اُن میں داخل ہو جائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر اُن کا نہ بگاڑ سکے۔

یہ آیت ہر ایک ضعیف قوم کو قوی تر قوم کے سامنے زندہ رہنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے وسائل کی تعلیم دیتی ہے۔ جن میں سے پہلا سبق وہ اتحاد واتفاق ہے کہ اپنے سردار کی رائے پر جملہ افراد قائم و عامل ہوں۔

دوسرا سبق، ذاتی حفاظت کا سامان ہر وقت مکمل رکھنا ہے۔

اور تیسرا سبق، کسی بالاتر طاقت کے ساتھ مقابلہ آرائی کا نہ کرنا ہے۔

چوتھا سبق، نقصان رسیدہ ہو جانے کی حالت میں بھی اس شخص کو الزام نہ دینا ہے جس کی نیت اور علم میں نقصان رسانی شامل نہ تھی۔

پانچواں سبق، جب مسلمانوں کی اجتماعی حالت چیونٹیوں کی سی ہو جائے تو ان کو قرآنِ پاک کی حفاظت میں داخل ہو جانا چاہیئے۔

چھٹا سبق، آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا امیر کا فرض ہے۔

ساتواں سبق، چیونٹی کی مانند ضعیف ترین جنس بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ اگر وہ بقائے حیات کا عزم رکھتی ہے۔ اس لیے کسی قوم کا ضعف اس کے فنا کی دلیل نہیں۔

(۴۶) قرآن مجید اور ارض وسما کی اشیاء پر نظرِ اعتبار کا حکم

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (سورہ یونس)

آسمانوں اور زمین کے اندر کی سب چیزوں کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں ۔

یہی آیت ہے جو جملہ انکشافات کی جڑ ہے ۔ قدرت کی پیدا کردہ ہر شے کو نظرِ اعتبار سے دیکھنا ، اس کے خواص اور ماہیت کا معلوم کرنا انسان کو بلند ترین ارتقاء پر پہنچانے والا ہے ۔ افسوس ، ہم لوگ ایسے احکام کی تعمیل سے کس قدر لاپروا ، قاصر اور غافل ہیں ۔

(۴۷) قرآن مجید اور فوائدِ بحر

وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (نحل)

اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے ۔ وہ فوائد یہ ہیں :

(۱) تازہ بہ تازہ گوشت ۔ سمندر کی تجارت ، ماہی گیری کا حال اگر کوئی پڑھے تو اُسے معلوم ہو جائے گا کہ آج دنیا میں کروڑوں پونڈ اسی تجارت سے اقوامِ عالم کما رہی ہیں اور مسلمان جو آیت کریمہ کے مخاطب خاص تھے ، اس سے قطعاً محروم اور بے خبر ہیں ۔

(۲) درّ و گوہر ، جو انسان کی زینت اور لباس کی چیز ہے ۔ اس کی تجارت بھی کروڑوں پونڈ کی ہے ۔ عہدِ نبوی اور خلفائے راشدین کے زمانہ

میں جزیرہ سسلی پر اسلامی قبضہ تھا، جسے ہم کھو بیٹھے ہیں۔

(۳) جہاز رانی، دنیا پر شہنشاہی کے لیے اوّلین شرط ہے۔ امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سب سے پہلے بیڑا قائم کیا اور بحری جزائر کریٹ، مالٹا، طرابلس وغیرہ فتح ہوئے۔

موسیٰ بن نصیر اور جنرل طارق نے سپین کو فتح کیا۔ خیرالدین باربروسا نے ترکی سلطنت کا اقتدار سارے یورپ سے منوایا۔ بالآخر اس کو مسلمانوں نے بیچ کھا اور دنیا کی شہنشاہیت سے محروم کر دیئے گئے۔

(۴) بحری تجارت، جس میں بے شمار نفع ہے۔

(۵)۔ مذکورہ بالا تموّل اور افراط دولت اور قوّتِ حکومت کے بعد دینی فائدہ یعنی شکر نعمت الٰہی میں مصروفیت، اشاعتِ اسلام، دُور دراز ممالک میں تبلیغ اسی پر منحصر ہے۔ عبدالملک اموی کے عہد میں عرب سوداگروں ہی نے اسلام کو ہندوستان کے جنوبی سواحل تک پہنچایا۔ انہوں نے آسام، برہما اور مشرقی بنگال کو مسلمان بنایا۔ جب کہ شمال مغربی سرحد سے حملہ آور (محمود وغیرہ) ہندوستان سے بالکل لاپروا تھے۔

اِسلام

غیر مُسلموں کی نظر میں


لا اله الا الله محمد رسول الله

اِسلام کی خصوصیّات

سوامی دیانند آنجہانی نے جو ۱۸۹۶ء میں رام کرشن مشن کی طرف سے امریکہ میں مذاہب عالم کے موضوع پر تقریریں کرنے گئے تھے اسلام کے بارہ میں حسبِ ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ ان کے ہم وطن ان کے خیالات سے سبق حاصل کر سکیں:

"شاید آپ پوچھیں گے کہ اسلام میں کیا خوبی یا خصوصیت ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اگر اس میں خوبیاں نہ ہوتیں تو وہ اب تک زندہ کیسے رہتا! اور اسے روز افزوں فروغ کیسے ہوتا! خدا کا قانون یہ ہے کہ اس دنیا میں وہی چیز باقی رہتی ہے جو بنی آدم کے لیے مفید ہوتی ہے۔ اسلام کی خصوصیّت یہ ہے کہ وہ دنیا میں حریّت، اخوت اور مساوات کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں مساواتِ نسلِ انسانی کے پیغام بر تھے اور بھائی چارے کے مبلّغ تھے۔ ان کے لائے ہوئے دین میں ذات پات، برادری، قبیلے، رنگ اور نسل کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صرف زبانی اپدیش (نصیحت) پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو تعلیم دی، اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا۔ اور اسی لیے ان کی زندگی مسلمانوں کے لیے نمونہ قرار دی گئی

ہے ۔ انہوں نے اپنے غلام کو بیٹے کا درجہ دے دیا۔ اور اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ جب اس کا باپ اسے لینے آیا تو اس نے اپنے باپ پر اپنے آقا (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ترجیح دی۔

بلال حبشی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نام سے کون واقف نہیں ہے؛ یہ سیاہ رنگ کا مسلمان ہر اعتبار سے قریش کا ہمسر تھا۔ اور بڑے سے بڑے قریشی سردار کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا اور کندھے سے کندھا ملا کر نماز پڑھتا تھا۔

ذات پات اور رنگ کی جو تمیز یہاں امریکہ میں پائی جاتی ہے وہی ہندوستان کے ہندوؤں میں موجود ہے۔ اگر کوئی غیر ہندو کسی ہندو کا دستر خوان بھی چھو دے تو اس کا سارا کھانا ناپاک ہو جائے گا۔ اس کے مقابلے میں سارے مسلمان کسی نو مسلم تک کا جھوٹا پانی پینے میں خوشی محسوس کریں گے۔ اسلام کی عظمت اور دیگر مذاہب پر برتری اسی بات میں پوشیدہ ہے کہ اس نے تمام امتیازات کا خاتمہ کر دیا۔

اِسلام ایک عالمگیر مذہب ہے

جارج برنارڈ شاہ کا شمار دنیا کے عظیم ڈرامہ نگاروں، مفکروں اور فلسفیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے دماغ کے تیل سے انسانی فہم و ادراک کی قندیلوں کو روشن کیا، جنہوں نے وقت کے ریگ زاروں میں ایسے نقوش چھوڑے جو آج بھی انسان کی راہنمائی کے لیے صبح کے تارے کی طرح روشن و تابناک ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ اسلام اور ہادیٔ اکبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

"اگر آئندہ سو سال کے اندر کسی مذہب کے انگلستان ہی میں نہیں بلکہ یورپ میں عوام کے ذہن وفکر پر چھا جانے کا امکان ہے تو وہ صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے۔ دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی میری نگاہ میں بیحد قدر ومنزلت ہے اور اس کا باعث اس مذہب کی توانائی ہے۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے پیغام میں اتنی جانداریت اور ہمہ گیریت ہے کہ وہ زندگی کے بدل رہے اَدوار کے تمام تقاضوں کو بطریق احسن پورا کر سکتا ہے۔ اور ہر دَور میں انسان کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔ میرا راسخ عقیدہ ہے کہ اگر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا انسان اس عالمِ نو میں کُلی اختیارات حاصل کرے تو وہ بنی نوع انسان کے تمام وسائل کو ایسے انداز میں حل کر سکتا ہے جس سے امن و آشتی، خوش حالی اور فارغ البالی کی منزل تک انسان کی رسائی ہو سکتی ہے جس کی تلاش میں بنی نوع انسان صدیوں سے دربدر اور خاک بسر ہے۔"

اسلام کی کامیابی کا راز

امریکہ کے مشہور جریدہ "لائف" کے ایڈیٹر نے اسلام کی خوبیوں پر جو مضمون لکھا تھا اس کے چند اقتباسات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

"عرب میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جس توحیدی دین کی بنیاد ڈالی تھی، آگے چل کر اس نے ساری دنیا کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ اسلام تمام مذاہبِ عالم میں آسان اور واضح ترین مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے، کوئی عقیدہ خلافِ عقل نہیں ہے۔"

"پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ انھوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بندہ بشر ہوں۔ مجھے اللہ نے اپنا دین تم تک پہنچانے کے لیے منتخب فرمالیا ہے۔ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایک تاریخی شخصیت ہیں۔ جن کی سیرت اور سوانح عمری ہمیں یقین کے ساتھ معلوم ہے۔ دوسرے مذاہب کے برعکس اسلام کا آغاز تاریخ کی روشنی میں ہوا۔"

"اکثر مغربی مؤرخین یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات کا سبب یہ تھا کہ عرب کے ہمسایہ ملکوں میں بدنظمی پھیلی ہوئی تھی اور مسلمان اعلیٰ درجے کی عسکری قوت کے مالک تھے۔ لیکن یہ مفروضہ بالکل

غلط ہے۔ ان کی فتوحات کا اصل سبب یہ ہے کہ اسلام نے ان کے اندر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور شہادت حاصل کرنے کا بے پناہ جذبہ بیدار کر دیا تھا۔"

"اسلام کا معنی ہے مطیع ہو جانا یعنی اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔ اس لیے ہر سچا مسلمان رضا الٰہی حاصل کرنے کے لیے تیار رہتا ہے، نیز وہ اپنے خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر کرتا ہے جس کی رفاقت کا احساس اسے بے خوف بنا دیتا ہے۔"

"مسلمانوں کی نگاہ میں اسلام کو سیاست سے جدا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اسلام ایک ہمہ گیر نظام حیات ہے، جو انسانی افکار اور اعمال کی ایسی راہنمائی کرتا ہے جس کی نظیر اہل مغرب کے یہاں ناپید ہے۔"



کامیاب مذہب

اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترک میکشی کرانے میں، جیسا وہ کامیاب ہوا ہے۔ کوئی اور مذہب نہیں ہوا ہے۔

(سر ولیم میور لائف آف محمدؐ صفحہ ۵۲۱)

پادری اسحٰق ٹیلر نے کہا

دنیا میں انسداد مے نوشی کی سب سے بڑی انجمن خود اسلام ہے۔ برخلاف اس کے ہماری یوربین تجارت کے قدم جہاں جہاں پہنچے ہیں مے نوشی و بدکاری اور لوگوں کی اخلاقی پستی بڑھتی ہی جاتی ہے۔

ہم نے اسلام قبول کیوں کیا؟

ایک انگریز تاجر کی ووکنگ مسجد میں آمدورفت تھی، وہ جب بھی مسجد میں آتا، بڑے شوق سے وضو کرتا، نہایت ہی انکسار سے نماز پڑھتا، کئی کئی منٹ سجدہ میں گرا رہتا اور ایسی محویت کے ساتھ دعا کرتا کہ پاس بیٹھے ہوئے لوگ بھی اس کے سوز و گداز کو محسوس کرتے۔

آپ کے قبولِ اسلام کا سبب کیا ہے؟ ایک دن امام مسجد نے پوچھا

"نہیں نہیں میری نماز پہلے تھی اور قبولِ اسلام بعد میں ہوا۔" امام نے پوچھا۔
"نماز کا جادو" انگریز نے جواب دیا۔
"مگر نماز تو آپ نے قبولِ اسلام کے بعد پڑھی ہوگی۔" امام نے پوچھا۔
"نہیں نہیں میری نماز پہلے تھی اور قبولِ اسلام بعد میں ہوا۔" انگریز نے جواب دیا۔

"یہ بڑی عجیب بات ہے میں سمجھ نہیں سکا ذرا کھول کر ارشاد فرمایئے، کہ اسلام سے پہلے نماز تک آپ کی رسائی کیونکر ہوگئی۔" امام نے پوچھا۔

"امام صاحب! میرے قبولِ اسلام کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔"

انگریز تاجر نے بیان کرنا شروع کیا۔ ۱۹۱۲ء سے مشرقی افریقہ کے برطانوی علاقہ کینیا میں آباد ہوں۔ اور میری بہت بڑی تجارت ہے۔ مذہبی اعتبار سے میں پروٹسٹنٹ عیسائی تھا۔ اور اپنے عقیدہ میں بہت سخت تھا۔ میری روح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام پر حد درجہ مطمئن تھی۔ اگرچہ کاروبار کے سلسلہ میں میرے وقت کا بڑا حصہ زراعتی ممالک کے سفر میں گزرتا تھا لیکن کاروبار کی سخت مشغولیت بھی مجھے انجیل کی تلاوت اور مذہبی جلسوں کی شرکت سے باز نہ رکھتی تھی۔ انجیل کا ایک نسخہ ہر وقت میرے ساتھ رہتا تھا۔ اور میرا اعتقاد تھا کہ میری روح کا زیور یہی ہے۔

امام صاحب! مجھے ایک دفعہ مصر جانے کا اتفاق ہوا۔ اور وہاں پہلی مرتبہ میں نے اسلام کی تاریخی شوکتوں کی سیاحت کی۔ میں نے دریائے نیل کی مدد سے فرعون کی پوزیشن سمجھی۔ اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے وعظ سنے۔ میں نے وہاں مشہور تاریخی اور دینی ادارے جامعہ ازہر کی زیارت کی۔ مسجد محمد علی کبیر، مسجد محمد حسین، اور مسجد سیدہ کو دیکھا۔ ان زیارتوں کا میرے

دل پر خاص اثر ہوا۔ اس کے بعد میں کثرت کے ساتھ مصر جانے لگا آہستہ آہستہ میری یہ حالت ہو گئی۔ کہ میں جب میں کاروبار سے ذرا فارغ ہوتا۔ ایک اندرونی جذبہ میرے دل کو پکڑ لیتا۔ اور کشاں کشاں مجھے اسلامی مسجدوں میں لے جاتا۔ میں ھذا خدا کی پرستی کی کچھ ایسی دل نواز کیفیتیں دیکھتا تھا کہ جن سے دل کبھی سیر نہ ہوتا تھا۔ وہاں ایک شخص ایک اونچے مینار پر کھڑا ہو جاتا۔ اور نہایت دلکشی کے ساتھ ایک ایسا روحانی گیت گاتا (یعنی اذان) جس سے مسجد کی فضائیں جھومنے لگتیں۔ اس کے بعد امیر اور غریب، گورے اور کالے، چھوٹے اور بڑے، جوق در جوق مسلمان مسجد میں داخل ہوتے اور عمامیں اور عبائیں اتار کر ننگے پاؤں پانی کے حوض کے گرد بیٹھ جاتے، پھر یہ لوگ اپنا ہاتھ منہ دھوتے۔ دانت صاف کرتے۔ میں دیکھتا کہ ہر مسلمان جسم کے ان تمام حصوں کو جہاں گرد پڑ سکتی ہے یا جس سے کاروبار کے وقت کام کرنا پڑتا ہے بڑی احتیاط سے کئی مرتبہ دھو کر صاف اور اُجلا کر دیتا ہے۔ اس کے بعد سب لوگ حوض سے اٹھتے کپڑے پہنتے اور قطاریں بنا کر مسجد کے دالان میں بیٹھ جاتے۔ اس کے بعد پھر وہی گیت (یعنی اقامت) گایا جاتا۔ اور تمام حاضرین نہایت ہی ادب اور عزت کے ساتھ صفیں باندھ لیتے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے میدانِ جنگ کی منظم اور مرتب صفیں یاد آ جاتیں۔ اب نماز شروع ہوتی۔ اور تمام مسجد میں ہیبت و جلال اور سکون و سکوت کیفیتیں چھا جاتیں۔ پھر تمام رکوع و سجود کی کیفیتیں نظر آتیں۔ یہ مناظر ایسے مؤثر ہوتے تھے کہ جس شخص میں ذرا بھی عقل و احساس موجود ہو وہ ان سے کبھی غیر متاثر نہیں رہ سکتا۔ ان چیزوں کا لازمی طور سے دل پر اثر پڑتا تھا اور دیکھنے والے کو اللہ کی شان نظر آ جاتی تھی اور انسان محسوس کرتا تھا کہ گویا میں اس دنیا سے بلند ہو کر کسی دوسرے عالم میں کھنچا جا رہا ہوں۔

نماز کا جادُو

میرے دل کا حال بالکل یہی تھا۔ نماز کی خوشیوں نے میرے دل کو جیت لیا، زمین بوس ہونے نے میری فطرت کو زیر کر لیا۔ جب وہ حوض کے کنارے بیٹھتے تو مجھے حسرت ہوتی۔ کاش میں ان کے ساتھ شامل ہو سکتا۔ جب وہ قطاریں باندھتے میں خیال کرنے لگتا اے کاش! میں بھی دوڑ کر ان کے ساتھ مل جاؤں۔ جب وہ سجدے میں گرتے تھے تو میرا دل بیٹھ جاتا تھا کہ میں ان کے ساتھ کیوں شامل نہیں؟ میں مسجد میں خوشی کے ساتھ داخل ہوتا لیکن جب نماز کے بعد واپس لوٹتا تھا تو محسوس کرتا تھا گویا دوسروں کے دامنِ مراد کے پھولوں سے بھرے ہیں اور میرا دامن خالی ہے۔ اسلام نے نماز کی خوشنمائی کی راہ سے مجھ پر حملہ کیا۔ اور مجھ پر اسلام کا عملِ تسخیر شروع ہو گیا۔ نماز کے دل گداز نظارے، اور اسلامی عبادات کی رُوح پرور کیفیتیں مجھے اسلام کی طرف کشش کرنے لگیں اور میرے آبائی عقائد میں ضعف شروع ہو گیا۔ میں اکثر دل کے چمن کو شکوک کے کانٹوں سے پاک کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن میری یہ تمام کوشش بے کار تھی۔ مجھ پر حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دینی علم کی خواہش غالب آ گئی اور اب میں مطالعہ اسلام کے لیے بالکل مجبور ہو گیا۔

میں اسلامی تعلیمات کا بڑے غور سے مطالعہ کرنے لگا۔ جس قدر میرا مطالعہ بڑھا اُسی قدر میرے شوق کا دامن پھیلتا چلا گیا۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے عربی زبان ضرور سیکھنی چاہیے۔ اسی دُھن میں کئی سال گز گئے

جس قدر اسلام کے متعلق میری بحث و تحقیق کا مسئلہ بڑھتا چلا گیا اُسی قدر زیادہ میری روحانی پیاس بڑھ رہی تھی۔ آخرکار میں پوری طرح اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔ ایک دن میں نے "اذان" سنی۔ ناگہاں کسی چیز نے میرے دل کو پکڑ لیا اور میں نمازیوں کی صف میں شامل ہو گیا ؎

ایک سجدۂ وفا میں ہُوا فرضِ عشق ادا
میں مقتدی تھا اور میرا دل امام تھا

الحمد للہ کہ اب میں پورا اور پکا مسلمان ہوں اور میری رائے ہے کہ انسانیت کا کوئی دین اور مذہب اسلام کے فضائل کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایک نماز ہی کو لیجئے۔ صرف اسی ایک چیز میں ایسے لطیف، عجیب اور عظیم الشان سبق موجود ہیں جو ساری دنیا کی نجات اور راہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ اس میں لطافت اور پاکیزگی ہے، اس میں غسل و وضو کے اسرار ہیں۔ اس میں عجیب قسم کی ورزش ہے، اس میں اتحاد و اجتماع ہے۔ اس میں مساوات و ہمدردی ہے۔ ان خوبیوں کے بعد یہ بہترین عبادت ہے۔ اس کے علاوہ نماز میں امام کی اطاعت اور اسلامی جماعت کے اجتماعی نظام کا راز پوشیدہ ہے۔ باقی رہے بندے کے خدا سے راز و نیاز، تو یہ ایک ایسا کرشمہ ہے جسے ہم محسوس کرتے ہیں مگر بیان نہیں کر سکتے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا قبولِ اسلام

اِسلام

تمام رشتوں سے بڑا رشتہ

میں مسلمانوں کو کام کی اور ضرورت کی باتیں کہتا ہوں۔ لیکن وہ نہیں سنتے بلکہ اُلٹا مجھے مطعون کرتے ہیں۔ مجھے دیکھو میں سولہ برس کا تھا، کہ گھر بار چھوڑ کر نکل آیا تھا۔ مانا کہ میرا خاندان بہت بڑا نہ تھا اور نہ ہمارے ہاں دولت کی فراوانی تھی۔ لیکن آخر میری ماں تھی، بہنیں تھیں، اور ان کی محبت میرے دل میں جاگزیں تھی لیکن اسلام سے مجھے اتنی محبت تھی کہ میں کسی محبت کو بھی خاطر میں نہ لایا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ماں کو چھوڑنے سے مجھے کس قدر ذہنی کوفت ہوئی (یہ کہتے ہوئے مولانا آبدیدہ ہو گئے) اسلام سے میری شیفتگی کا نتیجہ تھا۔ جو بھی مجھے اسلام کی بات سمجھاتا وہ میرے دل میں بیٹھ جاتی تو میں اس کا دل وجان سے گرویدہ ہو جاتا۔

میں اسلام کی حقانیت سے متاثر ہوا ہوں

اسلام میں انسان کے عقل و تدبر کی اہمیت مسلمہ ہے

مسعود سٹینمین

مجھے اسلام کے سوا کوئی بھی مذہب آتنا آسان ، اچھا اور قابلِ فہم معلوم نہیں ہوُا ۔ ذہنی سکون اور اطمینانِ قلب کا جو سامان اسلام میں موجود ہے ۔ کسی اور مذہب میں نہیں ہے ۔ علاوہ ازیں حیات بعد الموت کا جو یقین و تصور اسلام دیتا ہے وہ کوئی اور مذہب نہیں دیتا ۔

انسان " کل " کا ایک مجموعہ ہے ۔ انسان وسیع تر اور عظیم تخلیق کا ایک حصہ ہے ۔ چنانچہ وہ اپنی تخلیق کا مقصد اسی طرح پورا کر سکتا ہے کہ وہ کل کے ساتھ اپنے تعلق کی نسبت سے اپنا فرض ادا کرے ۔ کل اور اس کے اجزاء کا خوش گوار اور مناسب تعلق ہی زندگی کو با مقصد بناتا ہے ، اسے تکمیل کے قریب لاتا ہے اور انسان کو اطمینان ، وحدت اور قناعت کے حصول میں مدد دیتا ہے ۔

خالق اور تخلیق کے " تعلق " میں مذہب کو کیا مقام حاصل ہے !

کچھ لوگوں نے مذہب کے متعلق مندرجہ ذیل آراء ظاہر کی ہیں:

کارلائل نے "ہیروز اور ہیرو ورشپ" میں لکھا ہے: انسان کا مذہب ہی اس کے متعلق بنیادی حقیقت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو انسان عملی طور پر صمیم قلب سے مانتا ہے۔

جی کے چیسٹرٹن نے لکھا ہے: "انسان اپنے وجود یا کسی اور وجود میں جو مفہوم پاتا ہے مذہب اس کی ابدی حقیقت کا شعور ہے"۔

ایمبرز بیرس کا کہنا ہے کہ مذہب امید و بیم کی دختر ہے جو جہالت کو ناقابل فہم کی نوعیت سمجھاتی ہے۔

ایڈمنڈ برک نے انقلابِ فرانس کے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہر اچھے مذہب کی تعلیم خالق کائنات کی اطاعت اور اس کی تکمیل کی تخلیق تخلیق کا درس دیتی ہے"۔

سویڈ بورک رقمطراز ہے:

"مذہب کا تعلق زندگی سے ہے اور مذہب کی زندگی نیکی ہے"۔

جیمز ہیرنگیٹن کا کہنا ہے:

"ہر شخص امید و بیم کی بناء پر مذہب کا کچھ نہ کچھ شعور رکھتا ہے۔ ہر انسان کسی نہ کسی وقت اپنے وجود کی مقصدیت کا احساس کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ سے سوال کرے تو وہ یقین اور اعتماد سے بہرہ ور ہو جاتا ہے"۔

میں اسلام کو مکمل ترین مذہب کیوں سمجھتا ہوں؟

اس لیے کہ یہ سب سے پہلے ہمیں "کل" یعنی خالق کے ساتھ روشناس کراتا ہے۔ اس کی وحدانیت اس کی قدرت کاملہ اور اس کی ہمہ گیریت کے متعلق بتاتا ہے۔ قرآن مجید ہمیں بار بار بتاتا ہے کہ خدائے رحیم و برتر، علیم و بصیر، مالک کل رحیم اور رحمٰن ہے۔ چنانچہ کل حقیقت بن جاتا ہے۔ ہمیں بار بار کہا جاتا ہے کہ ہم اپنے اور اس کے درمیان تسلّی بخش رابطہ قائم کریں۔ جان لو کہ خدا تعالیٰ زمین کو موت کے بعد زندگی دیتا ہے۔ ہم نے نشانات واضح کر دیئے ہیں تاکہ تم سمجھ لو۔

یہ سوال کیا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر یقین رکھنا اور اسے پہچاننا اور معاشرے میں خوش و خرّم رہنے کے لیے خدا تعالےٰ کے پیغامات (ارشادات) پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ کیا ایک باپ اپنے بچوں کی راہنمائی نہیں کرتا؟ کیا وہ یہ کوشش نہیں کرتا کہ اس کا کنبہ مل جل کر مطمئن زندگی بسر کرے۔

واحد صداقت

اسلام وہ سچا مذہب ہے جو اپنے پیش رووں کی سچائی کا اعلان کرتا ہے اسلام کا دعوےٰ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ہدایت واضح قابل فہم اور مدلّل و موزوں ہے۔ اسلام ہمیں خالق اور بندے کے درمیان بہتر تعلقات کے قیام میں راہنمائی دیتا ہے۔ روحانی اور طبعی قوتوں کے درمیان ہم آہنگی

پیدا کرتا ہے۔ اور قیام امن و سکون کے لیے اندرونی و بیرونی قوتوں میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے اور تکمیل کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ عیسائیت زندگی کے روحانی پہلو پر زور دیتی ہے۔ یہ ایسی محبت کا درس دیتی ہے، جو ہر عیسائی پر ذمہ داریوں کا عظیم بوجھ لادیتی ہے۔ مکمل محبت کی تکمیل اگر انسانی بساط میں نہ ہو تو وہ ناکام ہو جاتی ہے۔ جس شخص کو انسانی تضادات' تفرقات کا پورا پورا شعور ہو۔ اور وہ اس شعور میں ہمدردی، تفہیم اور احساسِ ذمہ داری کو شامل کرے وہ عیسائی عقیدہ کے مطابق تکمیل کے قریب آ سکتا ہے۔ اس کے باوجود اسے محبّت کے سامنے دلیل کو ختم کرنا پڑے گا۔ اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کا احترام کریں۔ اس کے قوانین کی اطاعت کریں اور محبت کے ساتھ ساتھ اپنی عقل وفہم سے کام لیں۔ تاکہ ہم پُرسکون زندگی گزار سکیں۔



اِسلام

انسانیت کے لیے حیات بخش پیغام

"بلاشبہ اسلام ہی آخری، مکمل اور سچا دین ہے۔ یہ درست ہے کہ اہلِ اسلام آج اپنی کوتاہیوں، اسلامی اصولوں سے انحراف اور دنیوی لہو ولعب میں آلودہ زندگی بسر کرنے کے سبب عالمی برادری میں اپنا امتیازی مقام کھو چکے ہیں۔ لیکن یہ بات کسی شخص یا اشخاص کے ذاتی انفرادی یا اجتماعی اعمال کی ہے اس کا اسلام کے بنیادی، ٹھوس اور غیر متزلزل اصولوں سے کیا واسطہ؟"

یہ تھے وہ جوشیلے الفاظ جو جناب عامر علی داؤد نے ایک خصوصی ملاقات میں ارشاد فرمائے۔ موصوف ابھی گزشتہ جمعہ (۲۰ جون ۱۹۶۹ء مطابق ۴ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ) کعبۃ اللہ کی بیٹی شاہی مسجد لاہور میں حضرت مولانا عبدالرحمن جامی خطیب مسجد ہذا کے روبرو عیسائیت سے تائب ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔

جناب داؤد جو پہلے پیٹرک ڈیوڈ کے نام سے پکارے جاتے تھے، ۱۹۵۷ء سے لاہور کے برطانوی دفتر (برٹش قونصل) سے منسلک ہیں۔ آجکل آپ کا عہدہ ایجوکیشن سیکرٹری کا ہے۔ ۴۳ سالہ وجیہ شکل دخوبصورت سراپا داؤد کی بیوی

ایمنہ، ان کا صاحبزادہ سہیل رضی اور ان کی صاحبزادی صبرینہ عالیہ بھی آپ کے ہمراہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ محترمہ ایمنہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ڈرامے لکھتی ہیں۔ لڑکا سہیل رضی (عمر ۱۰ سال) اور لڑکی صبرینہ عالیہ (عمر نو سال) زیرِ تعلیم ہیں۔

حرارتِ ایمانی سے مزیّن لاہور کا یہ معزز خاندان ریڈیو پاکستان لاہور کے بالمقابل راستے کی ایک کوٹھی میں رہائش پذیر ہے۔

کل اور آج

لاہور کے معزز خاندان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خبر پڑھ کر دل نور و جذبات سے بھر گیا۔ یہ باور کرنا مشکل تھا کہ اس گئے گزرے دور میں جب مسلمان من حیث القوم مفلوج و معتوب ہیں۔ کوئی پڑھا لکھا معزز و خوش حال عیسائی خاندان مشرف بہ اسلام بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان نرالی ہے۔ وہ چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل کا ارادہ کرنے والے عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کو قرآن کریم کے اثر انگیز الفاظ کی تلاوت سے بہرہ ور کر کے اسی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائے اور کبھی بظاہر ایمان کی دولت پالینے کے باوجود عبداللہ بن ابی ایسے شخص کو منافقت کی لعنت کا طوق گلے میں پہنا دے۔ قرونِ اولیٰ کے قصوں پر آج کوئی ایمان لائے؟ آج کے مادہ پرست معاشرہ میں کتابی حکایتوں پر کون یقین کرے اور آج کے سائنسی دَور میں محض عقیدہ کی بنیاد کون تسلیم کرے۔ لیکن نہیں اللہ تعالےٰ

پسند فرمائے تو آج بھی کفر و الحاد کے ریگ زاروں میں دینِ حق کے پھول کھل سکتے ہیں۔ آج بھی بنجر زمینیں اپنے سینہ سے سونا اُگل سکتی ہیں، جدید تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کی حقانیت، اس کی صداقت، اس کی جامعیت، اس کی ہمہ گیریت اور اس کی وسعت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ جناب علی عامر داؤد کا مسلمان ہونا اس اعتبار سے تو حادثہ ہو سکتا کہ آج کے مادہ پرست دَور میں ایک پڑھا لکھا عیسائی نوجوان جو خوش حال زندگی بسر کر رہا ہو، اسلام پر ایمان لے آئے۔ لیکن یہ حادثہ خیز خبر پڑھنے یا سننے والے کے لیے ممکن ہو تو ہو جناب داؤد کے لیے نہیں بلکہ اس معاشرہ سے شکوہ ہے کہ اگر لوگ آج بھی ان کے قبولِ اسلام کو کسی خارجی اثر کا نتیجہ قرار دے رہے ہیں، حالانکہ ان کا ایمان کی صداقت پر ایمان لانا ان کے ضمیر کی اس بات پر لبیک کہنا ہے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ عرصہ دراز سے ان کے دل میں ایک خواہش، ایک کسک اور ایک خلش کارفرما تھی۔ ابتدا میں یہ ایک غیر محسوس جذبہ تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ بھی بیدار ہوتا گیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ یہی جذبہ دل کی پکار بن کر اُبھرا۔ اور گونج بن کر ان کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ حق کی تلاش میں ان کی روح بھٹکتی رہی۔ جناب عامر علی داؤد اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے جذباتی ہو گئے۔ ان کی آنکھوں میں ایمان کی نورانی اور چہرہ پر نور کی قندیلیں روشن ہو گئیں۔ وہ بولتے ہی جا رہے تھے کہ ایک سیلاب بے کراں تھا کہ ہر چیز کو اپنے جلو میں بہائے لیے جا رہا تھا۔

تضادات کی بھرمار

میں آپ ہی کی طرح ایک انسان ہوں۔ آپ نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ مجھے بچپن ہی میں مذہب سے لگاؤ تھا۔ میں علم حاصل کرتا رہا۔ میں نور بصیرت کا متلاشی تھا۔ میرے والد عیسائی تھے۔ لہٰذا میں بھی عیسائی تھا۔ لیکن میرے دادا عیسائی نہ تھے۔ وہ ہندوؤں کی اونچی ذات میں سے یعنی برہمن تھے۔ جب انگریزوں نے برصغیر پر قبضہ کر لیا، تو میرے دادا بھی حالات کے دھارے میں بہہ گئے۔ انہوں نے اپنا دین چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لی۔ میرے دادا بھی عیسائی ہو گئے۔ میں مذہب کے بارے میں سوچتا ہی رہتا تھا۔ میں کبھی تنہا نہیں رہا۔ کیونکہ تنہائی میں کتاب میری رفاقت کرتی ہے۔ مجھے مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ میں عیسائی تھا۔ مجھے عیسائیت کے بارہ میں معلومات فراہم کرنے کا بہت ہی خیال رہتا۔ کبھی کبھار کوئی ذہنی جبر کہ بھی لگتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے شاہین کا جگر اور چیتے کا تجسس دیا تھا۔ میں ایک ہی بات پر مختلف بلکہ متضاد آراء پڑھ کر بے چین ہو جاتا۔ میں پوری دیانت سے کوشش کرتا کہ میں تین یا تین میں ایک کا فلسفہ سمجھ سکوں۔ میں نے بہت کچھ پڑھا۔ عیسائیت پر عالمی شہرت کے نامور مقرروں کے لیکچر سنے۔ میں لفظ محبت سن سن کر پاگل ہو جاتا۔ محبت کیا ہے؟ محبت کا فلسفہ کیا ہے؟ اس کی عملی صورت کیا ہے؟ نامور ادیبوں، پادریوں اور رہنماؤں کی تصانیف کا بڑی کاوش سے مطالعہ کرتا۔ لیکن میں اعتراف کرتا ہوں کہ میری محنت و دریافت بارآور نہ ہوئی۔ میں جتنا انجیل کا مطالعہ کرتا اتنا ہی عیسائیت سے برگشتہ ہو جاتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص احسان ہے کہ میں دہریہ نہیں ہوا۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ اگر حقیقی لگن کے ساتھ بائیبل کا مطالعہ کرے تو اس کی نا پختہ ذہنی اسے دہریت کی طرف مائل کر سکتی ہے۔

اللہ کی وحدانیت

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں رہنے والوں کی رہنمائی کے لیے اپنے پیغمبر بھیجے۔ ہم ان کی تعداد کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔ ہر قوم میں، ہر نسل میں اور ہر خطۂ زمین پر اللہ تعالیٰ کے نبی مبعوث ہوئے۔ ان سب کا مشن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان تھا۔ وہ بعض مخصوص عقدوں کو ناخن تدبیر سے حل کرتے اور لوگوں کی رہنمائی کرتے۔ لیکن میرے لیے عیسائیت کا فلسفہ اُلجھن بن گیا کہ یہ تین میں ایک یا ایک میں تین (تثلیث) کا مسئلہ ہے کیا۔ سچی بات یہ ہے کہ میں نے اس فلسفہ کو جس قدر پانے کی سعی کی میں اس سے اُسی قدر دُور ہوتا گیا۔

خود شناسی

میں بائیبل کا مطالعہ کرتا تو عجیب وغریب وسوسے میرے ذہن وخیال کی رعنائیوں کو گھیر لیتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص نے پوچھا۔ اللہ کی بادشاہت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا پہلے تم اپنے بارے میں سوچو، تم کیا ہو۔ پھر اللہ کی بادشاہت کی طرف تکنا۔ میں سوچتا ہی رہتا کہ کتنا سیدھا یہ فلسفہ ہے۔ انسان کو پہلے خود شناس ہونا چاہیے۔ جب وہ خود شناس

ہی نہیں ہے تو وہ خداشناس کیونکر ہو سکتا ہے!

انسانی تخلیق کا مقصد

نومسلم، وجیہ و جواں سال عامر علی داؤد میرے مختلف سوالات کو سنتے، ان کو سمجھتے، نہایت اعتماد کے ساتھ اُن کا جواب دیتے۔ اپنے ماضی کو کریدتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ ایک ہی سوال نے انہیں ہمیشہ بے چین رکھا۔ اور وہ یہ کہ انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب پانے کے لیے میں نے ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کی، سینکڑوں لیکچر سُنے اور ہزاروں راتیں تباہ کیں۔ لیکن مجھے عیسائیت اس سوال کا جواب نہ دے سکی۔ میں کبھی کبھار کسی سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرتا، تو میرے سوالات کا جواب دینے کی بجائے اُلٹا مجھے ڈانٹ پلا دی جاتی۔ بعض اوقات مجھے کافر تک کہہ دیا جاتا۔ میں سچائی کا متلاشی تھا، اور مجھی کو کفر کے فتوے کا پتھر کھانا پڑا۔ یہ بات میرے لیے بڑی سوہانِ رُوح تھی، لیکن میں کبھی دل شکستہ نہ ہوا۔ میں نے تاریخ انسانی کے بڑے بڑے باکمال لوگوں کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے۔ مجھے ان سے یہی سبق ملا کہ حالات نامساعد ہوں تب بھی انسان کو دل برداشتہ نہ ہونا چاہیئے۔ انسان دراصل شکست اس وقت کھاتا ہے جب اس کا ذہن مفلوج اور عزم و استقلال کے جذبے سے مبرا ہو جاتا ہے۔ میری عمر اس وقت ۴۳ سال ہے، یہ کچھ کم عمر نہیں۔ خاص طور پر اس لیے کہ اوائل عمر ہی سے حقیقتِ حال سے خابر ہونے کا جذبہ میرے قلب کی گہرائیوں میں کروٹ لیتا رہا ہے اور

جب مجھے میرے اس سوال کا جواب نہ ملتا کہ انسانی تخلیق کا مقصد کیا ہے تو میں بے چین ہو جاتا۔ مجھے کہا جاتا کہ انسانی تخلیق محبت کا ردِ عمل ہے۔ لیکن یہ تو تخلیق کا باعث ہوا۔ مگر خلق کے خلق کی غائت کیا ہے! اور انسان کو کیا کرنا ہے؟ اس کا دُور دُور تک مجھے اتا پتا نہ ملتا۔ آخر میرے وجدان نے میری راہنمائی کی۔

اللہ سجدہ پسند کرتا ہے

داؤد صاحب جب اپنے وجدان کی بات کر رہے تھے تو ان کی پیشانی پر ایک عجیب کیفیت، آنکھوں میں نیا نُور اور چہرے پر نئی شگفتگی پیدا ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چلچلاتی دھوپ میں سفر کرنے والے راہی کو کوئی گھنا سایہ میسّر آگیا ہے۔ فرمانے لگے، میں انسانی زندگی کا مقصد سوچ رہا تھا، کہ مجھے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا وقت یاد آگیا۔ جب ان کے پتلے میں روح پھونکی گئی۔ تو اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ اپنے تمام فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم دیا۔ سوائے ابلیس کے سبھی نے سجدہ کیا۔ اس سے یہ بات کھُل کر سامنے آگئی کہ اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ محبوب و مرغوب سجدہ ہے۔ جب اُس نے اپنی نورانی تخلیق کو سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا تو اس کا منطقی اور واحد نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ کہ اب انسان بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہو جائے۔

انجیل نے اسلام کی راہ دکھائی

اس موقع پر میں نے داؤد صاحب کو ایک صفحہ پر لکھی ہوئی اُردو عبارت دیکھنا چاہی۔ انہوں نے کہا "معاف فرمائیے میں اردو نہیں جانتا" ان کے اس جواب سنے مجھے چونکا دیا۔ اور میں یہ معلوم کیے بغیر نہ رہ سکا کہ جب آپ اُردو سے ناآشنا ہیں تو آپ نے مذاہب کے بارے میں تمام تحقیق کس زبان کی کتب کے مطالعہ سے کی۔ "صرف اور صرف انگریزی" یہ ایک واضح اور غیر مبہم جواب تھا۔ اگرچہ ان کا انگریزی زبان کا لب ولہجہ بہت ہی شستہ اور شگفتہ تھا۔ لیکن میں یہ اندازہ ہرگز نہ کر سکا تھا کہ وہ اُردو زبان سے ہی نابلد ہیں۔ داؤد صاحب نے انگریزی زبان کا بہترین لٹریچر اپنے زیر مطالعہ رکھا۔ دینیات پر انگریزی زبان میں جو کچھ میسر آسکا وہ ان کے نگارخانۂ خیال کی زینت بنتا رہا۔ فرمانے لگے، میں جوں جوں بائیبل کا مطالعہ کرتا میرے ذہن میں ایک عجیب خلا پیدا ہونے لگتا۔ میں اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرتا تو یہ خلا اور بھی بڑھ جاتا۔ میں کسی ماہر سے رجوع کرتا تو بعض اوقات سرزنش کے الفاظ آویزۂ گوش بنتے۔ اور بسا اوقات ان کی علمی بے بصیرتی روحانی کرب میں اضافہ کر دیتی۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ صرف اور صرف بائیبل ہی کا مطالعہ ہے کہ میرا ذہن اسلام کی طرف منتقل ہوا، اور میں نے محسوس کیا کہ یہی وہ دین ہے جو دکھی انسانیت کا سہارا ہے، یہی وہ دین ہے جو کامل و اکمل ہے اور یہی وہ دین ہے جو کسی خاص زمانہ، خاص قوم ا

کسی خاص خطۂ ارض کے لیے نہیں بلکہ آنے والے تمام زمانوں، دنیا کی تمام قوموں اور دنیا کے تمام خطہ ہائے ارضی کے لیے موزوں ترین ہے۔

اتباعِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام

میں سوچتا رہتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ازدواجی زندگی ہی بسر نہیں کی۔ پھر ان کو ماننے والے ازدواجی زندگی بسر کیوں کرتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر آٹھ سال تھی جب آپ کے ختنے ہوئے آخر عیسائی لوگ ختنہ کیوں نہیں کرواتے؟ قول و فعل میں یہ تضاد کیوں ہے؟ دراصل اس قسم کے تضادات ہی تھے جنہوں نے مجھے تلاشِ حق پر مجبور کیا اور میں خدائے عزّوجل کا لاکھ لاکھ مرتبہ شکر ادا کروں تب بھی حق ادا نہ ہوگا۔ اس نے مجھے بصیرت دی اور اپنے آخری و صحیح دین میں شامل ہونے کی استطاعت عطا فرمائی۔

نیا راستہ

اس مرحلہ پر میں نے داؤد صاحب کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ذہنی کرب کے آثار ان کے چہرے پر نمایاں تھے۔ ان سے بہت کچھ معلوم کرنا تھا۔ بعض باتیں بالکل سیدھے طریقہ پر معلوم نہیں ہوتیں۔ ان کے لیے مثبت کی بجائے منفی انداز اختیار کرنا پڑتا ہے، میں نے بھی کرنا ایسا ہی کیا میرا سوال ایسا ہی تھا۔ داؤد صاحب! الحمدللہ! آپ حلقہ بگوش

اسلام ہوئے۔ زیادہ مسرت کی بات یہ ہے کہ آپ مختلف مذاہب کا مطالعہ کرنے کے بعد ایمان لائے۔ لیکن ایک بات ابھی تک مبہم ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا تمامتر طریق منفی رہا ہے۔ آپ عیسائی تھے، آپ عیسائیت ہی میں تلاشِ حق کرتے رہے، لیکن آپ کو جگہ جگہ تضادات کے شاہکار ملے۔ آپ کا ذہن برگشتہ ہو گیا، آپ کا خیال ویران ہو گیا۔ لیکن یہ تو بتائیے؟ آپ سینیر کیمبرج ہیں۔ آپ کا مطالعہ بڑے بوڑھوں سے بھی سبقت لے گیا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آپ تضادات کا شکار ہو کر پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں آ گرے ہیں۔ آخر آپ نے یہ کیونکر یقین کر لیا کہ آپ جس دین کو اختیار کر رہے ہیں وہ واقعی احسن و اکمل ہے تمام زمانوں کے لیے ہے تمام زمینوں کے لیے ہے۔ تمام قوموں کے لیے ہے۔ آپ کے اس مفروضہ کی بنیاد کیا ہے؟

مطالعہ قرآن نے یہ تبدیلی پیدا کر دی

میں اپنے سوال کو شبِ ہجر کی طرح طویل کرتا جا رہا تھا اور داؤد صاحب کے سوال کے ایک ایک جزو کا جواب دینے کے لیے ماہی بے آب کی طرح بیتاب تھے۔ فرمانے لگے "اتنا تلخ سچ" اچھا کیا۔ آپ نے یہ سوال بھی کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے برگشتگی تضادات سے ہوئی۔ اور ان تضادات نے میرے سینے میں یہ نئی تڑپ پیدا کر دی کہ آخر سچائی کیا ہے، تو میں نے سچائی کی تلاش شروع کر دی۔ میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا۔ قرآن مجید کا انگریزی مطالعہ میرا محبوب مطالعہ تھا۔ میں حیران تھا کہ میں قرآن مجید کا

جوں جوں ترجمہ پڑھتا توں توں میرے خیالات میں ایک غیر محسوس سی تبدیلی پیدا ہونے لگتی۔ یہ بات میرے تحت الشعور میں رچ بس گئی۔ کہ اسلام کی حقیقت بھی معلوم کرنی چاہیئے۔ میں نے اس کی نظریاتی بنیاد (تھیوری) کو جانچا۔ میں نے محسوس کیا، قرآن کا پیغام آفاقی ہے۔ اس کا خطاب عوام الناس سے ہے۔ ان کی رسائی ہر حصہ سے ہے۔ میرا مطالعہ بڑھتا گیا اور یہ بات حق الیقین کی حد تک پختہ ہو گئی کہ نظریاتی اعتبار سے اسلام دنیا کے ہر مذہب سے بہتر مذہب ہے۔

میں نے زبور، تورات اور انجیل کے مطالعہ سے

محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا علم حاصل کیا

آپ نے شاید یہ سمجھا کہ میں نے عیسائیت کی تعلیم میں تضادات کا شکار اس دین سے برگشتہ ہو گیا۔ آپ نے یقیناً درست اندازہ کیا۔ لیکن میرے بھائی میں نے اسلام کو خوب سوچ سمجھ کر قبول کیا۔ آپ ہی بتایئے کیا زبور، تورات اور انجیل اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں نہیں ہیں؟ آپ یقیناً اس کا جواب اثبات میں دیں گے۔ لیکن کیا آپ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تینوں کتابیں اپنی اصلی حالت میں ہیں۔ جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا۔ اس کا جواب آپ ہی نہیں بلکہ ان کتابوں کے ماننے والے بھی صرف

اور صرف نفی میں دیں گے۔ ان کتابوں کا کوئی بڑے سے بڑا عالم بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ ان کتابوں میں تحریف نہیں ہوئی۔ ان میں یقیناً تبدیلیاں ہوئی ہیں امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں ان کتابوں کی اصل ہی غائب ہو چکی ہے۔ اب تو جو کچھ ہے وہ تو محض بھوگ ہے۔ لیکن میں نے ان کا جب بغور مطالعہ کیا تو ان کتابوں ہی سے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا خال جانا۔ میں بڑے بڑے پادریوں کے پاس گیا۔ انہیں ٹوکا، انہیں یاد دلایا۔ اور انہیں بالاطرر کہا۔ تم لوگوں کو دھوکا کیوں دے رہے ہو۔ تم لوگوں کو کیوں نہیں بتاتے کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، تم انہیں اپنے مکر و فریب کے دامِ تزویر میں کب تک پھنسائے رکھو گے۔ لیکن میری کسی نے نہ سُنی۔ نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ میں ذہنی پراگندگی کی حالت میں قرآن مجید کی طرف رجوع کرتا، مجھے ایک عجیب لذّت محسوس ہوتی۔ میں عربی نہیں جانتا۔ میں اس نعمت سے محروم ہوں۔ لیکن یقین کیجئے کہ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ ہی سے مجھے عجیب حظ ملتا۔ اور میں سوچتا ہی رہتا کہ زبور۔ تورات اور انجیل کے بارہ میں جس قدر یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ایک دَور گزر جانے کے بعد دوسرے دَور میں ان میں تبدیلیاں کی گئیں۔ بالکل اتنے ہی یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جب سے قرآن مجید محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوا۔ اس وقت سے اب تک اس میں ایک لفظ، ایک حرف، ایک شوشہ اور ایک زبر، زیر تک کی بھی کمی نہیں آئی۔ اللہ اللہ قرآن مجید کے سچا ہونے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ بات اس حد تک سچی ہے کہ انسان جھوٹ کا تصوّر کا نہ کر سکے۔ تو پھر اس پر ایمان ہی کیوں نہ

لایا جائے۔

اسلام اس دنیا کا آخری، احسن، اکمل مذہب ہے۔ یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ آج دوسرے مذاہب کے لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے۔ تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ یا تو دنیوی جاہ جلال کا شکار ہیں، یا حرص و طمع کا۔ بات کچھ بھی ہو سچائی کا اس سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ میں نے تمام مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا ہے اور یہ مطالعہ برس ہا برس پر محیط ہے لیکن اس طویل مطالعہ کے باوجود میں اس نتیجہ پہ پہنچا ہوں کہ اسلام ہی دنیا کا واحد، سچّا اور مکمل دین ہے۔ تمام نبی برحق ہیں۔ لیکن ہر نبی ایک خاص وقت میں، ایک خاص دَور میں اور ایک خاص قوم کے لیے مبعوث ہوُا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک خاص وقت، ایک خاص قوم، ایک خاص علاقہ کے لیے مبعوث ہوئے۔ لیکن جب اللہ کے آخری رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہوگئیں اور ان کی جگہ شریعت محمدیہ کا نفاذ ہوُا جو قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔ میں ابھی اپنے تقابلی مطالعہ کی کئی باتیں منظرِ عام پہ لانا نہیں چاہتا لیکن جس طرح وقت نے مہلت دی یا تقاضا کیا۔ اسی طرح ہر گرہ خود بخود کھلتی جائے گی اور میں اپنے مطالعہ کا حق ادا کروں گا۔

آپ نے مجھ سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ میں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کس کس عالمِ دین سے رجوع کیا۔ میرا جواب واضح ہے اور وہ یہ کہ میں نے کسی سے بھی رجوع نہیں کیا۔ میں نے براہِ راست قرآن مجید سے نورِ بصیرت حاصل کیا۔ میں نے اپنے ذہن و خیال کی ہر کجی یا کمی کو اکابرِ دین کے اسوۂ مبارک سے پورا کیا۔ بلاشبہ میں بہت سے اصحابِ بصیرت سے ملا ہوں۔

میں نے ان سے دینِ اسلام کے بارے میں بہت کچھ پوچھا ہے۔ لیکن ان ملاقاتوں کا قبولِ اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو کیا آپ نے صرف تھیوری (نظریہ) کی حد تک تسلیم کرنے کے بعد ہی اپنانے کا فیصلہ کیا ہے؟ نہیں میرے بھائی! میں اپنے ذہن کی ساخت کے اعتبار سے تھیوری کے ساتھ ساتھ پریکٹس (عمل) میں دیکھا، تب بھی اسے دنیا کا بہترین مذہب پایا۔ میرے سامنے ہادیٔ اسلام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی حیاتِ طیبہ ہے۔ وہ زندگی بسر کرنے کا بہترین نمونہ چھوڑ گئے ہیں۔ انہوں نے شادیاں کیں، انہوں نے دکھ جھیلے، مصائب برداشت کیے، آلام سہے۔ بیماریوں کا شکار ہوئے، مختلف مہمات سر کیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک حصہ ہم لوگوں کے لیے بہترین درس کی حیثیت رکھتا ہے آپ کی زندگی پر دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ ظاہر ہے جب ہادیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی ازدواجی، معاشرتی اور مجلسی زندگی اتنی عظیم وجلیل ہے تو پھر تھیوری کے بعد اسلام کی پریکٹس پر بھی ایمان لانا پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی زندگی کے بعد صحابہ کرام کی حیاتِ طیبہ کا بھی مطالعہ کیا۔ اللہ اللہ اسلام کا کتنا جمیل وجلیل نظامِ حکومت ہے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت ہو تو ایک کتا بھی بھوکوں نہ مرے۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا دور ہو تو وہ کنگ رچرڈ کی کسی عیاری مکاری کا بھی شکار نہ ہوتا تھا۔ اب اہلِ اسلام جس زبوں حالی کا شکار ہیں اس کا تعلق اسلام سے ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ اہلِ اسلام کی اسلام سے برگشتگی، اسلامی اصولوں سے انحراف اور ذاتی و اجتماعی زندگی میں دنیوی لہو ولعب کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ میں کسی فرد یا افراد کے اعمال کو اسلام تسلیم نہیں کرتا۔ میں تو اسلام کو براہِ راست قرآن مجید سے سمجھتا اور اس کی عملی تفسیر دین کے اکابر کی زندگی

میں تلاش کرتا ہوں۔

میں نے دیکھا کہ ایک ٹرین میں اگر مسلمان، عیسائی اور ہندو یا پارسی وغیرہ سفر کر رہے ہوں۔ تو مسلمان وہ واحد شخص ہے جو کسی مذہبی مناقشہ کا شکار نہیں ہوتا۔ اسے اپنی بے عملی کے باوجود اپنے خدا سے ایک حقیقی تعلق ہے اور جب نماز کا وقت آتا ہے تو وہ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ کس ماحول میں ہے، کہاں ہے، اپنے اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہو جاتا ہے۔ جب کہ یہ لذت کسی بھی دوسرے مذہب میں نہیں۔ ان کی عبادت ان کے عبادت خانوں تک محدود ہے۔ لیکن اسلام ایک ایسا ہمہ گیر مذہب ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے ماننے والوں کے لیے اس تمام زمین کو اس کے لیے عبادت کی جگہ بنا دیا ہے۔ اسلام کی ہمہ گیری کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ جگہ کی حدود کا بھی قائل نہیں۔ یہ رنگ و نسل کو بھی قبول نہیں کرتا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پہلے جتنے بھی نبی آئے ہیں ان سب کو سچا اور اللہ کا بھیجا ہوا نبی تسلیم کرتا ہے۔ میں نے اسلام کا مطالعہ کیا، میں نے ہادیٔ اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت کا مطالعہ کیا۔ میں نے اکابر اسلام کی زندگیوں کو کھنگالا مجھے ہر جگہ سچائی ہی سچائی نظر آئی۔ اور جب میں خود اسی مقام پر پہنچا کہ سجدہ بہترین عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب و مرغوب ہے۔ تو میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جھک گیا۔ میں نے نماز پڑھی یقین کیجیے کہ جب میں سجدہ میں تھا تو میں نے ایسا محسوس کیا کہ اب میرے اور میرے خالق کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ قرب اور اس سے براہِ راست تعلق صرف اسلام ہی مہیا کرتا ہے۔ اور جو مجھ جیسے تلاشیٔ حق کی روحانی تسکین کا سبب بن سکتا ہے اس لیے خاطر جمع رکھیے۔ میں نے اسلام کو

سمجھا، دیکھا اور پرکھا ہے۔ اسے بہترین مذہب پایا تب اسے قبول کیا۔

مجھے فخر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے بہت اچھے بچے عطا کیے ہیں۔ ایک بیٹا، ایک بیٹی۔ میری بیٹی ابھی چار سال کی تھی کہ میں نے اسے ایک عیسائی اسکول میں داخل کرا دیا، وہاں کچھ مسلمان بچیاں بھی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ استانی نے کہا۔ اب دینی تعلیم کا وقت ہے۔ جو بچیاں عیسائی ہیں وہ گرجے میں چلیں۔ میری بیٹی صبرینہ عالیہ اپنی نشست پر بیٹھی رہی۔ واپسی پر استانی نے پوچھا تم کیوں نہیں گئیں، تو اس نے تن کر جواب دیا۔ ہم مسلمان ہیں وہ یہ جواب سن کر وہ استانی تصویر حیرت بن گئی۔ ہیڈ مسٹریس نے ہمیں واقعہ کی اطلاع کی۔ میں خود حیران رہ گیا۔ میری چار سالہ بیٹی ہے جو عیسائی باپ اور عیسائی ماں کے بطن سے ہے۔ اس نے خود کو مسلمان کیونکر کہا۔ بہرحال میں نے اسکول والوں سے کہا۔ یہ میری بیٹی کا معاملہ ہے میں اس کے بارے میں کچھ مداخلت نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بات جو آج سے پانچ سال پہلے کی میرے دل و دماغ کو آج بھی ایک عجیب استفہام کا شکار بنا رہی ہے۔ آخر چار سالہ معصوم بچی نے ایسا ٹھوس جواب کیسے دیا۔ یہی حال میرے لڑکے کا ہے۔ جو مذہبی طور پر مسلمان ہے۔ مجھے میرے اکثر دوست مسلمان کے طور پر ہی جانتے تھے۔ رہا میری بیوی کا مسئلہ، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے وہ اپنے اصلی دین کی طرف خود برضا و رغبت واپس لوٹ آئی ہے۔ اس کے والد مسلمان تھے۔ لیکن انگریزوں کے دور میں عیسائی ہو گئے تھے۔ وہ عیسائی باپ کی بیٹی ہونے کے باوجود خیالات کے اعتبار سے بھی عیسائی نہ تھی۔

الحمدللہ! اب میں مسلمان ہوں۔ گذشتہ جمعہ جب میں نے شاہی مسجد لاہور کے خطیب حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ کی موجودگی میں اسلام قبول کیا۔ تو میں

اس پرندہ کی طرح ہوں۔ جو قفس سے آزاد کر دیا گیا ہوں۔ اب میں ایک وسیع تر برادری کا رکن بن گیا ہوں۔

اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے جو سب سے بڑی دولت ملی ہے وہ قربِ الٰہی ہے۔ اب میرا رشتہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہے۔ میں جب نماز پڑھتا ہوں تو ایسا محسوس کرتا ہوں کہ اپنے رب سے ہمکلام ہوں۔ ظاہر ہے جس شخص کا رشتہ براہِ راست اس دنیا کے خالق و مالک سے مل جائے وہ پھر کسی معاشرہ یا گروہ کے طعن و تشنیع کو کیوں کر خاطر میں لا سکتا ہے۔ میں مدت سے ایک ایسے آئینہ کی تلاش میں تھا جس میں میرا چہرہ فٹ نظر آئے۔ الحمدللہ! اسلام کی شکل میں میرے اللہ نے مجھے وہ آئینہ عطا کر دیا ہے۔ اب میری خواہش صرف یہ ہے کہ بچوں کو دینی تعلیم دلانے کا خاص اہتمام کیا جائے۔ میرے بچے تو دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ میں اپنے تمام مسلمانوں کے بچوں کی بات کر رہا ہوں۔ کیونکہ دینی تعلیم ہی ہمیں صحیح مسلمان بنا سکتی ہے اور صحیح مسلمان ہی معاشرہ میں اپنا صحیح مقام پہچان سکتا ہے۔ اور صرف اسی طرح ہم عالمی برادری میں اپنا کھویا ہوا مقام پا سکتے ہیں۔ میں یہ بات بھی پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارا دین اسلام ایک جامع دین ہے جو ہماری زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہے۔ یہ بات غلط ہے کہ دین اور سیاست دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ بلکہ میں اپنے وسیع تر مطالعے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ اسلام ہی وہ صحیح و اکمل دین ہے جس میں معاشرت اور سیاست ترازو کے دو پلڑے ہیں۔ کسی کو کسی سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارا دین ریاکاری نہیں بلکہ راست گوئی سکھاتا ہے۔ اس لیے یہ دین سیاست سے جدا نہیں، بلکہ سیاست اس کا ایک حصہ ہے۔

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

نماز کے منظر نے میری کایا پلٹ دی

اسلام مساوات کی عملی مثال قائم کرتا ہے

امریکی سیاہ فاموں نے "سیاہ قوت" کے نام پر امریکہ میں جو معاشرتی اکھاڑ پچھاڑ کی ہے۔ اس سے بیشتر لوگ آگاہ ہیں۔ سیاہ فام امریکی تین سو سال تک سفید فاموں کے ظلم و ستم سہتے رہے، علیحدگی کی زندگی گزارتے رہے پھر انہوں نے ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کی معتدلانہ قیادت اور باتوں سے ہٹ کر بڑی تیزی سے جنگجویانہ رویہ اختیار کیا۔ سفید فاموں کے استبداد کا جواب دہشت گردی سے دیا جانے لگا۔ امریکہ میں ۱۹۶۵ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک خوفناک نسلی فسادات ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ امریکی دارالحکومت کے بعض حصے بھی آگ کی نذر ہو گئے۔

اگرچہ "سیاہ قوت" کی اس تحریک نے کچھ تعمیری نتائج بھی پیدا کئے ہیں لیکن اس کی بنیاد اصل میں "مایوسی اور احساسِ شکست" پر ہے۔ اب تحریک گروہ بندیوں اور اختلافات کا شکار ہو چکی ہے۔ تاہم مجھے پہلی بار جس چیز نے اسلام سے متعارف کرایا وہ سیاہ فاموں کے ساتھ سفید فاموں کا ذلت آمیز

اور ناقابلِ برداشت سلوک تھا۔ ملک الشہباز (میلکم ایکس) نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کی تبلیغ اور اسلامی تعلیمات کا پرچار شروع کیا تو میری توجہ اسلام پر مرکوز ہوگئی اور میں یہ سوچنے لگا کہ امریکی سیاہ فاموں اور امریکی معاشرہ کے مسائل کا حل سوشلزم، سرمایہ داری یا اشتراکیت میں مضمر نہیں ہے بلکہ اسلام ہی یہ مسائل حل کر سکتا ہے۔

میں نے اپنی ذہنی تبدیلی کے باوجود میلکم کی تحریک میں شرکت نہ کی۔ کیونکہ اس وقت میں عیسائی فرقہ "جیہوداز ولنسز" کا نوجوان پادری تھا۔ میں عیسائیت کو ترک کر کے اسلام قبول کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ تاہم میں اسلام کے پیغام پر غور و خوض کرتا رہا۔ بعد ازاں مجھے اپنے فرقہ کے بعض عقائد سے سخت اختلافات ہو گئے۔ اور میں نے یہ فرقہ چھوڑ دیا۔ اس فرقہ کی طرف سے کئی بار مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کی تاریخیں مقرر کی گئیں۔ لیکن ہر بار تاریخ غلط ثابت ہوئی۔ علاوہ ازیں اس فرقہ کی اخلاقیات کا حال بھی پتلا تھا۔ اس فرقہ سے علیحدگی کے بعد میرا رجحان کچھ کچھ یہودیت کی طرف ہو گیا۔ اور میں نے عبرانی زبان بھی سیکھنی شروع کر دی۔ لیکن یہودیوں میں رہ کر مجھے سکون اور اطمینان نہ ملا۔ ہر موقع پر اور ہر بار ان کے نسلی اختلافات سامنے آجاتے اور میں یقین کرنے پر مجبور ہوگیا کہ نسلی برتری کا احساس رکھنے والے روشن خیال امریکی یہودی مجھ ایسے سیاہ فام کو اپنی برادری میں بھائی کے طور پر کبھی جگہ نہیں دیں گے۔ اس کے بعد میں نے مذہب کی طرف توجہ نہ دی۔ اور امریکی شہروں کی تاریک وادیوں میں مفلوک الحال اور ستم رسیدہ لوگوں کی امداد کرنے لگا۔ میں ۱۹۶۷ء میں کولمبیا کے جیل خانہ میں سماجی کارکن کے طور پر کام کر رہا تھا کہ مجھے پھر اسلام کی آواز سنائی دی۔ جیل میں بہت سے ایسے

قیدی تھے جو ایک فرقہ "سیاہ فام مسلمان" سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ اس فرقہ کا اسلام مکمل اور صحیح اسلام نہیں تھا۔ تاہم ان کا اسلام بھی اپنے پیروکاروں کو بہتر انسان بننے کی تعلیم دیتا تھا اور عیسائیوں کے مختلف فرقے اس قسم کی تعلیم نہیں دیتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ سیاہ فام مسلمان قیدیوں کا طرزِ عمل بہت اچھا ہے اور وہ معاشرے میں اپنی بحالی کے دل سے خواہاں ہیں۔ میں نے ان مسلمان قیدیوں میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ ایک دن حسنِ اتفاق سے مجھے اپنا ایک پرانا دوست ملا۔ کسی زمانہ میں وہ بھی میری طرح پادری تھا۔ اب اس میں ایک مکمل تبدیلی آ چکی تھی۔ زندگی کے متعلق اُس کا نظریہ صحت مند اور پُراعتماد ہو چکا تھا اور وہ خوش و خرم نظر آ رہا تھا۔ فطری طور پر میں نے اس سے اس تبدیلی کا سبب پوچھا، ایک سیاہ امریکی معاشرے میں اس طرح خوش و خرم کس طرح نظر آ سکتا تھا؟ میرے دوست کا جواب سیدھا سادہ تھا۔ اس نے کہا اس تبدیلی کا راز اور میری خوشی کا سبب صرف اور صرف "اسلام" ہے اس نے کہا کہ اسلام پر عمل کرنے اور خدا تعالیٰ کے حضور میں جھکنے سے وہ تمام مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ جو "سیاہ قوت" کبھی حل نہیں کر سکتی۔ اس نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رہنمائی ہر طرح کی نفرت، حقارت اور استبداد پر حاوی اور غالب ہے۔ اس نے مجھے واشنگٹن کے اسلامی مرکز میں مدعو کیا اور میں نے اس کی دعوت قبول کر لی۔

مجھے اس مرکز میں پہلی بار جا کر جو لذت اور فرحت نصیب ہوئی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ میں اس مرکز کی پُرشکوہ عمارت سے متاثر ہوا تھا یا قرآن خوانی نے مجھ پر اثر کیا تھا۔ مجھے جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ نماز تھی۔ سب مسلمان امیر و غریب ایک ہی

صف میں کھڑے ہو کر ایک ہی خدا کے حضور جھکے ہوئے تھے۔ اس منظر نے میری کایا پلٹ دی اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے مجھے صبر و سکون کا خزانہ مل گیا ہے۔ اس سے پہلے میں امریکی معاشرہ میں اپنے تجربات کے پیشِ نظر یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ کسی معاشرہ کی بنیاد اخوت و مساوات ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں سب لوگ اخوت و مساوات کے رشتہ میں منسلک تھے۔ ان میں سفید فام، سیاہ فام، امریکی، اجنبی، عرب، افریقی کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ میں نے اس تبدیلی کے بعد یہ محسوس کیا اور دیکھا ہے کہ اسلام میں مساوات اور اخوت کا تصور محض تصور نہیں ہے بلکہ اسلام کے دائرہ کار میں آنے والے واقعی ایک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب میں دوسری بار مرکز میں گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا اقرار کر لیا۔ اور مسلمان ہو گیا۔

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری زندگی نسلی امتیاز کی نذر ہونے سے بچ گئی اب میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ میری باقی زندگی اسلام کی خدمت اور گمراہوں کی رہنمائی کے لیے وقف فرما دے۔ امریکی معاشرے کے ہر طبقہ میں ایسے بہت سے لوگ موجود ہیں جو اسلام کے متعلق جاننا چاہتے ہیں۔ اب تک اسلام کو مغرب میں غلط رنگ میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ اب لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور دوسرے عقائد سے بیزار ہو رہے ہیں۔

رسولِ پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انسانی ہمدردی کو

مسلمانوں کے لیے اہم معاشرتی اصول ٹھہرایا ہے

یورپ کے اہلِ بصیرت جو اسلام کی صداقتوں سے آشنا ہو کر دینِ خداوندی پر ایمان لے آتے ہیں اور اس پر پوری استقامت سے قائم رہتے ہیں۔ ان کی ہمت اور جذبے کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے، وہ صحیح معنوں میں ایک مجاہدانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد ان کے لیے اپنے معاشرے میں دشواریوں کا ایسا سلسلہ لامتناہی شروع ہو جاتا ہے جو انہیں قدم قدم پر اپنے عقیدے سے انحراف پر مجبور کرتا ہے۔ انہیں خدائی احکام پر عمل پیرا ہونے اور اپنے مادیت پرست ماحول میں اراکینِ اسلام کی پابندی میں اتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اسلامی ممالک میں رہنے والے خوش نصیب مسلم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

تراسیٹھ سالہ جرمن مسلمان مسٹر بشیر البرشٹ جنہوں نے محض اپنی روح کی پکار اور ذہن کی مکمل آمادگی کی بنا پر اسلام قبول کیا تھا، ہمیں اپنے تجربات کی رُوداد سناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یورپ میں صراطِ مستقیم پر چلنا اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کی پابندی کرنا اتنا جان جوکھوں کا کام ہے، کہ انسان اپنی حتی المقدور کوشش اور مساعی کے باوجود ہر مردِ مومن

بننے میں کامیاب نہیں ہو پاتا اور جیسا کہ بعض دفعہ خود بھی انسان کا جی چاہتا ہے کہ وہ کامل مسلمان بن کر اپنی رُوح کے تقاضوں پر پورا اترے۔

مسٹر بشیر تقریباً چالیس برس پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اس وقت دوسری جنگِ عظیم تھی اور وہ نازی فوج کے ایک اہم سپاہی تھے۔ تب ان کی ملاقات چند عرب سپہ سالاروں سے ہوئی۔ مسٹر بشیر ان کو پابندی سے نماز ادا کرتے اور قرآنِ کریم کا باقرأت مطالعہ کرتے دیکھتے تو یہ سب کچھ ان کے دل میں گھر کر جاتا۔ چند دنوں بعد مسٹر بشیر نے ان سے درخواست کی کہ وہ انہیں نماز کا ترجمہ کر کے بتائیں۔ نیز اسلام کے بارے میں مزید معلومات بھی بہم پہنچائیں۔ چنانچہ ان کی خواہش پر انہیں نماز اور قرآن کے کچھ حصوں کے تراجم سمجھائے گئے اور اسلام پر مبنی انگریزی کی کتب بھی پیش کی گئیں۔ دو ماہ بعد جب یہ جرمن سپاہی ملک واپس لوٹا تو وہ ایک پکا اور باعقیدہ مسلمان تھا اور اسلام اس کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔

بشیر البرشٹ سے ایک حالیہ ملاقات میں ہم نے انہیں بحیثیت ایک باعمل مسلمان کے اپنے روزمرہ تجربات اور اپنے معاشرے اور عزیز و اقارب میں شب و روز گزاری کے معمولات بیان کرنے کو کہا جسے انہوں نے فوری طور پر قبول کر لیا۔ ذیل میں ہم ان کے احساسات اور تجربات کو انہی کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وہ گویا ہوئے:

"یورپ میں اسلام قبول کرنا سہل اور اس پر عمل پیرا ہونا سخت دشوار ہے۔ اس کے لیے اپنی مثال دیتا ہوں۔ اپنی انتہائی محنت اور کوشش کے باوجود میں ایسا مسلمان بننے میں کامیاب نہیں ہو سکا

جیسا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بندے سے تقاضا کیا ہے۔ دراصل اسلام ایک ایسا مذہب نہیں ہے کہ ہفتے میں صرف چند منٹ اس کے لیے وقف کر دیں۔ اسلام فرد سے چوبیس گھنٹے کا نظم و ضبط، قاعدے اور قرینے کا تقاضا کرتا ہے ہماری زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو اسلام کی حلقہ بندی سے باہر رہ گیا ہو۔ جہاں تک اس لطیف مگر مستحکم ترین لائحۂ عمل کا نتیجہ ہے جسے اسلامی ضابطہ حیات کہتے ہیں۔ اس پر راست بازی سے عمل کرنا یورپ کے معاشرے میں اتنا مشکل بنا دیا گیا ہے کہ انسان اپنی رُوح کو محبوس کرنے لگتا ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹیں پریشان کر دیتی ہیں کہ وہ سوچتا ہے کہ کاش وہ کسی اسلامی ملک میں پیدا ہُوا ہوتا کسی مسلم گھرانے میں جنم لیا جاتا، کہ کم از کم اس کا گھر تو ایک عافیت کدہ ثابت ہو سکتا۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ اگر ایک فرد اپنی رُوح کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کا پابند بنتا ہے۔ تو اسے معاشرے کے تضادات کے درمیان اپنے مذہبی واجبات کی ادائیگی میں پوری قوت صرف کرنی پڑتی ہے۔"

✱

عقیدہ انسان کے لیے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ انسان کافر ہو سکتا ہے مگر یہ ناممکن کہ وہ کچھ بھی نہ ہو۔ تاہم ان امور کے باوجود میرا خیال ہے کہ اگر کوئی فرد اپنے عام مشغولات کو دیانتداری سے انجام دیتا ہے۔ اس کے دل میں دوسرے انسانوں کے لیے ہمدردی اور اخوت کا مادہ موجود ہے۔ اس

کے اصولوں میں راست بازی اور اس کے قول و اقرار میں پختگی ہے تو وہ اگر مسلمان نہ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ شخص ہوگا۔ کیونکہ وہ بغیر یہ جانتے ہوئے کہ یہی اصول و قواعد اور معاشرتی حدود و قیود اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہیں، ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسے بے علم تو کہا جا سکتا ہے بے عمل قرار نہیں دیا جا سکتا جب کہ اسلام نے بھی باعمل ہونے پر زیادہ زور دیا ہے۔ آخر اسلام بھی تو بندے کو یہی درس دیتا ہے، کہ اخلاقی اور ذہنی پاکیزگی و طہارت کی راہ اختیار کرو۔

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی ہمدردی و بھائی چارہ کو مسلمانوں کے لیے اہم معاشرتی اصول ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے توقع رکھتا ہے کہ آپ اس کے بنائے ہوئے انسانوں کے حقوق بطریقِ احسن پورے کریں۔ آپ کے ہاتھ پاؤں یا زبان سے کسی فرد کو کوئی گزند نہ پہنچے گویا اسلام کے زریں قواعد کی پابندی اور احترام اسلام کا مفہوم نہ جانتے ہوئے بھی قابلِ تحریم ہے۔ ہو سکتا ہے میرے ان خیالات سے میرے بہت سے مسلم بھائیوں کو اختلاف ہو۔ مگر میرا ذاتی نظریہ یہی ہے کہ خدا کے نزدیک وہ شخص زیادہ غیر پسندیدہ ہے۔ جو خود کو مسلمان بتاتا ہے مگر اسلام کے احکام کی بجا آوری میں کوتاہی برتتا ہے۔ مگر ایسا کرنا نہ صرف اسلام سے انحراف سے مترادف ہے بلکہ اسے شرک اور منافقت بھی قرار دیا جا سکتا۔

"نماز" اسلام کے بنیادی ارکین میں سے ایک ہے۔ اس کی اہمیت واضح اور مقدم ہے لیکن سمجھنا غلط ہے کہ نماز پڑھ کے انسان خدا کے لیے ایک کوئی منافع بخش کام کر رہا ہے۔ خدا کو بندوں کی نمازوں کی ضرورت نہیں نماز کی حقیقت یہ ہے کہ ا[illegible] حالت سے فرد اپنے رب سے براہِ راست رابطہ قائم کر لیتا ہے۔ وہ

وہ اس بالمشافہ ملاقات میں اس کا شکر ادا کر سکتا ہے۔ اس کی حمد و ثنا کر سکتا ہے، اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لیے تقاضا کر سکتا ہے۔ ایک پشیمان ضمیر خدا کے آگے سجدہ ریز ہو کر سکون اور راحت کی وہ دولت سمیٹ سکتا ہے جس کا کوئی متبادل وسیلہ اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا۔ غرضیکہ نماز خدا اور بندے کی رازدارانہ ملاقات کا ایک وسیلہ ہے۔ اس عمل میں بس خدا ہوتا ہے اور اس کا بندہ۔ دونوں میں جو باتیں اور جو عہد و پیماں ہوتے ہیں وہ کسی تیسرے فرد کی مداخلت سے عاری ہوتے ہیں۔

میں ذاتی طور پر نماز کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ اپنے خالق سے قریبی رابطہ میری روح کی ایک اشد ضرورت ہے۔ نماز کی ادائیگی مجھے قوت اور بصیرت بخشتی ہے۔ اس توانائی کے اصراف میں میں دنیا کے تمام امور بخوبی سرانجام دے لیتا ہوں۔ نماز مجھے بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ کیونکہ مجھے ایکا ایکی یہ خیال گزرتا ہے کہ میں شرمندہ اور پشیماں ذہن لے کر اپنے رب کے حضور کس طرح حاضر ہو سکوں گا۔ چنانچہ میرے ہاتھ کسی غلط کام سے خود بخود کھنچنے لگتے ہیں۔ میں خدا کے پاس اتنا شفاف اور منعکس ضمیر لے کر پیش ہونا چاہتا ہوں جس میں میں اس کی پرچھائیں واضح طور پر دیکھ سکوں۔ میرا خیال ہے مذہبی پابندیاں اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر خاص نعمت اور نوازش ہیں۔ ان کو قبول کر کے دل کو خوشی اور راحت نصیب ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان پابندیوں کو من و عن قبول کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کی باقاعدگی انسان کو اتنا خودکارانہ طور پر نیک بنا دیتی ہے کہ اس کے قدم صراطِ مستقیم پر کسی طبعی معاونت کے بغیر رواں رہتے ہیں۔ اور اگر کسی موقع پر قدم بھٹکنے لگیں تو ضمیر کی خلش فوراً الارم بن کر راہنمائی کر دیتی ہے۔

✻

یہ مسرت اور شکر کا مقام ہے کہ اب اسلام کی نور پاشی صرف ایشیا، افریقہ اور عرب دنیا کا حصہ نہیں رہی۔ بلکہ یورپ بھی اس سعادت سے باریاب ہو رہا ہے۔ خدا اپنے خاص فضل و کرم سے جرمن بلکہ تمام یورپی لوگوں کے اذہان پر پڑے ہوئے پردوں کو دُور کر رہا ہے۔ اسلام کے مطالعہ میں لوگوں کی دلچسپی اور رغبت بڑھتی جا رہی ہے۔ اور یہ اسی ذوق و شوق کا نتیجہ ہے کہ جرمنی میں بھی اسلام کی مقبولیت میں اضافہ ہو رہا ہے اور لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں۔

مگر یہاں میں ان لوگوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھوں گا جنہوں نے آغاز تو بہت جوش و خروش سے کیا، مگر راہ کی مشکلات دیکھ کر ان کے حوصلے سرد پڑ گئے۔ کچھ لوگ یہاں ایسے بھی ہیں جو محض نام کے مسلمان ہیں۔ انہوں نے اپنے عملی حلقوں میں مسلمانوں سے متاثر ہو کر اسلام کے دائرے میں قدم رکھ لیا مگر اسلام کی طرف سے عائدکردہ پابندیوں کو اپنی ذات پر ایک بوجھ سمجھ کے بس ابتدائی نقطے پر ہی رہ گئے۔ انہوں نے نہ اسلام کا وسیع مطالعہ کیا، نہ اس کی باریکیوں کو جانا اور نہ اس پر سختی سے عمل پیرا ہونے میں سنجیدہ ہوئے۔ ان لوگوں کا نام تو ابھی تک اسلامی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انہیں مسلمان کہتے ہوئے ہر مسلمان کا دل دُکھتا ہے۔

یہاں جرمن مسلمانوں کا وہ کاروباری فرقہ بھی زیرِ تذکرہ آنا چاہیئے جس نے محض مادّی فوائد حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے۔ میں ایک ایسے جرمن تاجر کو جانتا ہوں جو پاکستان اور ایران سے قالین درآمد کرتا ہے۔ اس نے محض اپنے مسلمان تجارتی رفقاء کو مرعوب کرنے اور ان سے مراعات لینے کی غرض سے اسلام قبول کیا ہے اور اپنا اسلامی نام رکھا ہے اس کا یہ طریقہ کارگر ثابت ہوا ہے۔ اور وہ اب زیادہ منافع بخش بنیادوں

پر درآمد کر رہا ہے۔

٭

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اپنی اور اپنے ہم مذہبوں کی خامیاں بیان کرنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کروں گا۔ ہم مسلمان لوگ بنیادی طور پر ایک ہیں۔ ہمارے اصول و ضوابط میں کوئی اختلاف نہیں۔ پھر بھی جانے کیوں ہم فرقہ بندی میں مبتلا ہیں۔ ہم نے محض فروعی معاملات کی بنا پر اپنی وحدت کو توڑ ڈالا ہے، جسے کسی طور پر قابل تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ ہیمبرگ مذہب کے تمام اراکین محض اسلام کی سربلندی کے لیے کوشاں ہیں۔ ہمارے پاس ایک دفعہ ایک نوجوان جرمن آیا، جو دائرہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اور اس کے بعد ایک مصری نژاد سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے اسے قواعد کے مطابق حلقہ بگوش اسلام کر کے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا۔ اور مسجد کے ایک بزرگ رکن نے ان کا نکاح پڑھ دیا۔ جب یہ لوگ مصر میں اپنے والدین یعنی لڑکے کے سسرال گئے تو انہوں نے فرمائش کی کہ ایک دفعہ مصری طرز پر دوبارہ رسم نکاح ادا کی جائے۔ چنانچہ عین موقع پر جب نکاح پڑھا جا رہا تھا۔ تو ملا کی نظر اس سطر پر پڑی جہاں ہیمبرگ مسجد کی مسلم ایسوسی ایشن کا پتہ درج تھا اور اسے ایک اسلامی فرقے کے رجحان کی حامل تنظیم قرار دیا گیا تھا، نکاح کی رسم یک لخت جھگڑے میں بدل گئی اور تمام شرکاء نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ تو فلاں فرقے کا شخص ہے۔ ہم اسے مسلمان تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ دولہا کو وہاں سے نکال دیا گیا۔ اور ایک مختلف فرقے کے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ لانے کو کہا گیا۔

مذکورہ بالا تفصیلات مسلمانوں میں فرقہ بندی کے رجحان کا ایک عکس پیش کرنے کے لیے بیان کی گئی ہیں ۔ ان سے مراد یہ نہیں ہے کہ مقامی مسلمانوں کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہے ۔ جرمنی میں خدا کے کرم سے سچے اور کامل مقامی مسلمان موجود ہیں ۔ جن کی وساطت سے اسلام کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے اور لوگ نہ صرف اس ارفع مذہب سے متاثر ہوتے ہیں بلکہ سچے دل سے تسلیم بھی کر لیتے ہیں ۔ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھا مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

(اخبار خواتین ۱۵ تا ۲۱، اپریل ۱۹۷۸ء)

بشیر البرشٹ

سے انٹرویو

اسلام ایک روشنی

قرآن نے نظام تہذیب وتمدن پیدا کیا، شائستگی کی روح پھونکی، سول گورنمنٹ کا نظام اور حدود عدالت کے قیام میں (اسلام) بڑا معاون ثابت ہؤا ہے۔ جہاں ابھی تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی، لوگوں کے فائدہ کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ حکومت برطانیہ اس کو (اسلام) قائم رکھ کر اس کو مضبوط اور طاقتور بنانے کی کوشش کرے۔ (مسٹر ای۔ڈی ماریل)

(ایک تقریر ۱۹۱۲ء)

پیغمبرانِ اسلام

کرنل رنگ سال امریکہ مشہور ملحد اور دہریہ ہیں۔ جن کی ساری زندگی مذہب سے لاتعلقی میں گزری ہے، ہندسے کا راج، الجبرا، علم المثلث کے گر، علم پیمائش، تاروں کے نقشے، زمین کا حجم، اعوجاج، طریق شمس، سال کی صحیح مدت، آلات ہیئت وغیرہ اور مختلف قسم کے کلاک، علم الکیمیا، علم المائعات، علم المناظر وغیرہ۔ جنہوں نے اس قدر ایجادات واختراعات کیں اور علوم وفنون کو اس قدر نشو ونما دی، وہ عیسائی نہ تھے۔ ہم کو خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ موجودہ سائنس کے سنگِ بنیاد پیغمبرانِ اسلام ہی کو رکھنے کا فخر حاصل ہے۔ جو کسی مفید کام کے لیے عیسائیت یا کلیسا کے منت پذیر نہیں ہے۔ (کرنل رنگ سال امریکہ)

عیسائیوں سے درخواست

اسلام کے خلاف جو عیسائیوں کا رویہ چلا آرہا ہے، اُسے کم کر دیا جائے وہ مغربی ممالک کے عیسائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ اسلام کو سمجھتے وقت وہ اپنے آپ سے تمام حسد کو برطرف کر دیا کریں۔

(میجر آرتھر کلائن لیونارڈ)

اسلام کا روحانی و اخلاقی کرشمہ

یہ محض اسلام کی اصلیت کا روحانی و اخلاقی کرشمہ ہی ہے کہ جس کی وجہ سے میں وضاحت کرنے لگا ہوں۔ یہ اعلان کرتے وقت کہ اسلام ایک رُوح رکھتا ہے۔ وہ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں، کیونکہ اسلام یہ یقین رکھیے۔ ایک مخلص اور سنجیدہ رُوح رکھتا ہے۔ ایک عظیم اور فاضل رُوح۔ جسے سمجھنا چاہیئے۔ اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ کہتے ہیں کہ میں نے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا اسلام کے متعلق کسی خاص کتاب کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ لیکن اُس سرچشمے کے منبع کی طرف۔ یعنی خاص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات کی طرف براہِ راست چلا ہوں۔ اُس نے دعوےٰ کیا ہے کہ:۔ اگر اسلام کی سچّی رُوح کو پانا چاہو تو وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اور خاص اُن کے اعمال میں ملتی ہے۔

(میجر آرتھر کلائن لیونارڈ)

اسلام خوبیوں کا مجموعہ

اسلام بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ قرآن میں تمام آداب و اصول حکمت اور فلسفہ موجود ہیں۔ (موسیو سیدیو)

اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے

قرآن الہامات (وحی) کا مجموعہ ہے۔ اس میں اسلام کے اصول و قوانین اور اخلاق کی تعلیم اور روزمرہ کے کاروبار کی نسبت ہدایات موجود ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے۔ کہ اس کے مذہبی تعلیم اور قانون علیحدہ چیزیں نہیں ہیں۔ (اقتباس از تقریر، دینِ اسلام ۱۷ جنوری ۱۹۱۵ء)

(آریورنڈ میسکوئل کنگ)

اسلام، ایک اجتماعی مذہب

اسلام حقیقت میں اجتماعی مذہب ہے۔ جس کو دنیا کے ½ حصہ آبادی نے حق تسلیم کر لیا ہے۔ اسلام ہی نے دنیا کی عمرانی ترقی کے لیے ہر قسم کے ذرائع یورپ کو بہم پہنچائے ہیں۔ روئے زمین سے اگر اسلام مٹ گیا۔ مسلمان نیست و نابود ہو گئے، قرآن کی حکومت جاتی رہی تو کیا دنیا میں امن قائم رہے گا۔ ہرگز نہیں۔ (موسیو گاسٹن کار)

اسلام سے پہلے عورتوں کی حیثیت

اور اُن کی

عفت وعصمت کی بربادی

واقعہ یہ ہے کہ "اسلام" کے جس زمانہ میں اس شعبۂ زندگی کے آئینی دفعات کو لوگوں کے سامنے رکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ رشتۂ ازدواج کا جو بنیادی مقصد تھا، وہ بھلایا جا چکا تھا۔ سکون اور آسودگی کی اس کیفیت سے قلوب خالی ہو چکے تھے جو زن کو شوہر کو ایک حقیقت بنا دیتی ہے۔ باہمی محبت درافت کا وہ جال ختم ہو چکا تھا جس سے دو خاندانوں اور دو جانوں میں یگانگت اور تعاون کا جذبہ پروان چڑھتا ہے اور نہ کوئی اور نیک اثر اس رشتہ کا باقی رہ گیا تھا۔ اللہ اللہ ازدواجی ہنگامہ آرائیوں کی "روح" "عفت وعصمت" تک ایک بے قیمت چیز ہو چکی تھی۔ چھلکے رہ گئے تھے، مغز غائب ہو چکا تھا۔

عورتوں کی مظلومیت

ہر جگہ صنفِ نازک (عورتیں) مردوں کے ظلم و جور کی شکار بنی ہوئی تھیں۔ مرد، مرد نہیں، بلکہ نازک و کمزور صنف کے مقابلہ میں جنگل کا درندہ تھا۔ کرۂ زمین کی انسانی بستیوں کا یہ عام حادثہ تھا۔ اس سلسلہ میں شائستہ و ناشائستہ، متمدن وغیر متمدن، اقوام و افراد میں سچ پوچھئے تو چنداں فرق باقی نہ رہا تھا۔ چوپاؤں اور گھر کے دوسرے سامانوں کی طرح عورتیں خریدی اور بیچی جانے لگیں۔ مرد عورت پر اپنی نفسانی خواہشوں کے لیے جبر و تشدد پر اُتر آیا۔ حد یہ ہے کہ عورتوں کو بدکاری کے پیشہ تک اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا تھا یعنی اپنی ہوس رانیوں کا ذریعہ بنانے کے ساتھ زرکشی کا ذریعہ بھی مردوں نے ان غریب عورتوں کو بنا لیا تھا۔

جاہلیت میں عورتیں انسان اور حیوانات کے درمیان ایک مخلوق سمجھی جانے لگی تھی، جن کا مقصد نسلِ انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ لڑکیوں کی پیدائش باعثِ ننگ و عار تھی، پیدا ہونے کے ساتھ ان کو زندہ درگور کر دینا، اسی کو بعضوں نے اپنی شرافت و افتخار کا اقتضاء قرار دے رکھا تھا۔ جاہلیت کی تاریخ کے اس خاص حصہ کے متعلق قرآن ہی سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، عبرت کے لیے تو وہ کافی و وافی ہیں۔

بچیوں کی پیدائش کا باپ پر اثر

باپ کے دل میں لڑکی کی ولادت کی خبر جس اثر کو پیدا کرتی تھی۔ قرآن میں اس کی اطلاع ان الفاظ میں دی گئی ہے:

إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ۔

(النحل ـ ۷)

ان میں سے جب کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہے، اور دل میں ہی دل گھٹتا رہے۔ جس (تولد دختر) کی خبر دی گئی ہے اس کی عار سے لوگوں چھپا چھپا پھرے (اور اس سوچ میں پڑ جائے کہ) ذلت برداشت کر کے اس کو رکھے یا مٹی میں گاڑ دے (تاکہ ذلت سے نجات ملے)

اجمالاً اسی کا اعادہ دوسری جگہ بایں الفاظ کیا گیا ہے:

إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ

ان میں سے جب کسی کو اس چیز کی خبر دی جائے جس کو وہ اللہ تعالیٰ سے مخصوص کرتا

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ	ہے تو سارے دن اس کا چہرہ
(زخرف – ۲)	بے رونق رہے اور دل ہی
	دل میں گھٹتا رہے۔

جاہلی ذہنیت کی بوالعجبیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن ہی میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک طرف فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بھی جاہلیت ماننے والے تھے (یعنی "مقدس دیویوں" کا عقیدہ بھی ان میں پایا جاتا تھا اور دوسری طرف ان میں ہر ایک لڑکیوں کے باپ بننے کی ذلت کو برداشت کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ اسی "فرضی تضاد" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں پوچھا گیا ہے:

اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ	"کیا تمہارے رب نے تم کو
بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ	بیٹوں کے ساتھ خاص کیا ہے
الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا	اور خود فرشتوں کو بیٹیاں
لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا۔	بنایا ہے۔ بے شک تم بڑی
(بنی اسرائیل – ۴)	سخت بات کہتے ہو"

اور خبر کے رنگ میں اسی کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے:

يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ	"اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز
سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا	کرتے ہیں اور اپنے لیے
يَشْتَهُوْنَ۔	چاہتی چیز"
(النحل – ۷)	

بچیوں کا بے رحمانہ قتل

یہ احساس تھا جاہلیت میں غریب لڑکیوں کے متعلق، پھر کون سا تعجب ہے کہ اکثر لوگ اس ذلّت سے بچنے کے لیے بچیوں کو ماڈالتے ہیں۔ انہی سنگ دلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ، بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (التکویر ـ ۱)	"اور جس وقت لڑکی سے جو زندہ درگور کر دی گئی تھی۔ پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور کے بدلے مار ڈالی گئی"۔

علاوہ ذلّت ورسوائی کے قرآن ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاشی دشواریوں کا غلط احساس بھی "قتلِ اولاد" کے جرم کا لوگوں کو مجرم بنائے ہوئے تھا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم میں حکم دیا گیا:

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَ اِیَّاھُمْ۔ (الانعام ـ ۱۹)	اپنی اولاد کو ناداری کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی"۔
وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاءً	"اپنی اولاد کو ناداری کی وجہ سے قتل نہ کرو کیونکہ ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی۔ بے شک ان کا قتل

كَبِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل) کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔"

کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں غیر فطری حرکات کی وجہ سے عورتوں کی تعداد جاہلیت میں گھٹتے ہوئے اس حد کو پہنچ گئی تھی۔ جو حال ہندوستان کی بعض قوموں میں "دختر کشی" کی ظالمانہ رسم نے پیدا کر دی ہے، یعنی بھاری قیمتیں ایک ایک عورت کی ان کو ادا کرنی پڑتی ہیں۔ اور یوں "نسوانی وجود" کو ان میں بھی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے، جیسے عرب جاہلیت کی بعض روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ "بیوی" کو بڑی قدر کی نگاہ سے وہ دیکھتے تھے، لیکن اس کا مطلب وہی تھا کہ اس کے حاصل کرنے میں کافی قیمت صرف کرنی پڑتی ہے۔

عفت و عصمت کی بربادی

مگر جاہلیت کے جس دَور کے لوگوں پر قرآن میں اس حکم کے نافذ کرنے کی ضرورت ہوئی یعنی:

لَا تُكْرِهُوْا فَتَيَاتِكُمْ	"اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور
عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ	نہ کرو، بالخصوص اس وقت
تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ	جب کہ وہ پاک دامن رہنا
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔	چاہیں (سوچو تو یہ صرف اس
(نور ۔ ۴)	لیے کہ) تم کو دنیوی زندگی کا
	کچھ فائدہ حاصل ہو جائے"

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "نسوانیت" کا مقام ان کی نظروں میں کیا تھا؟

بخاری کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتیں رہن بھی رکھی جاتی تھیں ۔ محمد بن مسلمہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں جب کعب بن الاشرف کے یہاں گیا ۔ اور غلّہ قرض دینے کی درخواست کی تو اس نے کہا :

قال ارھنونی نساءکم قالوا کیف نرھنك نساءنا وانت اجمل العرب ۔ (بخاری باب قتل کعب بن الاشرف)	"اس نے کہا تم اپنی عورتیں میری پاس گرو کر دو ، ان (قرض طلب کرنے والوں) نے کہا : آپ کے یہاں ہم اپنی عورتیں کیسے گرو کر سکتے ہیں ۔ جبکہ آپ عرب میں سب سے خوبصورت ہیں"۔

اس واقعہ سے بھی اندازہ لگائیے کہ عورتیں کتنی مظلوم تھیں ، اور ان کی عصمت کتنی سستی خیال کی جاتی تھی ۔ جاہلیت میں نکاح کا نام تو ضرور تھا ، مگر اس کی حالت کیا تھی ، کہنا چاہیئے ، اس کی اکثر صورتیں زنا کی تھیں ۔ ورنہ اتنی بات تو بہرحال ہے کہ عورت کی عصمت و عفت کی کوئی قدر نہ تھی ۔

جاہلیّت کے نکاح

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ بیان کرتی ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں ہیں :

ا۔ ایک طریقہ تو یہی تھا جو آج کل رائج ہے ۔

۲۔ اپنی منکوحہ بیوی سے مرد کہتا کہ حیض کا خون جب تیرا بند ہو جائے تو پاکی حاصل کرنے کے بعد تو فلاں مرد کے پاس چلی جا، اور اس سے فائدہ حاصل کر، یعنی اس غیر مرد سے ہم بستر ہو اور اتنی مدت شوہر اپنی اس عورت سے علیحدا رہتا جب تک اس کی عورت کو غیر مرد کا حمل ظاہر نہ ہو جاتا۔ اب اگر شوہر کی خواہش ہوتی تو اپنی بیوی کے پاس جاتا۔ ایسا جاہلیت میں اس لیے کرتے تھے کہ لڑکا نجیب ہو، اس کو "نکاح استبضاع" کہا جاتا تھا۔ گویا تخم حاصل کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔

۳۔ تیسری شکل یہ تھی کہ ایک عورت کے پاس متعدد مرد آتے اور لطف اندوز ہوتے۔ مگر ان کی تعداد دس سے کم ہوتی۔ عورت کو جب حمل ظاہر ہوتا، بچہ پیدا ہوتا اور بچہ ہوئے کچھ دن گزر جاتے تو یہ عورت ان تمام مردوں کو قاصد کے ذریعہ بلا بھیجتی، کوئی انکار کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ جب سب جمع ہو جاتے۔ یہ عورت کہتی، تم اپنے معاملے سے واقف ہو کہ میرے پاس وطی کے لیے آیا کرتے تھے میرے بچہ پیدا ہوا ہے! یہ تمہارا بچہ ہے تم اپنی پسند سے اس کا کوئی نام رکھو، چنانچہ یہ لڑکا اس شخص کا ہو جاتا جس کا عورت نام لیتی۔ مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔

۴۔ کچھ عورتیں ایسی تھیں جن کے دروازوں پر جھنڈے گڑھے رہتے۔ یہ بازاری پیشہ عورتیں تھیں۔ جس کا جی چاہتا، ان کے پاس جاتا۔ جب اُن کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا، تو تمام لطف اندوز ہونے والے جمع ہوتے اور قیافہ شناس بلایا جاتا اور وہ اپنے علم پر جانچ کر

اس بچہ کو ان مردوں میں جس کا کہہ دیتا وہ بچہ اسی کا ہو جاتا - مرد انکار نہیں کر سکتا تھا -

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان صورتوں کو بیان کر کے فرماتی ہیں کہ تمام ناجائز صورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بند کیا -

فلما بعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم بالحق هدم نکاح الجاهلية کله الا نکاح الناس اليوم -	" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلی نکاحوں کو بند کیا - صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج رائج ہے " -

(بخاری مصری کتاب النکاح ج ۴ ص ۱۶۵)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت میں عورتوں کی عصمت و عفت اپنی قدرتی قدر و قیمت سے محروم ہو چکی تھی ، جہاں اپنی رضامندی سے شوہر ہی اپنی بیویوں کو اجنبی مردوں سے تخم حاصل کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے - اس سے اندازہ کیجئے کہ عورت اور اس کی عفت و عصمت کے متعلق جاہلی احساسات — دنارت و رذالت کے کن حدود تک پہنچ چکے تھے - واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد یہ سمجھتا تھا کہ عورت مہر کے عوض میرے ہاتھ بک گئی - اور یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ مال متروکہ بن جاتی تھی -

نسوانی ناموس کا حشر غیر اقوام میں

یہ تو آپ نے جاہلیت کی ظلمت میں عرب کا حال دیکھا۔ اب بتانا یہ ہے کہ عرب سے باہر عورتوں کے ساتھ اور ان کی عفت وعصمت کے ساتھ کیا سلوک برتا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں ایک مشہور غیر مسلم ڈاکٹر گستاؤلی بان کی شہادت ملاحظہ فرمائیے:

"یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے اگر کسی عورت کا بچہ خلافِ فطرت پیدا ہوتا، تو اس کو مار ڈالتے تھے" [1]

"اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو جس سے کسی قومی سپاہی کے پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی، مار ڈالتے تھے جس وقت کسی عورت کے بچہ ہو چکتا تھا، تو فوائد ملکی کی غرض سے اُسے (عورت کو) دوسرے شخص کی نسل لینے کے لیے اس کے خاوند سے عاریتاً لے لیتے" [2]

"یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانہ میں بھی بجز طواف کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے" [3]

---

[1] تمدن عرب۔ صفحہ ۳۷۲

[2] ایضاً۔ صفحہ ۳۷۳

[3] ایضاً

عہد قدیم کے باب واعظ میں لکھا ہے :

جو کوئی خدا کو پیارا ہے وہ اپنے کو عورت سے بچائے گا۔ ہزار آدمیوں میں سے میں نے ایک پیارا پایا ہے۔ لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی جو خدا کی پیاری ہوتی۔" [1]

روم میں :

"مرد کی حکومت اپنی بیوی پر جابرانہ تھی .... جس کا معاشرت میں کوئی حصہ نہ تھا اور شوہر کو پورا حق اس کی جان پر بھی حاصل تھا۔ اور یہی حال یونان کا تھا۔" [2]

یہودی قانون

توریت استثناء باب ۲۵ نمبر ۵ تا ۱۰ میں ہے :

" اگر دو بھائی یک جا رہتے ہوں اور ان میں سے ایک بے اولاد مر جائے تو اس متوفی کی بیوی کا بیاہ کسی اجنبی سے نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس سے خلوت کرے اور اُسے اپنی بیوی بنائے

---

[1] ایضاً

[2] ایضاً

اور بھاوج کا حق اُسے ادا کرے اور یوں ہوگا کہ پہلوٹھا جو اس سے پیدا ہو، تو اس کے متوفی بھائی کے نام کا شمار ہوگا، تاکہ اس کا نام اسرائیل سے نہ مٹ جائے۔ اگر یہ شوہر بننے سے انکار کرے تو اس کے بھائی کی بیوی ججوں کے سامنے۔ اس کے نزدیک اپنے پاؤں کی جوتی نکالے اور اس کے منہ پر تھوک دے۔ اور جواب دے اور کہے کہ اس شخص کے ساتھ جو اپنے بھائی کا گھر نہ بنائے گا، یہی کیا جائے گا، اور اسرائیل میں اس کا نام یہ رکھا جائے کہ یہ اس شخص کا گھر ہے جس کا جوتا نکالا گیا۔" [۱]

کتاب مقدس میں لکھا ہے:

"عورت موت سے زیادہ تلخ ہے۔" [۲]

ہندو قانون

ہندوؤں کے قانون میں عورت اور اس کی عصمت و عفت کی کیا قدر تھی۔ اس سلسلے میں پہلے "ستیارتھ پرکاش" مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی جی

---

[۱] حاشیہ اسلام کے سیاسی نظریے ج ۱ ص ۲۱۸

[۲] تمدن عرب ص ۲۷۲

مہاراج کے یہ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں :

"بیاہ آٹھ قسم کا ہوتا ہے ؛ ایک براہم، دوسرا دیو، تیسرا آرش، چوتھا پرجاپت، پانچواں آسُر، چھٹا گاندھرب ساتواں راکشش، آٹھواں پشاچ۔

ان بیاہوں کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ دُولہا دلہن کامل برہمچاری، پورے فاضل دھارمک اور نیک سیرت ہوں۔ ان کا باہم رضامندی سے بیاہ ہونا "براہم" کہا جاتا ہے۔

۲۔ بڑے یگ میں عمدہ طور پر یگیہ کرتے ہوئے داماد کو زیور پہنی ہوئی لڑکی دینا "دیو"۔

۳۔ دولہا سے کچھ لے کر وواہ ہونا "آرش"۔

۴۔ دونوں کا وواہ دھرم کی ترقی کے لیے ہونا "پرجاپت"۔

۵۔ دولہا دلہن کو کچھ دے کر بیاہ کرنا "آسُر"۔

۶۔ بے قاعدہ، بے موقع، کسی وجہ سے دولہا دلہن کا بامرضی میل ہونا۔ "گاندھرب"۔

۷۔ لڑائی کرکے جبراً یعنی چھین جھپٹ کر یا فریب سے لڑکی حاصل کرنا۔ "راکشش"۔

۸۔ سوئی ہوئی یا شراب وغیرہ پی کر بے ہوش ہوئی، یا پاگل لڑکی سے بالجبر ہم بستر ہونا "پشاچ" بیاہ کہلاتا ہے[۱]

خاندان کی یا چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج ہندوستان قدیم کا ایک

---

[۱] ستیارتھ پرکاش باب ۴ صفحہ ۱۱۷ - ۱۱۸

جانا پہچانا رواج ہے بلہ منوسمرتی ادھیائے ۹ نمبر ۵۹ کا خلاصہ یہ ہے:

"برہمنوں کے یہاں نیوگ کا رواج ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں خسر وغیرہ کے حکم کو پاکر عورت رشتہ دار سے، یا دیور سے اولاد حسبِ دلخواہ حاصل کرے"۔ ؎۲

"ستیارتھ پرکاش" میں ہے:

"بانجھ عورت ہو تو آٹھویں برس دبیاہ سے آٹھ برس تک عورت کو حمل نہ ٹھہرے، اور ہوکر مر جائے تو دسویں برس جب اولاد ہو تب تب لڑکیاں ہی ہوں، لڑکے نہ ہوں تو گیارھویں برس تک اور جو بدکلام ہونے والی ہو تو جلد ہی اس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرلے"۔ ؎۳

"ایسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو تو عورت کو چاہیئے کہ اس کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کرکے اسی بیاہے خاوند کی وارث اولاد کرے"۔ ؎۴

جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، تب اپنی عورت کو اجازت

؎۱ تمدن عرب ص ۳۶۸

؎۲ حاشیہ اسلام کے معاشی نظریے ص ۲۱۸

؎۳ ستیارتھ پرکاش باب ۴ ص ۱۵۲، ۱۵۲

؎۴ ایضاً

دے کہ:

"اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت!
تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر، کیونکہ اب
مجھ سے اولاد نہ ہو سکے گی۔ تب عورت دوسرے کے
ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے۔ لیکن اس بیاہے
عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ ویسے
ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا
کرنے کے قابل ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے
...... کہ کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد
پیدا کیجئے"۔ [1]

نیوگ کے اور بھی بیسیوں مواقع اس کتاب میں مذکور ہیں۔ یہ تو شادی
بیاہ کا حال تھا۔ اب عورت کی ذات کے متعلق بھی سنیے:

"ہندوؤں کا قانون کہتا ہے: تقدیر، طوفان، موت،
جہنم، زہر، زہریلے سانپ۔ ان میں سے کوئی اس قدر خراب
نہیں جتنی عورت"۔ [2]

"منو کا قانون کہتا ہے، عورت صغرسنی میں باپ کی مطیع
ہے، جوانی میں شوہر کی، اور شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی
اور اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اقرباء کی۔ کیونکہ کوئی عورت

---

[1] ستیارتھ پرکاش باب ۴۔ ص ۱۵۲ - ۱۵۳

[2] ایضاً

ہرگز اس لائق نہیں کہ خود مختار طور پر زندگی بسر کر سکے"۔ ؎۱

ظہورِ اسلام سے پہلے ہندوستانی مقنن قدیم نے اس بے اعتباری کو صاف ظاہر کیا ہے کہ کسی عورت کو زانیہ کہنے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ وہ کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر علیحدہ رہی ہو، جتنی دیر میں انڈا تلا جا سکتا ہے۔ ؎۲

مسیحی قانون

ترتولیان مسیحیت کے ابتدائی دَور کا امام ہے۔ وہ مسیحی تصویر کی ترجمانی ان لفظوں میں کرتا ہے:

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوع کی طرح لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت کرنے والی ہے"۔ ؎۳

کرائی سوسٹم جو ایک بڑا مسیحی امام شمار کیا جاتا ہے، عورت کے حق میں کہتا ہے:

"ایک ناگزیر بُرائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے"۔ ؎۴

؎۱ ایضاً ؎۲ تمدن عرب ص۳۷۴

؎۳ "پردہ" از مولانا مودودی ص۱۲

؎۴ ایضاً

عورتوں سے متعلق مروّجہ فقرے

عورتوں کے متعلق مختلف ملکوں میں جو مروجہ مثالی فقرے ہیں ان سے بھی عورتوں کی قدر و منزلت پر روشنی پڑتی ہے:

رُوسی مثل ہے: "دس عورتوں میں ایک رُوح ہوتی ہے۔"

اطالیوں کا قول ہے:

"گھوڑا اچھا یا بُرا۔ اُسے مہمیز کی ضرورت ہے۔"

عورت اچھی ہو یا بُری ــ اسے مار کی ضرورت ہے۔"

اسپینی زبان میں مثل ہے:

"بُری عورت سے بچنا چاہیئے، مگر اچھی صورت پر بھی بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔" [1]

غیر مذاہب میں ازدواجی تعلقات

اسلام سے پہلے مرد اور عورت کے ازدواجی تعلقات کو اخلاق و رُوح اور اس کی ترقی کے لیے رکاوٹ تسلیم کیا جاتا تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی تحریر فرماتے ہیں اور حوالہ کے ساتھ لکھتے ہیں:

"اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے۔ ان سب میں

---

[1] دیکھیے تمدن عرب صہ ۳۷۲

عورت کو اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لیے لائق و مانع تسلیم کیا گیا تھا، ہندوستان میں بودھ، جین، ویدانت، جوگ اور سادھوپن کے تمام پیرو اسی نظریے کے پابند تھے۔ عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمالِ روحانی کا ذریعہ تھا۔" [1]

سارے اقتباسات اس لیے نقل کرنے کی زحمت برداشت کی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورتوں کی عفت و عصمت اور خود اُن کی ذات کے متعلق مذاہب و ادیان کے ماننے والی اُمتوں کا حال کیا ہو گیا تھا۔



[ماخوذ از "اسلام کا نظامِ عفت و عصمت" تالیف مولانا محمد ظفیر الدین صاحب رفیق ندوۃ المصنفین دِلّی ۔ ناشر: مکتبہ تعمیریہ، لاہور]

---

[1] سیرۃ النبی جلد ششم صفحہ ۱۷۱

اسلام کی اصلاحی جدوجہد

عورتوں کے حق میں

ان ہی گھنگھور گھٹاؤں میں اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔ اور اس نے اپنی نورانی کرنوں سے اس "ظلمت کدہ" دنیا کو "صبح سعادت" سے ہم آغوش کیا، بچھڑی ہوئی انسانیت خاک دھول سے اٹھائی گئی، سینہ سے لگائی گئی اور مظلوموں کو سر اٹھانے کا موقع ملا۔

افراط و تفریط ختم ہوئی، اعتدال کے فطری نقطہ پر اسلام نے انسانوں کو لا کھڑا کر دیا، جس کا جو حق تھا، وہی اس کو دیا گیا — جور و ستم کی چکیوں میں پلنے والی صنفِ نازک (عورت) کو بھی پوری قوت کے ساتھ اسلام نے اپنے دامنِ حمایت کے سایہ میں لیا، ناموسِ نسوانی کی قدر و قیمت کے سوال کو زندہ کیا گیا۔ اس راہ میں کسی قسم کی چشم پوشی روا نہ رکھی گئی، بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے سرچشمے تھے، ایک ایک کر کے بند کیے گئے، ازدواجی تعلقات کے آئین و قوانین حدود میں لا کر جنسی میلانات کو اعتدال و ضابطہ کا پابند بنایا گیا، اور نسلِ انسانی کے اضافہ کی صحت بخش طریقے نافذ کیے گئے۔ عائلی زندگی کو خوشگوار ماحول کے قالب میں ڈھالا گیا۔ بجائے لعنت کے عورت رحمت و سکینت کا مظہر ٹھہرائی گئی، ترکِ نکاح کی راہبانہ نظریہ کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی پر زور دیا گیا، اور اسے ضروری قرار دیا گیا۔

عورتوں کی حیثیت کا اعلان

پہلا "قرآنی مشورہ" نسوانی حقوق کے سلسلہ میں جس کا اعلان کیا گیا، یہ تھا:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ	"اے لوگو! اپنے پروردگار
الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ	سے ڈرو، جس نے تم سب کو
وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا	ایک جاندار سے پیدا کیا، اور
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا	اس جاندار سے اس کا جوڑ
كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ	پیدا کیا، اور ان دونوں سے
(النساء: ۱)	بہت سے مرد اور عورتیں
	پھیلائیں"۔

حاصل جس کا یہی ہوا کہ مرد اور عورت ایک ہی سرچشمہ کی دو موجیں ہیں۔ "انسانیت" کی حد تک دونوں میں کمی بیشی کے خیالات کا تعلق واقعہ سے نہیں بلکہ صرف وسوسہ سے ہے۔

اس آیت میں بھی حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ عورت جس کو مرد انسانیت سے خارج سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے از سر تا پا غلط ہے۔ ان دونوں کی ایک ہی جان سے پیدائش ہے اور پھر انھی سے مرد و عورت کی یہ بہتات ہے۔ عورت کوئی جداگانہ، الگ مخلوق نہیں۔ وہ بھی انسان ہی ہے جیسے مرد انسان ہیں۔ عورت و مرد دونوں کا منبع و مخرج ایک ہی ہے۔ پھر ان دونوں میں تفاوت ذاتی کیونکر ہو سکتا ہے، بلکہ اس نسبت سے ہر ایک کو دوسرے کی قربت پر فخر کرنا چاہیئے اور اپنے لیے باعث فخر و عزت سمجھنا چاہیئے، بلکہ مشہور قرآنی

آیت:

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ	"اے لوگو! ہم نے تم کو
مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى - وَ	ایک مرد اور ایک عورت سے
جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ	پیدا کیا، اور تمہاری ذاتیں،
قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ	برادریاں بنائیں، تاکہ تم ایک
اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	دوسرے کو پہچان سکو، ورنہ
اَتْقٰكُمْ -	اللہ کے نزدیک تم میں بڑا شریف
(الحجرات - ۲)	وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیزگار
	ہے۔"

سے جہاں دوسرے نتائج پیدا ہوتے ہیں، وہیں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ کوئی مرد ایسا نہیں ہے جس کی پیدائش میں عورت کی شرکت نہ ہو، ایسا مرد جو صرف مرد ہی سے پیدا ہوا ہو۔ اس کا دعوے کون کر سکتا ہے! پھر مرد کو کیا حق ہے کہ مردوں کو تو باعزت اور عورتوں کو حقیر و ذلیل سمجھے۔ انسانی جسم کی بناوٹ میں مرد کے ساتھ عورت کا حصہ بھی شریک ہے۔ بلکہ طبی تحقیقات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا کا حصہ اس کی تعمیر میں زیادہ خرچ ہوتا ہے۔ اللہ! اللہ! عورت جب ماں بن کر بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے، پھر اُسے جنتی ہے اپرورش کرتی ہے، دودھ پلاتی ہے۔ ذرا سوچیے بھی تو کہ مرد اس کے مقابلہ میں "بچے" کے لیے کچھ بھی کرتا ہے! عورت ہی کے پیٹ میں ہم شکل و صورت پاتے ہیں۔ اس میں ہماری جان کا تعلق ہمارے جسد کے ساتھ قائم ہوا۔ بھلا اسی عورت کا وجود ننگ و عار بن جائے؟ کوئی بات ہو، عورت نے ہی اس وقت ہماری تربیت و پرداخت

کی ہے۔ جب ہم میں چلنے پھرنے کی طاقت نہ تھی۔ بولنے اور اپنی تکلیف و ضرورت بتانے کی طاقت نہ تھی۔ اسی نے ہمیں چلنے کی قوت عطا کی، بولنے کی صلاحیت بخشی اور اسی جنس نے سن شعور تک ہماری خدمات کیں۔ بایں ہمہ عورت ذلیل و حقیر ہوگئی؟ تف ہے اس عقل پر جو یہ سوچے، پھٹکار ہے اس زبان پر جو اس خیال کو ظاہر کرے، اور ملعون ہے جو اپنے دل میں اس قسم کے بے ہودہ وسوسوں کو بیکارے۔

بہر حال یہ اور اس طرح کی دوسری قرآنی آیتوں میں اللہ تعالے نے انسان کو یہی بتایا ہے کہ عورت باعث حقارت ہرگز نہیں ہے۔ ذاتی شرف و مکرمت میں مرد سے کسی درجہ میں کم نہیں۔ لہٰذا عورتوں کو جانوروں کی طرح ناجائز استعمال کرنا اور ان کے ناموس کو زرکشی کا آلہ بنا لینا، انسانیت کی توہین اور آدمیت کی تحقیر کی بدترین شکل ہے۔

عورتوں کا مقصد

انسانیت میں کُلی اشتراک کے باوجود، دونوں صنفی جنسوں کے اندر بعض عضوی اختلافات میں حکیم کی جو حکمتیں پوشیدہ ہیں، یوں بھی اُن سے کوئی ناواقف نہیں ہے۔ ماسوا اس کے اپنی کاریگروں کے بھید کو کاریگر جتنا زیادہ جانتا ہے جو کاریگر نہیں ہے وہ اس کی تہوں تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

صدق اللہ مولانا الکریم۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ

"آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو چاہتا

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ	ہے پیدا کرتا ہے۔ جس کو
يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ۔	چاہتا ہے بیٹیاں عنایت کرتا
اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا	کرتا ہے یا بیٹے، اور بیٹیاں
وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ	دونوں قسم کی اولاد دیتا ہے
يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ	اور جس کو چاہتا ہے بانجھ
قَدِيْرٌ۔	بناتا ہے۔ بے شک وہ جاننے
(شوریٰ - ۵)	والا قدرت والا ہے"۔

پھر بچی کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھانے کی ضرورت اور منہ لگاڑنے کا حاصل — یہ تو انسان کی خام عقلی ہے کہ رحمت کو اس نے اپنے لیے زحمت خیال کر رکھا ہے۔ اگر یہ بچیاں بڑھ کر عورت نہ بنیں اور تمہاری شادیاں نہ ہوں — تو بتایئے یہ بچے یہ تنومند لڑانے والے جوان کہاں سے آئیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کی ماں نے جب منّت مانی اور ان کے خلافِ توقع لڑکے کی جگہ بچی پیدا ہوئی تو حسرت سے کہنے لگیں:

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ	"اے پروردگار! میں نے
اُنْثٰى (آلِ عمران - ۴)	تو وہ حمل لڑکی جنی"۔

پروردگار! یہ تو میرے بچی ہوئی — میری مراد بر نہ آئی — جس مقدس کام کی منّت مانی تھی اس میں تو لڑکے کا کام تھا، لڑکی قبول نہیں کی جاتی۔ رب العالمین نے امّ مریم کی یہ حسرت بھری آواز سُنی تو فرمایا:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ	"اس کو اللہ تعالیٰ زیادہ
وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى	جانتے ہیں جو انہوں نے جنی
(آلِ عمران - ۴)	اور لڑکا اس لڑکی کے برابر

نہیں ہو سکتا تھا۔"

اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق جانتا ہے کہ اس لڑکی کے برابر لڑکا نہیں ہو سکتا ہے۔ جو خیر و برکت اور جو خاندانی اعزاز اس لڑکی سے حاصل ہوگا لڑکے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ تم نے اپنی انسانی روش سے سوچا۔ اور گھبرا گئیں۔ رب العالمین جو کام اس لڑکی کے ذریعہ لینے والا ہے، وہاں تک تمہاری رسائی نہ ہو سکی۔

مستقبل نے بتایا کہ مریم علیہا السلام کا وجود خود مریم کے اعزاز کے لیے اور دنیا کی فلاح و نجات کے لیے کتنا مبارک وجود ثابت ہوا۔ انہی مریم علیہا السلام سے عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) نے جنم لیا۔ اور بالآخر دنیا کو حق کا پیغام سنایا اور کتنوں کی نجات کا باعث ہوئے۔ حیرت ہوتی ہے کہ مسیح علیہ السلام کو جنم دینے والی عورت مسیح پر ایمان لانے والوں کی نگاہوں میں شیطان کے آنے کا راستہ ناگزیر برائی وغیرہ کافی ہو گئی؟

قتل کی روک تھام

پھر اسلام نے آکر لڑکیوں کے قتل سے روکا، فقر و فاقہ کا خوف ان کے دل سے نکالا۔ "الرزاق" کی "قوتِ متین" کا اعتماد کا جذبہ پیدا کیا۔

اور اعلان کر دیا گیا کہ:

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔ (الانعام۔ ۱۹)	"تم اپنی اولاد کو افلاس کے سبب سے قتل نہ کیا کرو، ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے۔"

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ	"تم اپنی اولاد کو ناداری کے
اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ	اندیشہ سے قتل نہ کرو، ہم ان
وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ	کو رزق دیتے ہیں اور تم کو
كَانَ خِطْئًا كَبِيْرًا ط	بھی، بے شک ان کا قتل کرنا
(اسراء - ۴)	بھاری گناہ ہے"۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قتلِ اولاد سے بالکلیہ روک دیا۔ لڑکا ہو یا لڑکی، کسی کا قتل شریعت نے جائز نہیں رکھا اور انسان کی اس جرأت کو برداشت نہ کیا۔ فقر و فاقہ کا موہوم خیال ان کے دل سے نکالا، اور یقین دلایا کہ رزق، اور روزی دینے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے۔ موجودہ عزبت میں تم سوچتے نہیں کہ کہاں سے کھاتے ہو؟ کس طرح تم کو روزی ملتی ہے! رب العزت روزی کا انتظام کر کے آئندہ نسلوں کو پیدا کرتے ہیں۔ علیم و قدیر کے بجٹ دمیزانیہ میں گنجائش نہ ہو، اور لوگوں کو پیدا کرتا چلا جائے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا، خدا نہیں۔ بلکہ کوئی بگڑا امیر، نواب یا راجہ ہے، جس کے خزانہ میں تنخواہ دینے کے لیے روپیہ نہیں مگر لوگوں کو نوکر رکھتا چلا جاتا ہے، براہِ راست "رزقی ضمانت" کا یہ لاہوتی وثیقہ جب نازل ہو چکا ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى	"جتنے زمین میں چلتے پھرتے
الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ	ہیں، سب کی روزی اللہ تعالیٰ
رِزْقُهَا۔ (ھود - ۱)	کے ذمہ ہے"۔

تو اب، اس کے بعد سوچنے والے جو کچھ سوچتے ہیں، خدا کا انکار ہی کر سکتے ہیں

لڑکیوں سے حسنِ سلوک کی ترغیب

اسلام نے اتنا ہی کرکے نہیں چھوڑ دیا کہ عورت کو اس کا صحیح مقام عطا کیا، لڑکیوں کا قتل بند کردیا، اور رزق کا اندیشہ جو انسان کو کھائے جا رہا تھا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا سبق دے کر اس فکر سے کنارہ کش کردیا بلکہ جہاں موقعہ ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لڑکیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ قیامت میں میرے ساتھ ہوگا اور اتنا قریب ہوگا جتنی آپس میں یہ انگلیاں نزدیک ہیں۔" اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا۔ؔ[۱]

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ:۔

"ایک دن میرے پاس ایک عورت آئی جو اپنے ساتھ دو لڑکیوں کو بھی لیے ہوئے تھی۔ اس نے مجھ سے سوال کیا میرے پاس صرف ایک چھوارا ہے، وہی مانگنے والی عورت کو دے دیا، اس نے چھوارے کے دو حصے کیے اور آدھا آدھا دونوں بچیوں کو دے دیا۔ خود کچھ نہ کھایا، پھر

---

[۱] ریاض الصالحین للنووی بحوالہ مسلم صـ۱۳۲

وہ اٹھی اور چلی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اندر تشریف لائے تو میں نے یہ واقعہ آپؐ سے بیان کیا۔ سن کر فرمایا: جو بھی ان لڑکیوں کے لیے تکلیف جھیلتا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔ ان کے لیے یہ لڑکیاں دوزخ کی آگ سے ڈھال بن جائیں گی"[1]

یعنی دوزخ کی آگ لڑکیوں کی پرورش کرنے والوں کو نہ جلائے گی۔

مندرجہ بالا دل نشین انداز بیان کو پڑھیے اور غور کیجئے: اسلام نے ان بچیوں کی پرورش اور اچھی پرورش دپرداخت کی کتنی ترغیب دی ہے۔ اور انسان کو کتنے اچھے پیرائے میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ ایک دفعہ کا ایک اور واقعہ بیان کرتی ہیں کہ ایک غریب عورت آئی اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں۔ ایک مرتبہ میں نے اس عورت کو تین کھجوریں دیں۔ اس ماتا بھری ماں نے ایک ایک کھجور دونوں لڑکیوں کو دی، اور تیسری خود کھانے کے لیے اٹھائی۔ منہ تک لا چکی تھی کہ دونوں لڑکیوں نے پھر مانگا۔ اس عورت نے خود نہ کھائی اور کھجور کے دو ٹکڑے کیے جسے خود کھانا چاہ رہی تھی اور آدھی آدھی دونوں لڑکیوں کو دے دی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اس کی یہ ادا مجھ کو بہت بھائی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے ماتا کی ماری ماں

---

[1] ریاض الصالحین عن البخاری ومسلم

کا یہ اثر انگیز قصہ آپ سے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

ان اللہ قد اوجب لھا بھا الجنۃ واعتقھا بھا من النار۔ (رواہ مسلم) (ریاض الصالحین ص۲۷۱)	"ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے جنت واجب کر دی اور ان بچیوں کی وجہ سے اسے دوزخ سے آزاد کر دیا۔"

یہ شان تھی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ اور اسلام کی نظر میں یہ عزت افزائی تھی عورتوں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر اخیر تک یہ فرمایا: لوگو! خبردار ہو جاؤ، میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق کی تاکید کرتا ہوں، اور اس میں کوتاہی کرنے سے ڈراتا ہوں — ایک یتیم اور دوسرے عورت — !¹

یہ سارا اہتمام اس لیے تھا کہ عورت کا ناموس، ان کی عزت وعفت محفوظ رہ سکے، سماج میں وہی مقام ان کو دلایا جائے جس کی قدرتی طور پر عورتوں کی صنفِ نازک مستحق تھی — لوگ ان کو گری پڑی چیز خیال نہ کریں۔ پھر خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگوں نے آکر بیان کیا تھا کہ:

"جاہلیت میں مَیں نے دس لڑکیاں اپنے ہاتھ سے دفن کی ہیں؛

کسی نے کہا کہ:

"مَیں نے اپنی بچی کو بلایا۔ وہ ہنستی دوڑتی میرے ساتھ آئی

---

¹ ریاض الصالحین ص۲۷۱

اور جب ایک کنوئیں کے پاس پہنچی تو میں نے ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں ڈال دیا - وہ میرے ابّا میرے ابّا پکارتی رہی "

یہ سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنا روئے کہ ریش مبارک تر ہوگئی ؎

یہی وہ گواہیاں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ جہان کے ہادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں ہی کے نہیں ، بلکہ عورتوں کے بھی پیغمبر اور رسول ہیں مردوں ہی کے لیے نہیں روتے تھے بلکہ عورتوں کی مظلومیت بھی آپ کو رلا دیتی تھی -

میراث میں عورتوں کا حصّہ

اور سچ تو یہ ہے کہ قرآن میں یہ اعلان کر کے :

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۔	" اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے میراث کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصّہ کے برابر ہے اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ کر مرا ہے ۔ اور اگر
(النساء - ۲)	

ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو نصف
ملے گا۔"

عورت کو شاید پہلی دفعہ اس کا موقع دیا گیا کہ اپنے ملوکہ مال و جائیداد کی بدولت چاہے تو مردوں کی دستگیری کے بغیر ہی راحت و آرام کی زندگی بسر کر سکتی ہے۔

لڑکیاں جو اب تک میراث سے محروم تھیں، ان کو اسلام نے میراث دی۔ غور فرمایئے: "للذکر مثل حظ الانثیین" لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر، محور لڑکی کو قرار دیا جا رہا ہے۔ پیمانہ لڑکے کا حصہ نہیں۔ لڑکی کا حصہ بن رہا ہے۔ اسلام نے لڑکیوں کو جب یہ حق دیا تو بہت لوگوں کو تعجب ہوا کہ ان لڑکیوں کو بھی حصہ ملے گا جو جنگ نہیں کر سکتیں اور حصہ بھی اتنا زیادہ۔

مگر اسلام آیا ہی تھا دنیا میں حقداروں تک ان کے حقوق کو پہنچانے کے لیے۔ ظلم و جور کے قصروں کو ڈھانے کے لیے، اور اس دین کا منشا ہی تھا کہ۔ "ملکیت کا اقتدار مردوں ہی کا مخصوص امتیاز نہیں ہے بلکہ اس اقتدار میں عورت بھی۔ مرد کی شریک ہے۔"

اس حقیقت کا اظہار قرآن میں بایں الفاظ بھی کیا گیا ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ	"اس چیز میں جس کو ماں
الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ	باپ اور بہت نزدیک کے
مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ	قرابت دار چھوڑ کر مر جائیں
نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔	مردوں کے لیے بھی حصہ ہے
(النساء - ۱)	اور عورتوں کے لیے بھی۔ جو

حصہ قطعی طور پر مقرر ہے، خواہ
وہ چیز قلیل ہو یا کثیر"

ماں کی حیثیت سے

عورت کسی قالب میں ہو۔ ماں ہو۔ بیٹی ہو۔ بیوی ہو۔ محض عورت ہونے کی وجہ سے ملکی اقتدار سے محروم نہیں ہو سکتی۔ ماں کا ذکر کر کے فرمایا گیا:

وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ
مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ
لَهٗ وَلَدٌ فَاِنۡ لَّمۡ
يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ
وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ
فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنۡ
كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ
السُّدُسُ۔

(النساء - ۲)

"میت کے ترکہ میں اگر
میت کے کچھ اولاد ہو تو ماں
باپ میں سے ہر ایک کے لیے
چھٹا چھٹا ہے اور اگر اس
میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور
اس کے ماں باپ ہی اس
کے وارث ہوں، تو اس کی
ماں کا ایک تہائی ہے اور اگر
میت کے ایک سے زیادہ بھائی
یا بہن ہوں تو اس کی ماں کو
چھٹا حصہ ملے گا۔"

اس آیت میں جہاں باپ کو وارث قرار دیا گیا ہے، وہیں ماں بھی وارث قرار دی گئی ہے۔ کہیں تہائی اور کہیں چھٹا حصہ۔ مگر ایسا نہیں کیا

کہ ماں چونکہ عورت ہے۔ اس لیے وہ محروم الارث ہے اور حصہ پانے کی حقدار نہیں۔

بیوی کی حیثیت سے

عورت نے لڑکی ہونے کی حیثیت سے بھی حصہ لیا۔ اور ماں ہونے کی حیثیت سے بھی حقدار ٹھہری۔ اب ملاحظہ کیجئے بیوی ہو کر بھی وہ حصہ پاتی ہے یہاں بھی وہ محروم نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ	"اس ترکہ میں سے جو تمہاری
اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ	بیویاں چھوڑ جائیں اور ان
يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ	کے کچھ نہ ہو تو تم کو آدھا ملے
كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ	گا، اور اگر ان کے کچھ اولاد ہو
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ	تو تم کو ان کے ترکہ سے ایک
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ	چوتھائی ملے گا، بہر حال یہ میراث
بِهَا اَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ	وصیّت کر گئی ہوں تو وصیّت اور
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ	اور دین کی ادائیگی کے بعد ملے
اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ	گی اور جس کو تم چھوڑ جاؤ اور
وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ	تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو ان
وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ	بیبیوں کو ترکہ کا چوتھائی ملے
مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ	گا اور اگر تمہارے کچھ اولاد
وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَا	ہو تو ان کو تمہارے ترکہ میں

اَوْ دَیْنٍ۔	آٹھواں حصہ ملے گا، مگر یہ میراث
(النساء - ۲)	تمہاری وصیّت پوری کرنے،
	اور دین کی ادائیگی کے بعد
	ملے گی۔"

دیکھ رہے ہیں جیسے شوہر بیوی کا وارث گردانا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح بیوی کو بھی شوہر کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ کوئی نہیں ہے جو بیوی کو اس کے شوہر کے مال سے محروم کر دے۔

عورت خسارہ میں نہیں

اب رہا حصہ کی مقدار کا مسئلہ، سو اگر غور کیا جائے تو حالات کے لحاظ سے بہ نسبت مرد کے عورتیں ہی نفع میں نظر آئیں گی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بیوی بن کر کسی کے گھر جب جاتی ہے۔ خواہ باپ کے گھر سے کچھ بھی لائی ہو۔ بڑی سے بڑی جائداد کی مالکہ بن کر ہی شوہر کے گھر کیوں نہ آئی ہو۔ لیکن باوجود اس کے بیوی اور بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کے سارے مصارف کا قانوناً و شرعاً شوہر ہی ذمہ دار ہے۔ ایسی صورت میں عورت کو جو بھی حصہ ملا اس کام کے لیے کافی ہے کہ خدانخواستہ کوئی صورت ایسی پیش آ جائے کہ شوہر کی امداد سے وہ محروم ہو جائے تو اتفاقی حوادث کی ان صورتوں میں اپنے مال سے مستفید ہو سکتی ہے۔ اگر غور کیا جائے کہ روپیہ کی جگہ آٹھ آنے بھی اس نقطہ نظر سے عورت کے لیے کافی ووافی ہیں ۔ اور اسی قسم کی عمیق مصلحتیں آپ کو عورتوں کے دوسرے حصوں کے متعلق

نظر آئیں گی ۔

ماں کے روپ میں عورت کا احترام

پھر ایک طریقہ سے اور عورتوں کی حرمت و عزت بڑھائی کہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا اور اس کی محبت جو اولاد کے ساتھ ہوتی ہے اس کو جتایا اور قرآنِ پاک میں ماں باپ کے ساتھ صراحتہً یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ کبھی "ہوں اور اُف تک نہ کہو۔ ظاہرا اور باطن دونوں طرح ماں کی عزت کرو ۔ زبان بھی نرم ہو اور قلب میں بھی جھکاؤ ہو"[1]

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقتاً فوقتاً قرآنی اجمال کی تفصیل کر کر کے بتایا کرتے تھے ۔ کبھی فرماتے کہ تمہاری ماں سب سے زیادہ تمہاری تعظیم و تکریم کی مستحق ہے[2] ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے، بغیر ماں باپ کی خوشنودی، جنت کا دروازہ تم پر وانہ ہوگا[3] یہ اور اس طرح کی بیسیوں حدیثوں میں ماں کی غیر معمولی احترام و تکریم پر زور دیا گیا ہے ۔

الغرض اسلام میں عورتوں کا صحیح مقام جب متعین کر دیا گیا، اور

---

[1] بنی اسرائیل : ۳ لا تقل لهما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً کریما ۔ اس میں والدین کی عظمت کا بیان ہے ۔

[2] بخاری کتاب الآداب ۔

[3] ترمذی کتاب البر والصلہ ۔

گزشتہ غلط احساسات کی وجہ سے ذہن نشین کرادیا گیا کہ عورتوں کا کام صرف نسل افزائی اور مردوں کی فقط خدمت گزاری ہی نہیں ہے، بلکہ وہ بھی دنیا میں عروج اور قدر و منزلت کی اسی طرح مستحق ہے جیسے مرد، جس کی پوری تفصیل آپ کو فقہ کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔ میں نے صرف چند کلیاتی اشاروں کا بطور ضروری تمہید کے ذکر کر دیا۔ اصل مقصد جسے اس کتاب میں پیش کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ "نسوانی ناموس" اور "عفت و عصمت" کی حفاظت و نگرانی کے سلسلہ میں جو ضوابط اسلام میں مقرر کیے گئے ہیں اور آئینی حدود میں لاکر مسلمانوں کی زندگی پر ان کی پابندی لازمی کی گئی ہے، اسی مسئلہ پر تبصرہ کروں۔



عورتوں کی عفت و عصمت کا تحفظ

اسلام میں

اس نقطہ نگاہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ عورتوں کی عصمت اتنی اہم چیز ہے جس کا بدل دنیا کی بڑی سے بڑی دولت بھی نہیں بن سکتی۔ عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے دولت صَرف ہو سکتی ہے نہ کہ حصولِ دولت کے لیے عورتوں کے ناموس کا فروخت کرنا جائز ہو سکتا ہے۔ الغرض جو ہماری "ماں"، ہماری "بیٹی" اور ہماری "بیوی" ہے، العیاذ باللہ! اس کو بیسوا اور بازاری عورت بنا کر رسوا اور ذلیل ہونے پر وہی راضی ہو سکتا ہے جو اپنی "انسانیت" اور انسانی حمیّت و غیرت کا دیوالیہ نکال چکا ہو۔

انسانیت سوز رواج کا خاتمہ

جاہلیت کا یہ دستور کہ شوہر اپنی بیوی کو غیر مرد کے پاس عمدہ نسل لینے کے لیے بھیج دے، ایک عورت نَو نَو مردوں کو بیک وقت اپنے آپ کو استعمال کرنے کا موقع دے، ان انسانیت سوز، حمیّت گداز رواج کا خاتمہ جیسا کہ سن چکے ہو اسلام نے ہمیشہ کے لیے کر دیا۔ عائشہ صدیقہ رضؓ کا بیان گزر چکا ہے کہ:

فلما بعث محمد رسول الله صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بالحق ھدم نکاح الجاھلیۃ کلہ الا نکاح الناس نکاح الیوم۔

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حق سے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے جاہلیت کے کل نکاحوں کی بنیاد ڈھا دی سوائے اس کے جو آج کل رائج ہے۔"

(بخاری کتاب النکاح)

صرف انہی طریقوں کو نہیں روکا، بلکہ دوسرے ان تمام طریقوں کو بھی حرام قرار دے دیا جس سے عفت وعصمت پر زد پڑ سکتی تھی۔ جس سے نسل اور میراث میں گڑبڑ پیدا ہوتی تھی، جس سے صلہ رحمی اور مروت کی شہ رگ کٹتی تھی۔ اور ان کو زنا کا نام دے کر لوگوں کو آگاہ کر دیا گیا اور قرآن ہی میں اعلان کیا گیا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا۔

(اسرا ـ ۴)

"اور زنا کے پاس بھی مت پھٹکو۔ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی کی بات ہے۔ اور برا راستہ ہے۔"

زنا اور اس کے مفاسد

یہ نہیں فرمایا کہ زنا نہ کرو، بلکہ فرمایا گیا:۔ زنا کے قریب بھی مت جانا ــ جس کا مطلب یہی ہے کہ زنا ہی نہیں بلکہ ہر وہ کام یا طریقہ جو زنا کے

پنجے تک پہنچانے والا ہو، سب ہی سے بچنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو قرآن کے ان اجمالی الفاظ میں بعض لطیف اشارے بھی آپ کو مل سکتے ہیں یعنی فطرت انسانی میں جو نفرت اور بُرائی کا احساس زنا کے متعلق پایا جاتا ہے اس کی طرف " فاحشۃ " کے لفظ سے ایماء فرماتے ہوئے " سَاءَ سَبِیلاً " (بُرا ہے راہ کے اعتبار سے) کے الفاظ سے اگر سمجھا جائے تو یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے نسب میں اختلاط اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا اثر میراث، مسائل حرمت، حقوق کی پامالی اور اخلاق پر پڑتا ہے اور سلسلہ بسلسلہ نہ معلوم کہاں تک پہنچتا ہے ـــ امام رازیؒ اس آیت کے ضمن میں زنا کے مفاسد کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

(۱) زنا سے نسب مختلط اور مشتبہ ہو جاتا ہے۔ آدمی یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتا کہ زانیہ کی یہ اولاد کس مرد سے ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بچہ کی پرورش کا کوئی مرد بھی ذمہ دار نہیں بنتا، بچہ ضائع ہو جاتا ہے (یا خود ماں ایسے بچہ کو مار کر پھینک دیتی ہے) یا وہ غریب بچہ سرپرست نہ ہونے کی وجہ سے نتیجۃً تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ جو عالم کی ویرانی اور انقطاع نسل کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(۲) زانیہ پر دسترس شرعی قانون میں کسی کو حاصل ہو سکتی ہے، کیونکہ کسی کے ساتھ باضابطہ اس نے نکاح نہیں کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس عورت پر قبضہ کرنے کی سعی ہر شخص کی جانب سے ہو سکتی ہے اور وجہ ترجیح کسی کو بھی حاصل نہ ہو گی۔ پھر اس راہ میں تباہیوں اور بربادیوں کے جو طوفان اٹھتے رہتے ہیں۔ " معاشقہ " اور آوارگی کی تاریخوں میں

اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

(۳) زناکار عورت کو زنا کی لت پڑ جاتی ہے، طبع سلیم رکھنے والے مرد کو ایسی عورت سے گھن معلوم ہوتی ہے۔ پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی سلیم الطبع اس سے شادی کرنے کے لیے اپنے کو آمادہ نہیں کر سکتا. محبت و اُلفت تو خیر دور کی بات ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو عورت زنا میں مشہور ہو جاتی ہے اس سے لوگ عموماً نفرت کا اظہار کرتے ہیں اور سوسائٹی میں وہ حقیر اور ذلّت آمیز نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

(۴) زنا کا جب دروازہ کھل گیا، کوئی مستقل قاعدہ و قانون باقی نہ رہا تو پھر کسی خاص مرد کو کسی خاص عورت سے کوئی لگاؤ نہ رہے گا جس کو جہاں موقع مل گیا اور جس نے جس کو بلایا، وہاں دونوں مل گئے اور جو کچھ کرنا ہو کر گزریں اور یہی حال حیوانات کا ہے پھر انسان و حیوان میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔

(۵) عورت سے صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ اس کے پاس پہنچ کر جنسی تقاضے پورے کیے جائیں۔ بلکہ مقصد یہ بھی ہے کہ دو جان مل کر ایک دوسرے کے رفیق و شریک ہوں، گھر کے کاموں میں بھی، کھانے پینے میں بھی، بچوں کی تربیت و تعلیم میں بھی۔ اور زندگی کی دوسری ضروریات میں بھی، پھر غم میں بھی اور خوشی میں بھی، تنگ حالی میں بھی۔ اور یہ ساری باتیں اس وقت قطعاً پیدا نہیں ہو سکتیں جب تک عورت کسی ایک کی جائز طریقہ پر ہو کر نہ رہے اور اس کی شکل یہی ہو سکتی ہے کہ زنا کو بالکلیہ حرام قرار دے دیا جائے اور نکاح کے قانونی دائرہ عورت و مرد کے تعلقات کو محدود کیا جائے۔

(۶) ہمبستری پردہ کی بات ہے - یہی وجہ ہے کہ اس کا تذکرہ اشارتاً کیا جاتا ہے، اور کوئی اس کام کو کرتا ہے تو پردہ کی اوٹ میں کہ کسی کی نگاہ نہ پڑنے پائے - پس معلوم ہوا کہ اس کو کم سے کم کرنا قرین عقل و قیاس ہے اور اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ جائز طور پر ایک عورت ایک مرد کی ہو کر رہے، ورنہ پھر یہ بات حاصل نہیں ہو سکتی -

یہ چھ خرابیاں وہ ہیں جو بالکل عیاں ہیں: [۱]

ایک نوجوان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ایک روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت ابو عمامہ (صحابی) رضی اللہ عنہ ہیں - ان کا بیان ہے کہ ایک نوجوان خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا، اور اس نے درخواست کی: یا رسول اللہؐ! مجھے زنا کی اجازت دی جائے - صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی گستاخی بہت بُری معلوم ہوئی - چنانچہ اس کو سبھوں نے ڈانٹا اور اس کے اس سوال پر نفرت کا اظہار کیا -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جوان سے فرمایا: "قریب آجاؤ" وہ قریب آگیا، آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ — وہ بیٹھ گیا، اب آپؐ نے اس کو سمجھانے کے لیے سوال و جواب شروع کر دیئے -

---

[۱] تفسیر کبیر ج ۵ ص ۳۹۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: کیا تم اس (زنا کے) کام کو اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو؟

نوجوان: نہیں یا رسول اللہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: دوسرے لوگ بھی اس بُرائی کو اپنی ماں کے لیے پسند نہیں کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اس زنا کو تم اپنی لڑکی کے حق میں اچھا جانتے ہو-؟

نوجوان: میں آپ پر نثار ہوں، نہیں یا رسول اللہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: دوسرے لوگ بھی اس بدکاری کو اپنی لڑکیوں کے لیے اچھا نہیں جانتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اس بُرے کام کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت کر سکتے ہو؟

نوجوان: ہرگز نہیں یا رسول اللہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: دوسرے لوگ بھی اس گندگی کو اپنی بہنوں کے حق میں برداشت نہیں کر سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: اچھا اس بُرے کام کو تم اپنی پھوپھی کے لیے پسند کرو گے؟

نوجوان: نہیں یا رسول اللہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: دوسرے لوگ بھی اپنی پھوپھی کے لیے زناکاری کو پسند نہیں کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: یہ بتاؤ تم زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا

کر لوگے؟

نوجوان: نہیں یارسول اللہ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم: دوسرے لوگ بھی زنا کو اپنی خالہ کے ساتھ گوارا نہیں کر سکتے۔

اس طرح اس مسئلہ کو جب اس کے ذہن نشین کر چکے تو آپ نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور دعا فرمائی۔

اللّٰھمّ اغفر ذنبہ وطھر قلبہ واحصن فرجہ۔	"اے اللہ! اس کے گناہ معاف کر دے، اس کا دل پاک فرما دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔"
(ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸)	

راوی کا بیان ہے کہ اس تقریر اور دعائے نبوی کا یہ اثر ہوا کہ اس شخص کو کبھی بھی اس کے بعد زنا کا خیال نہ گزرا۔ بات بھی کتنے پتہ کی بیان فرمائی گئی۔ غور کیجئے! کوئی ایسی عورت ہے جو کسی کی ماں نہ ہو۔ بہن نہ ہو۔ پھوپھی نہ ہو۔ خالہ نہ ہو! پھر یہ کیا انسانیت ہے کہ کسی کی ماں، بہن، لڑکی اور پھوپھی وغیرہ سے ناجائز ہمبستری کرے۔

زنا کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم ہے

ایک اور مقام میں قرآن نے زنا کی بُرائی کا تذکرہ کیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِيْلًا۔ (النساء۔ ۳۰)	"تم ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو بات گزر گئی، بیشک یہ بڑی بے حیائی ہے اور نہایت نفرت کی بات ہے۔ اور بہت بُرا طریقہ ہے"۔

اس آیت میں بھی زنا کو "فاحشہ" اور "ساء سبیلا" سے تعبیر کیا ہے جو اور ایک لفظ اور بڑھایا یعنی "مقتاً" جو لفظ ایک ہے، لیکن کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم کی تعبیر یہ ہے۔ اس سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ زنا کے انجام کو قرآن نے کہاں تک پہنچا دیا۔ اسی تصادم ہی کے آثار ہیں جنہیں آئے دن ہم دیکھتے رہتے ہیں۔

عفت پر بیعت

اس سے بھی اس جرم کی اہمیت کا احساس چاہیئے کہ عورتوں سے بیعت جن الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیتے تھے۔ قرآن میں ان کو محفوظ کر دیا گیا ہے، یعنی عورتوں سے عہد لیا جاتا تھا کہ:

لَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ	"وہ بدکاری نہ کریں گی اور نہ دختر کشی کریں گی اور نہ ایسا افترا باندھیں گی جس کو

اَیْدِیْھِنَّ وَاَرْجُلِھِنَّ ۔ (ممتحنہ - ۲)	اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان تراشا ہوگا"

زنا کی برائیوں کی انتہا نہیں مثلاً زنا کے شیوع کے بعد شر و فتن کے چشمے اُبل پڑتے ہیں ۔ قوم میں کشت و خون کی گرم بازاری ہوتی ہے اعمال و اخلاق کی مٹی پلید ہو جاتی ہے ۔ ملک کا معیارِ اخلاق گر جاتا ہے زناکار قوم کی عظمت و وقعت کا قصرِ رفیع زمین پر آ جاتا ہے ۔ عزت و شوکت ملیامیٹ ہو جاتی ہے ۔ پھر انسانیت میں یونہی ضعف آیا امن و امان خطرہ میں گر جاتا ہے ۔ غریبوں کی جان لب پر آ جاتی ہے ۔ ملک صحت کے اعتبار سے نیچے آ جاتا ہے اور جوانِ قوم خصوصاً اور عام افراد عموماً متعدی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔

زِنا جرمِ عظیم ہے

زنا کے ان ہی مفاسد کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے زنا کو قتل کے بعد ہی رکھا ہے کہ یہ بھی گو قتل نہ سہی لیکن انجام کے اعتبار سے قتل سے کم بھی نہیں ہے ۔ قرآن نے جہاں اللہ کے نیک بندوں کی صفات کا ذکر کیا ہے ۔ وہاں یہ بھی ذکر کیا ہے :

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ	"اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا

وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۔	ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور زنا بھی نہیں کرتے اور جو شخص ایسے بُرے کام کرے گا تو اس کو سزا سے سابقہ پڑے گا۔"
(الفرقان ۔ ۶)	

آیت مذکور کا فحویٰ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک کفر و شرک اور قتلِ ناحق کی طرح زنا بھی عظیم جُرم ہے ۔ ایسا گناہ ہے۔ جو سوائے توبہ۔ ایمان اور عمل صالح کے معاف نہیں ہوتا ۔ خود اس آیت کے متصل یہ بیان ہے:

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۔	"کہ قیامت کے دن اس کا عذاب بڑھتا چلا جاوے گا۔ اور وہ ہمیشہ اس میں ذلیل ہو کر رہے گا۔
(الفرقان ۔ ۶)	

قرآن کے ان الفاظ پر غور کیجئے اور سوچیے کہ سزا کے ان ہولناک حالات سے دوچار کرنے والے جرائم میں ایک جرم زنا بھی ہے ۔

شرک کے بعد بڑا گناہ زنا ہے

بات بھی کچھ ایسی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ما من ذنب بعد	"شرک کے بعد کوئی گناہ اس

الشرك اعظم عند الله	نطفہ سے بڑھ کر گناہ نہیں
من نطفة وضعها رجل	ہے ؛ جس کو کوئی شخص کسی
فی رحم لا محل له ۔	ایسے رحم میں رکھے جو شرعًا
(ابن کثیر ص ۲۰۸ جلد ۲)	اس کے لیے حلال نہ تھا"

شاید اسی بنیاد پر مسلمانوں میں مشہور بھی ہو گیا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ زنا ہے ۔ ایک اور حدیث میں زنا ہی کے متعلق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف یہ فقرہ جو منسوب کیا گیا ہے :

لا یزنی الزانی حین	زنا کار جس وقت زنا کرتا
یزنی وھو مومن ۔	ہے ، اس وقت مومن نہیں ہوتا ۔
ایاکم ایاکم ۔	بچو بچو !
(مشکوٰۃ)	

بوقتِ زنا ایمان کی حالت

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہیں تو کم از کم زنا کے وقت ایمان زانی کو چھوڑ کر جدا ہو جاتا ہے ۔ گویا مومنؑ مومن رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب نہیں کر سکتا ۔

ایک دوسری حدیث میں اس حدیث کی وضاحت بھی موجود ہے ، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا زنی العبد خرج	"بندہ جب زنا کرتا ہے اس
منه الایمان فکان	وقت ایمان اس سے نکل

فوق راسه كالظلة فاذا خرج من ذلك العمل يرجع اليه الايمان (مشکوۃ باب الکبائر)

جاتا ہے اور اس کے سر پر سایہ بن کر ہوتا ہے، اور زانی جب فعل زنا سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زنا اتنی بڑی چیز ہے اور اس قدر معیوب فعل ہے اس کے ارتکاب کے وقت ایمان کانپ اٹھتا ہے — اور گھبرا کر قالب چھوڑ دیتا ہے۔ اس کی غیرت برداشت نہیں کرتی کہ اس حالت میں اس سے چمٹا رہے۔ ہاں جب وہ فارغ ہوتا ہے اس کا قلب اس کو ملامت کرتا ہے اور قلب منفعل ہوتا ہے۔ وہ ترس کھا کر پلٹ آتا ہے اور ایمان کو غیرت کیوں نہ آئے؟ کہ خود رب العزت کو ایسے فعل پر غیرت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اس نے فحش امور کو حرام قرار دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔

(الاعراف - ۴)

"آپ فرمایئے کہ صرف تمام فواحش باتوں کو البتہ میرے رب نے حرام کیا ہے ان میں جو علانیہ ہوں ان کو بھی اور جو پوشیدہ ہوں ان کو بھی، اور ہر گناہ کی بات کو، اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو بھی حرام کیا ہے۔

غیرتِ حق

حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لے تو کیا کرے! آپ نے فرمایا: چار عینی گواہ پیش کرے۔ مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو فطرتاً غیر معمولی غیور تھے۔ وہ بولے: اگر میں اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں، تو میری غیرت برداشت نہ کر سکے گی۔ میں اسی وقت تلوار اٹھاؤں گا اور دو ٹکڑے کر دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی، آپ نے فرمایا: سعد کی غیرت پر تعجب کیوں کرتے ہو۔ خدا گواہ ہے میں خود ان سے بہت زیادہ باغیرت ہوں۔ اور میری غیرت سے بڑھ کر خود رب العزت کی غیرت ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن تمام فواحش کو حرام دے دیا۔ یہ کھل کر ہو یا پردہ پوشی کے ساتھ[1]

آپ کے زمانہ میں سورج گہن ہوا تھا۔ اس موقع سے آپ نے ایک بلیغ خطبہ دیا تھا اور اسی خطبۂ کسوف میں آپ نے فرمایا تھا:

یا امۃ محمد واللہ	"اے امتِ محمد! خدا کی
انہ لا احد اغیر	قسم اس بات سے اللہ تعالیٰ
من اللہ ان یزنی او	سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں

---

[1] الجواب الکافی لابن القیم۔ ص ۲۱۹

تزنی امة واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا و لبکیتم کثیرا۔

ہوتی کہ کوئی مرد یا عورت زنا کرے، اور بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بکثرت روتے۔"

(بخاری)

اور اہمیت جتانے کے لیے اس کے بعد ہاتھ اٹھایا اور فرمایا: اے اللہ! کیا میں نے پہنچا نہیں دیا؟ یعنی منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ضروری حکم اس کے بندوں تک میں نے پہنچا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان الفاظ کو بار بار پڑھیے۔ اور زنا کی قباحت اور خروجِ ایمان والی حدیث پر غور کیجیے۔ ایک اور آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فواحش سے روکا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔

(النحل - ۱۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور اہلِ قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اس لیے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔"

یہ وہ آیت ہے جو ہر جمعہ کو عموماً خطبہ میں پڑھی جاتی ہے، اور اس

طرح اس آیت میں جو احکام درج ہیں۔ ان کی اہمیت بیان کی جاتی ہے۔ زنا سے اس شدومد کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے جو روکا ہے اسکی وجہ یہی ہے یہ اپنے انجام اور نتیجہ کے اعتبار سے اتنا مہلک جرم ہے، جس کی دنیوی و اُخروی تباہ کاریاں کا احاطہ آسان نہیں!

یوسف علیہ السلام کا اعلانِ حق

یوسف علیہ السلام کا واقعہ جسے قرآن پاک نے نقل کیا ہے۔ اس سے بھی زنا کی برائی اور اس کے مفاسد پر روشنی پڑتی ہے۔ یوسف علیہ السلام کو خرید کر جب عزیز مصر نے اپنی بیوی زلیخا کے سپرد کیا کہ اس غلام کی نگہداشت کرو، تو زلیخا نے اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ــــ مگر کچھ ہی عرصہ گزرا تھا۔ اور یوسف علیہ السلام نے جوانی کے میدان میں قدم رکھا ہی تھا کہ زلیخا یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال پر مفتون ہو گئی اور دل کشی اور ہوش ربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اس کام پر آمادہ کر لے جس کی تعلیم زلیخا کو اس کے نفس نے دی تھی۔ عیش و نشاط کے سارے سامان فراہم، نفسانی جذبات اپنے شباب پر ــــ محبت اور پیار کی مسلح فوج سامنے۔ تنہائی کا عالم، سارے دروازے اور کھڑکیاں بند۔ تمام خطروں اور کل اندیشوں سے بظاہر اطمینان ــــ پھر جوانی قیامت کا روپ بھرے کھڑی، شبابی قوت و طاقت کا سمندر موجزن، تجرد کی زندگی میں جنسی میلان کا صبر آزما تلاطم ــــ اور ایسے وقت میں ایک غارت گر ہوش و خرد اپنے آپ کو خود حضرت یوسف علیہ السلام پر پیش کرتی ہے الغرض؛

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ ؕ (یوسف - ۳)	اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے، وہ عورت ان سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ان کو پھسلانے لگی اور سارے دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی: آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں،،

کی صورت پیش آئی ــــ آسمان دیکھ رہا تھا، زمین دیکھ رہی تھی، ملائکہ دیکھ رہے تھے کہ یعقوبؑ کا چشم و چراغ اب کدھر جاتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے ــ بلا نے میں شیطانی قوت کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا گیا تھا۔ مگر اللہ کے بندے یوسف علیہ السلام سب کچھ دیکھتے ہیں اور چاہتے تو جو کچھ امراۃ عزیز چاہتی تھی اسے کر گزرتے، لیکن جیسا کہ قرآن ہی میں اطلاع دی گئی ہے:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ـ (یوسف - ۳)	یوسف نے کہا: اللہ بچائے وہ میرا مربی ہے اس نے مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی -،،

زانی ظالم ہے اور ظالم کو دنیا اور آخرت میں فلاح نصیب نہیں ہوگی۔ اور اگر میں زنا کا ارتکاب کروں تو خود میں بھی ظالم بن جاؤں گا ــ پھر کیسے جرأت کی جائے۔ رب کا احسان بھول جانا ــــ اور اس کی دی ہوئی قوت کو اس کے ہی حکم کے خلاف استعمال کرنا ؛ اسی کا نام تو شیطنت ہے۔ شیطان کا قصور ہی اس کے سوا کیا ہے کہ توانائیوں کا جو ذخیرہ خالق کائنات کی طرف سے اس کو ملا ہے بجائے مرضیٔ حق کے ان کو خدا کی مرضی کی خلاف استعمال کرتا ہے۔

زنا مظالم کی جڑ

اس آیت میں زانی کو جو ظالم قرار دیا گیا ہے ___ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں سوچئے تو یقین کرنا پڑے کہ زنا دنیا کے سارے مظالم کی جڑ ہے ___ دنیا کی ساری برائی زنا کاری میں پائی جاتی ہے ___ پھر زانی کے ظالم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

زانی کا فعل زنا خود اپنے اُوپر بھی ظلم ہے کہ اس سے اخلاق و اعمال کی مٹی پلید ہوتی ہے، خون اور روپیہ بے فائدہ ضائع ہوتا ہے ___ مادۂ تولید جو باعثِ افزائشِ نسلِ انسانی ہے ناحق برباد ہوتا ہے صحت پر ناخوشگوار اثر پڑتا ہے۔ ذلت اور رُسوائی ہوتی ہے۔ ذاتی خوف و ہراس میں مبتلا رہتا ہے۔ حزن و ملال سے دوچار ہوتا ہے، مرضِ متعدی سوزاک و آتشک وغیرہ کے خطرات میں اپنے کو گرفتار کرنا پڑتا ہے۔ بے حیائی، فریب کاری، جھوٹ، بدنیتی، خود غرضی، نفسانی خواہش کی غلامی، ضبطِ نفس کی کمی، خیالات کی آوارگی اور دُوسری بیسیوں جسمانی، ذہنی اور روحانی امراض میں زنا آدمی کو مبتلا کر دیتا ہے۔

(۲) زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کہ زنا کار خاندان کی عزت کو داغ لگاتا ہے اور پھر خاندان کے لئے برائی کا ایک نمونہ قائم کرتا ہے ___ اہلِ خاندان اور بال بچوں کے لیے زنا کی شاہراہ بناتا ہے۔

(۳) زنا نسوانی عفت و عصمت کی لوٹ ہے ___ زانی ڈاکو ہے ___ ایک کمزور ارادے والی ذات کو اپنی ہوسناکیوں کا تختۂ مشق بناتا ہے، شرم و حیا کی چٹانوں کے نیچے عورت کی فطرت جو قدرتاً دبی ہوئی ہے ___ ان چٹانوں کو بھی پاجی زانی اٹھا لیتا ہے جس کے بعد عورت جس کے لئے کسی مرد سے خواہ اس کا باپ اور

بھائی کیوں نہ ہو ـــــ خطاب میں حیاء دامنگیر ہوتی تھی، اب وہ ایک بیباک، فتنہ پرداز عورت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ آنکھوں کا پانی اس کے ڈھل جاتا ہے، بے حیائی کے کاموں پر دلیر ہو جاتی ہے۔

اور آج عصمت فروشیوں کے سارے بازار جو شہروں میں نظر آتے ہیں۔ درحقیقت زانی مردوں ہی کے کھولے ہوئے بازار تو ہیں ـــــ یہ سب انہی کے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

(۴) عورت بہر حال کسی خاندان ہی کی عورت ہوتی ہے۔ کسی کی بیٹی ـــــ کسی کی بہن ـــــ کسی کی بیوی یا ماں ہوگی ـــــ سوچیے تو سہی کہ زانی مرد کن رسوائیوں کی سیاہی عورت کے خاندان والوں کے چہروں پر پھیرتا ہے کہ بسا اوقات خودکشی تک، ان ہی رسوائیوں کے غیر معمولی احساس نے لوگوں کو پہنچا دیا۔

(۵) اور عورت کسی مرد کی اگر باضابطہ منکوحہ ہے تو دوسرے مفاسد کے ساتھ غیر کے حق ناموس پر یہ کسی شرمناک مداخلت اور بے جا اور ظالمانہ حملہ ہے۔

(۶) زنا بچہ پر بھی ظلم ہے ـــــ کیونکہ یا تو اسے ضائع کر دیا جائے گا ـــ اور بے قصور قتل کیا جائے گا، یا باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نگرانی و تربیت اور تعلیم کی ذمہ داری کا کوئی مرکز باقی نہیں رہتا، اور کسی طرح بچہ کو پروان چڑھنے کا موقع بھی مل جائے تو سیاہی کے اس داغ کو اس غریب کی پیشانی سے کون دھو سکتا ہے جو خود اس کے ناجائز باپ کے ہاتھوں اس کی پیشانی پر لگا ہے۔ سوسائٹی میں ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ بسا اوقات زنا سے پیدا ہونے والے بچے امراض خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں عموماً گونگے، بہرے، لنگڑے لولے لڑکے جو پیدا ہوتے ہیں ـــــ یعنی نوعی کمالات میں سے کسی کمال سے محروم ہو کر پیدا ہوتے ہیں۔ بظاہر قدرت کی طرف ان

کوتاہیوں کو منسوب کرنے والے منسوب کر دیا کرتے ہیں، لیکن موجودہ طبی تحقیقات کی روشنی میں پتہ چل رہا ہے کہ ان کوتاہیوں کی زیادہ تر ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جن سے گزر کر بچے دنیا میں قدم رکھتے ہیں آئندہ نسلوں کی امانت جن کے سپرد ہوتی ہے، وہ امانت جن کے سپرد ہوتی ہے۔ وہ امانت میں خیانت سے کام لیتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کے پھیلنے پھولنے کا دارومدار ہی "جذبۂ امانت" کے اس احساس پر مبنی ہے، اس کی ذمہ داریوں میں ہلکی سی غفلت قوم کی قوم کو جسمانی، دماغی اور روحانی بربادیوں کی آندھیوں کے سامنے لے آتی ہے۔

اس مسئلہ کی ہمہ گیری کے لئے "طبیات" کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ "زنا" کا لفظ تو ایک بسیط مختصر سا لفظ ہے، لیکن اس کے مفاسد کا دائرہ خاندانوں، اور قوموں کو اپنے احاطہ میں عموماً لے آتا ہے۔

زنا پر کال کوٹھڑی کو ترجیح

کچھ بھی ہو، اسی سے اندازہ کیجیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھڑی میں قید کی زندگی کو اس جرم کے اقدام پر ترجیح دی، اور دعا مانگی :-

رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ	"اے میرے رب جس کام کی طرف یہ
مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ	عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے
وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ	تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ
کَیْدَهُنَّ اَصْبُ	پسند ہے، اور اگر آپ ان کے
اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ	داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے

الْجَاهِلِيْنَ ۔ تو ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور
(یوسف ۔ ۴۳) نادانی کا کام کر بیٹھوں گا ،،

حدیثوں میں بھی اس "جرم" کی اہمیت کے مختلف پہلوؤں پر جو اشارے کئے گئے ہیں غور کرنے والے سوچیں گے تو عبرت و بصیرت کے مسلسل اسباق ان ہی حدیثوں میں ان کو ملتے چلے جائیں گے ، مثلاً چند حدیثوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

زنا کے سلسلہ میں ارشاداتِ نبویؐ

ایک دفعہ یہودیوں کا ایک وفد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دریافت کیا کہ "آیات بینات" کیا ہیں ؟ جواب میں ارشاد فرمایا گیا تھا :۔

لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا "اللہ تعالیٰ کا نہ کسی کو شریک ٹھہراؤ
وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا نہ چوری کرو ، نہ زنا کرو اور نہ کسی
تقذفوا محصنة (مشکوٰۃ باب الکبائر) پاک دامن کو زنا سے متہم کرو ،،

جس سے معلوم ہوا کہ جن جرائم کی برائیاں فطرت انسانی کے لئے واضح اور کھلی ہوئی ہیں ـــــ ان میں ایک زنا بھی ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا : اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یعنی اکبر الکبائر کون ہے ؟ آپ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا ـــــ حالانکہ اس نے ہی پیدا کیا۔ اس شخص نے پوچھا : اس کے بعد پھر کون سا کام ؟ آپ نے فرمایا : اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ ساتھ کھائے گا ـــ اس نے پوچھا پھر کون سا یا رسول اللہ ـــ ؟

آپؐ نے فرمایا:

ان تزنی حلیلة جارك	"تیرا اپنی پڑوسی کی بیوی سے
(بخاری باب اثم الزنا)	زنا کرنا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی برائی مختلف پیرایہ میں بیان کی اور جا بجا کہ لوگ اچھی طرح اس کی برائی سے واقف ہو جائیں، اور اس بدترین کام سے باز آ جائیں، ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ دوزخ میں لوگ زیادہ تر اپنے منہ اور اپنی شہوت کی جگہ کی بدولت ڈالے جائیں گے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب قیامت کی علامتیں ہیں: علم کا اٹھ جانا[۱] — جہالت کا عام ہونا[۲]، شراب کا پینا[۳]، زناکاری کا پھیل پڑنا[۴]۔ اور یہ کہ مردوں کی تعداد کم پڑ جائے تا آنکہ پچاس عورتوں کا ذمہ دار صرف ایک مرد باقی رہ جائے[۵]۔

زنا کی ہلاکتیں

اسی طرح حضرت عبد اللہ مسعود (صحابی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماظهر الربا والزنا فی قریة الا اذن الله باهلا کها۔	"کسی بستی میں سود اور زنا جب پھیل پڑتا ہے تو اللہ تعالے اس بستی کی ہلاکت کی اجازت مرحمت فرما دیتا ہے۔
(الجواب الکافی ص۲۲۰)	

جس سے معلوم ہوا کہ زناکاری کبھی آبادی کی ویرانی کا موجب بن جاتی ہے اور پوری آبادی کو برباد کر ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس آبادی پر مسلط ہو جاتا

ہے جس میں زناکاری پھیل پڑتی ہے۔

مصیبت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب خلیفۃ المسلمین ہوئے اور بیعت عامہ ہو چکی جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے تو آپ ممبر پر تشریف لائے اور بحیثیت خلیفہ پہلا خطبہ ارشاد فرمایا

”دیکھو جس قوم نے بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کرنا چھوڑ دیا، اللہ نے اسے ذلیل کر دیا ہے، اور جس قوم میں بھی بدکاری پھیل جاتی ہے خدا اس میں مصیبت کو پھیلا دیتا ہے“ [۱]

پہلے خلیفۂ رسول نے اپنے پہلے خطبۂ خلافت میں ان کلمات کو فرما کر — ”عصمت وعفت“ کے متعلق اسلام کے جس نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیئے کہ عروج واقبال کی زندگی کے تباہ کرنے میں..... سیہ کاریوں کو کس حد تک دخل ہے۔ گویا جو کچھ اب پیش آیا اسی کی پیشین گوئی مسلمانوں کے سب سے پہلے خلیفہ نے کر دی تھی۔

کثرتِ موت اور طاعون

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد تھا۔

---

[۱] تاریخ ملت ج ۲ ص ۱۰۴

ولا فشا الزنا فی قوم الا کثر «زنا کسی قوم میں عام نہیں ہوتا
فیھم الموت (مشکوٰۃ ۴۵۴ عن مالک) مگر ان میں بکثرت موت ہوتی ہے»

ایک لمبی حدیث ہے جس میں آپ نے پانچ عیوب اور اس کے اثرات کو بتایا ہے، منجملہ اور باتوں کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں زنا کاری پھیل جاتی ہے اور کھلم کھلا ہونے لگتی ہے تو اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو طاعون (پلیگ) کی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے، اور ایسے دکھ درد میں ڈالتا ہے جن سے ان کے اسلاف نا آشنا تھے۔[1]

خشک سالی

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من قوم یظھر فیھم الزنا الا اخذوا بالسنۃ وما من قوم یظھر فیھم الرشا الا اخذوا بالرعب (رواہ احمد مشکوٰۃ کتاب الحدید ص ۳۱۳)

«کسی قوم میں جب زنا پھیل پڑتا ہے تو اسے قحط سالی کی مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے اور رشوت کی گرم بازاری ہوتی ہے تو اس پر خوف طاری کر دیا جاتا ہے۔»

انسان جب «عفت وعصمت» کے چہرہ کو داغدار بناتا ہے، شرعی و دینی حدود کی اس راہ میں پرواہ نہیں کرتا اور جائز و ناجائز کی تفریق مٹا دیتا ہے، تو اس وقت پوری قوم فتنہ میں ڈال دی جاتی ہے۔ بنی اسرائیل جو دنیا کی چنی ہوئی امتوں میں

---

[1] الجواب الکافی ص ۵۰ عن ابن ماجہ

ایک خاص تاریخی امت ہے اس میں بھی فتنہ عورتوں ہی کی راہ سے آیا، اور فتنہ جب آیا تو پوری کی پوری امت ہی تہس نہس ہو کر رہ گئی ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اشارہ کر کے فرمایا :۔

فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النساء ۔ (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

"دنیا اور عورتوں سے بچو، اس لیے کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں میں سے تھا"

اسلامی تعلیم سے رُوگردانی کا انجام

اسلامی نقطۂ نظر کا اجمالی نقشہ بقدر ضرورت آپ کے سامنے پیش ہو چکا، اب آیئے ذرا اپنے زمانہ کی کچھ روداد سن لیجئے :

امریکہ جو اس وقت دنیا میں ممتاز ملک مانا جاتا ہے، وہاں زنا کاری کی وبا کا نتیجہ یہ ہے :

"تیس چالیس ہزار کے درمیان بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں ۔ سوزاک میں نوجوان کم از کم ساٹھ فیصدی مبتلا ہیں، اس میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں ہیں ۔ شادی شدہ عورتوں کے اعضائے جنسی پر جتنے آپریشن کیے جاتے ہیں، ان میں پچھتر فیصدی ایسی نکلتی ہیں جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے[1]"۔

امریکہ میں زنا اور اس کے نتیجے

جج "لنڈسے" لکھتا ہے، جو ڈنور کی "عدالت جرائم اطفال" کا صدر ہے۔ اور اس

[1] پردہ از مولانا مودودی صفحہ ۹۶

حیثیت سے وہ جرائم کا کافی تجربہ رکھتا ہے:

"ہائی اسکول کی عمر والی چار سو پچانوے لڑکیوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہو چکا ہے۔ ان میں صرف پچیس ایسی ہیں جن کو حمل ٹھہر گیا تھا۔" [1]

اسی جج "لنڈسے" کا امریکہ کے متعلق بیان ہے:

"امریکہ میں ہر سال کم از کم پندرہ لاکھ حمل ساقط کئے جاتے ہیں اور ہزار ہا بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے جاتے ہیں۔" [2]

اسی امریکہ کی ایک اور رپورٹ بھی پڑھ لیجئے اور ان سے اندازہ لگایئے کہ زنا کاری کا انجام کیا ہوتا ہے۔ یہی لنڈسے جن کا قول پہلے نقل کر چکا ہوں، ان کا اپنا اندازہ ہے کہ ہائی اسکول کی کم از کم پینتالیس فیصدی لڑکیاں مدرسہ چھوڑنے سے پہلے خراب ہو چکتی ہیں۔"

آتشک، سوزاک اور دوسری برائیاں

زنا کی جسمانی اذیتوں کا ذکر کرتے ہوئے "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" جلد ۲۰ ص۴۵ کے حوالے سے مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ:

"امریکہ کے دواخانوں میں اوسطاً ہر سال آتشک کے دو لاکھ اور سوزاک کے ایک لاکھ ساٹھ ہزار مریض کا علاج کیا جاتا ہے ساڑھے چھ سو دواخانے صرف انہی امراض کے لیے مخصوص ہیں مگر سرکاری

---

[1] ایضاً [2] پردہ ص۱۰

دواخانوں سے زیادہ مرجوعہ پرائیویٹ ڈاکٹروں کا ہے۔ جن کے پاس اکسٹھ فیصدی اور سوزاک کے نواسی فی صدی مریض جاتے ہیں۔“ [1]

امریکہ میں جن عورتوں نے مستقل پیشہ اختیار کر لیا ہے اُن کی تعداد کا کم از کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔۔۔۔۔ قحبہ خانوں کے علاوہ بکثرت ملاقات خانے ہیں جو اس غرض کے لیے آراستہ کئے جاتے ہیں کہ ”شریف اصحاب اور خواتین جب باہم ملاقات کرنا چاہیں تو ان کی ملاقات کا انتظام کر دیا جائے۔ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ایک شہر میں ایسے اٹھتر مکان تھے، دوسرے شہر میں تینتالیس۔ ایک اور شہر میں تینتیس۔ ان مکانوں میں صرف بن بیاہی خواتین ہی نہیں جاتیں بلکہ بہت سی بیاہی ہوئی خواتین کا بھی وہاں گزر ہوتا ہے ایک مشہور ریفارمر کا بیان ہے کہ نیویارک کی شادی شدہ آبادی کا پورا تہائی حصہ ایسا ہے جو اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے اپنی ازدواجی ذمہ داریوں میں وفادار نہیں ہے۔“ [2]

”زنا“ نے امریکہ میں یہ قیامت برپا کر دی ہے کہ بلوغ سے پہلے لڑکے لڑکی کی محبت اور مباشرت دونوں شروع ہو جاتی ہیں۔ [3]

کنسے رپورٹ

۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر ”ہنلی کنسے“ نے ایک بسوط رپورٹ پیش کی ہے اور یہ

---

[1] پردہ ص ۲۸ [2] پردہ ص ۶۷، ۶۸ [3] ایضاً ص ۶۳

رپورٹ ڈاکٹر کنسے اور ان کے ساتھیوں نے بارہ ہزار امریکی مردوں سے مل کر تیار کی ہے اور ان کے خفیہ حالات معلوم کئے ہیں۔ کنسے رپورٹ کے بموجب:۔

"استلذاذ بالنفس" (   ) میں نوے فیصدی امریکی مرد زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں مبتلا رہے۔"

"استلذاذ بالمثل": امریکی مردوں کی ایک تہائی آبادی نے کم از کم اپنی زندگی میں ایک مرتبہ اس شوق کی تکمیل کی۔ گویا ستر لاکھ امریکی مرد استلذاذ بالمثل میں مبتلا ہیں۔

چار فیصدی لوگ تمام عمر "امرد پرست" رہتے ہیں۔

استلذاذ بالضد" (زنا) پندرہ سال کی عمر تک ۲۵ فیصدی چھبیس سے چالیس سال تک ۹۰ فیصدی ــــ سولہ سے بیس سال تک غیر فاحشہ عورتوں سے اختلاط کی تعداد ۴۰ فیصدی ہے۔

"تعلیم سے اعتبار سے" جن کی تعلیم "گرامر اسکول" تک ہوتی ہے۔ اس میں ۸۴ فیصدی کو عورتوں سے اختلاط کا سابقہ رہا ہے۔

"ہائی اسکول" تک تعلیم پانے والوں کا تناسب غیر عورتوں سے اختلاط میں ۷۷ فیصدی ہے اور "کالج" کے تعلیم یافتوں کا تناسب زنا میں ۴۹ فیصدی ہے۔ یہ اکیس سال عمر والوں کی تعداد ہے۔

شادی شدہ مردوں میں نصف تعداد ایسی ہے جنھوں نے اپنی بیوی کے سوا غیر عورتوں سے دوران ازدواج میں اختلاط کیا ہے۔

انگلستان میں زنا کی وبا

انگلستان میں جو اپنی جدت پسندی میں بہت مشہور ہے۔ اس کے متعلق وہیں

کا ایک انگریز "جارج رائیلی اسکاٹ" اپنی کتاب تاریخ الفحشاء میں لکھتا ہے:

"پیشہ ور عورتوں کے علاوہ بڑی تعداد ان عورتوں کی ہے جو آمدنی میں اضافہ کے لیے زناکاری کے پیشہ کو بھی ضمنی طور پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اب جوان لڑکی کے لیے بدچلنی اور بے باکی بلکہ سوقیانہ اطوار تک فیشن میں داخل ہو گئے ہیں۔ ایسی لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جو شادی سے پہلے صنفی تعلقات بلا تکلف قائم کر لیتی ہیں اور وہ لڑکیاں اب شاذ کے حکم میں ہیں جو کلیسا کی قربان گاہ کے سامنے نکاح کا پیمانِ وفا باندھتے وقت صحیح معنوں میں دوشیزہ ہوتی ہوں۔"[1]

"انگلستان میں کم از کم اندازہ کے مطابق ہر سال نوّے ہزار حمل اسقاط کیے جاتے ہیں۔ شادی شدہ عورتوں میں اس کا تناسب اس سے بھی زیادہ ہے۔"[2]

فرانس میں بدکاری

انگلستان کے بعد تھوڑا سا حال فرانس کی بدکاری اور اس سے نقصانات کا بھی سن لیجئے:

"جنگِ عظیم کے ابتدائی دو سالوں میں جن سپاہیوں کو محض آتشک کی وجہ سے رخصت دے کر ہسپتالوں میں بھیجنا پڑا۔ ان کی تعداد پچھتر

---

[1] پردہ ص ۴۷، [2] ایضاً ص ۴۵

ہزار تھی ۔ ایک متوسط درجہ کی چھاؤنی میں بیک وقت ۲۴۲ سپاہی اس مرض میں مبتلا ہوئے"۔ ؎

ایک ماہر فرانسیسی ڈاکٹر کا بیان ہے کہ فرانس میں ہر سال صرف آتشک اور اس کے پیدا کردہ امراض کی وجہ سے تیس ہزار جانیں ضائع ہوتی ہیں"۔ ؎

"جنگِ عظیم سے پہلے موسیو بیولو فرانس کے اٹارنی جنرل نے اپنی رپورٹ میں ان عورتوں کی تعداد پانچ لاکھ بتائی ہے جو اپنے جسم کو کرایہ پر چلاتی ہیں ۔ اس فن کے لیے اشتہار سے پورا کام لیا جاتا ہے"۔ ؎

یہ مختصر سے اقتباسات میں نے اس لیے پڑھنے کی زحمت دی کہ آپ غور کر سکیں کہ زناکاری کے مفاسد کیا ہوتے ہیں اور ان سے قوم و ملک کا کتنا زبردست جانی، مالی، اخلاقی اور سیاسی نقصان ہوتا ہے ۔ اور پھر یہ بھی سوچیں کہ زنا کی سزا میں جو امراض پیدا ہوتے ہیں وہ کتنے سخت اور مہلک ہوتے ہیں ۔ مزید یہ بھی ذہن نشین کر لیں کہ دنیا کا کوئی کامیاب علاج زناکاری کے "دنیاوی عذاب" سے نہیں بچا سکتا ۔ ان بڑے مہذب، متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے ۔ ان کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ اسلام نے جن مفاسد کی طرف اشارہ کیے ہیں، وہ کتنے صحیح ہیں ۔ اور قوانین عفت مرتب کر کے اس نے دنیا پر کتنا زبردست احسان کیا ہے ۔

(ماخوذ از اسلام کا نظام عفت و عصمت)

؎ ایضاً ص ۵۷ ؎ ایضاً ص ۵۰

"شادی"

روشن خیال مفکّرین کی نظر میں

شادی کی یہ اہمیت آپ طبی اور مذہبی حیثیت سے پڑھ چکے۔ اب یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ دنیا کے موجودہ مفکرین اور روشن خیال اس سلسلہ میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

بھارتی مفکّر کا بیان

ہمارے ملک ہندوستان کے مشہور لیڈر اور بھارت کے پہلے ہندوستانی گورنر جنرل مسٹر راجگوپال اچاریہ یہ فرماتے ہیں:

"عورتوں کے لیے شادی کرنا بہت ضروری ہے، ڈاکٹری، انجینئرنگ اور سیاست دانی بلاشبہ باعزت پیشے ہیں۔ مگر گھربار کی نگرانی، اور بچوں کی پرورش بھی کچھ کم قابل عزت نہیں ہے۔ فوجی کارخانوں میں کام کرنا اور دفتروں میں حاضری دینا خواہ کتنا ہی اہم ہو۔ لیکن گھریلو زندگی کے نوک و پلک درست کرنا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ میں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں جو تجربہ حاصل کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت

کے اخلاق کی تکمیل ماں بن کر ہی ہو سکتی ہے۔" [1]

ایک انگریز عورت کی رائے

ایک فاضل فرنگن لکھتی ہے:

"عورت کا اوّلین فریضہ شادی، مادریت اور خانہ داری ہے۔ معاشرہ کا فرض ہے کہ ہر عورت کے لیے اس کے مواقع بہم پہنچائے۔ اور جو عورت اس کی تلاش میں ہو اسے وہ آسانی سے مل جائے، جیسے مرد کو ذریعہ معاش۔" [2]

مغربی مفکّر کا مشورہ

ایک مغربی مفکّر "این تھونی ایم لوڈو ویسی" اپنی کتاب "عورتوں کا تحفظ" میں لکھتا ہے:

"اس امر پر زور دینا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہر عورت کے لیے ایک خاص عمر تک ازدواجی زندگی کو مقصودِ زندگی قرار دیا جانا چاہیے اور والدین کے ذہن نشین یہ امر کرنا چاہیے کہ ازدواج ہی وہ اصل غرض ہے جس کے لیے لڑکیوں کی تربیت کی جانی چاہیے۔ انسانیت کے بہترین پہلوؤں

---

[1] زمزم لاہور ۷، اگست ۱۹۴۵ء

[2] صدق جدید لکھنؤ، ۱۸، جنوری ۱۹۵۲ء

کی تکمیل ماں بننے سے ہوتی ہے اور اس کے علاوہ جو چیز بھی
ایک عورت حاصل کرے وہ اس سے کمتر درجہ رکھتی ہے
اور وہ لوگ جو اسے عالمِ شباب میں یہ فریب دیتے ہیں
کہ اس کے لیے ماں بننے سے بڑھ کر یا اس کے برابر اور
مشاغل میں بھی ۔ نہ صرف صنفِ نازک کے بلکہ نوعِ انسانی
کے دشمن ہیں ۔" ؎۱

یہی مصنف اپنی اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے :۔

" چونکہ عورت کا مکمل طور پر زندگی اور اس کے افزائش کے
کے کاروبار میں ڈوبی ہوئی ہے ۔ اس لیے اس حقیقت کا
صاف طور پر اور بلا خوفِ تردید اعلان ہونا چاہیئے کہ تمام وہ
لوگ جو اسے یہ سکھاتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اور شغل اس
کا اصلی شغل ہے ، تمام وہ لوگ جو مسائل حاضرہ کے گورکھ دھندے
میں اسے نسوانیت کے بارے میں ایسے قصے کہانیوں سے پریشان
کرتے ہیں ۔ جن سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اصلی نسوانیت زندگی
اور اس کی افزائش سے علیحدہ کوئی چیز ہے ۔ غرضیکہ وہ تمام
لوگ جو اسے مرد ۔ اور بچہ سے دُور رہتے ہوئے مسرت، اطمینان
اور راحت کی توقعات دلاتے ہیں جھوٹے ہیں ۔" ؎۲

؎۱ ندائے حرم کراچی جمادی الاولیٰ ۶۹ھ

؎۲ ندائے حرم کراچی جمادی الاول ۶۹ھ

اسلام کا قانون

تعدّد ازدواج اور مخالفین

اب تو یہ چیز اتنی عیاں ہو چکی ہے کہ بحث مباحثہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ تعدّد ازدواج کے مخالفین کو بھی حالات کے پیش نظر اس بات کو ماننا ہی پڑا کہ اسلام کا قانون "تعدّد ازدواج" درست ہے۔ کسی مذہب اور دھرم کا ماننے والا بشرطیکہ وہ دُور اندیش اور تجربہ کار ہو "تعدّد ازدواج" کے جواز سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی مذہب و دین میں اس کا انکار کیا گیا ہے بلکہ سب ہی میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ خصوصاً اسلام نے جن قیود کے ساتھ "تعدّد" کی اجازت دی ہے، اس کی ضرورت کا تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

مگر عجیب بات ہے کہ یورپ نے اسلام کے "تعدّد ازدواج" کے قانون کو اپنا نشانہ بنا لیا ہے۔ وہی یورپ جس کے ہاں نسوانی ناموس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہی ہے بلکہ لُٹ رہا ہے، لٹایا جا رہا ہے، سربازار سب کچھ ہو رہا ہے لیکن دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور صرف دیکھتے رہتے ہیں۔ یورپ میں مرد و عورت کے تعلقات میں بیباکیوں کی کیفیت جو حد سے گزر چکی ہے اسی کو دیکھ کر اور دوسرے حالات سے متاثر ہو کر یورپ ہی کے بعض ارباب

فکر نے "تعدّد ازدواج" کے جواز کو تسلیم کر لیا ہے۔ بلکہ اس کے جواز کو ضروری قرار دیا ہے۔

اہلِ یورپ کا اعترافِ حق

لندن کے ایک اسکول کی استانی مس میری اسمتھ نے اپنی ایک کتاب میں (جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے) لکھا ہے:

"یک زوجی کا جو قاعدہ قانون برطانیہ میں چلا ہوا ہے وہ تمام تر غلط ہے۔ مردوں کو دوسری شادی کی اجازت ملنا چاہیئے۔"

میری اسمتھ کی اس کتاب کے متعلق سنڈے ٹربیون (ڈربن۔نٹال) مورخہ ۴ ۲ر نومبر ۱۹۵۱ء میں اس کے لندنی وقائع نگار لکھتے ہیں:

"یقین ہے پچیس سال سے اور عمر کی پچیس لاکھ عائیں جو اس وقت برطانیہ میں موجود ہیں۔ دلچسپی اور قدر سے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گی۔"

ان اقتباسات سے اندازہ لگائیے کہ تعدّد ازدواج جس کی اسلام نے ناگزیر ضرورت کے وقت اجازت دی ہے، قانونِ فطرت کے کتنا مطابق ہے۔ اور حالات نے لوگوں کو اسلام کے اس قانون کی حقانیّت کا کیسا یقین دلایا ہے۔

یہی میری سمتھ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

"چونکہ اس ملک (برطانیہ) میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ

میں زیادہ ہے۔ اس لیے ہر عورت شوہر کو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

اس کے بعد اس نے کہا ہے:

"ایک بیوی کا رواج ناکام ہو چکا ہے اور یہ رواج بھی کوئی سائنٹیفک[۱] نہیں ہے۔"

"انگلستان میں جنسی بے راہ روی کو روکنے کے لیے سترھویں صدی سے کثرتِ ازدواج کا چرچا شروع ہو گیا۔ چنانچہ ۱۶۵۸ء میں ایک شخص نے زناکاری اور نومولود حرامی بچوں کی اموات کو روکنے کے لیے کثرت ازدواج کی حمایت میں ایک پمفلٹ شائع کیا۔ اس کے ایک صدی بعد انگلستان کے ایک قابلِ اعتماد اور صاحبِ کردار پادری نے اس مسئلہ کی تائید میں ایک کتاب لکھی۔ مشہور ماہر جنسیات جیمس ہلٹن نے فحاشی اور زناکاری روکنے کے لیے کثرتِ ازدواج کے طریقہ کو اختیار کرنے کی رائے دی۔"[۲]

شوپنہار نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا:

"ایک بیوی پر اکتفا کرنے والے کہاں ہیں؟ میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہم میں سے ہر شخص "کثرتِ ازدواج" کا قائل ہے۔ چونکہ ہر آدمی کو متعدد عورتوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے مرد پر

---

[۱] ندائے حرم کراچی، ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ

[۲] اسلام اور جنسیات صد ۲۸۶

کسی قسم کی تحدید عائد نہ ہونی چاہیئے"۔ [1]

مشہور ماہر جنسیات کیلیچن اپنی کتاب میں لکھتا ہے :

"گو انگلستان میں کثرتِ ازدواج کے اصول پر بالعموم عمل ہوتا ہے لیکن سوسائٹی اور قانون نے ابھی اس چیز کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ سوسائٹی ان اشخاص کے اعمال پر خاموش رہتی ہے، جو ایک بیوی یا شوہر سے شادی کر کے دو یا تین داشتاؤں یا آشناؤں سے تعلقات رکھتے ہیں لیکن سوسائٹی چیخ اٹھتی ہے۔ جب کوئی شخص یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ مرد ایک سے زائد عورتوں سے شادی کی اجازت دی جانی چاہیئے"۔ [2]

ایک بصیرت افروز واقعہ

علامہ عبدالعزیز ساویش مصری نے ایک واقعہ لکھا ہے، جو پڑھنے کے لائق ہے :

"لندن میں ایک جاپانی شخص سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ ہم نے بہت سے اسلامی مسائل پر تبادلۂ خیالات کیا اور جیسے ہی تعداد ازدواج پر بحث چھڑی تو اس شخص نے کہا: کاش! اگر میں بھی مسلمان ہوتا تو ایک اور بیوی کر لیتا۔ میں نے اس سے اس کی

---

[1] ایضاً ص ۲۸۵

[2] ایضاً ص ۲۸۷

وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا کہ میری بیوی کو جنون ہو گیا ہے اور اس پر کئی برس گزر چکے ہیں جس کی وجہ سے مجھے مجبوراً آشنائیاں کرنی پڑتی ہیں، کیونکہ میں دوسری بیوی نہیں کر سکتا۔ اگر میرے پاس دوسری جائز بیوی ہوتی تو اس سے میری جائز اولاد ہوتی جو میری کثیر دولت کی وارث بنتی۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور بہتر رفیق ہوتی اور مجھے اس سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا۔[1]

قانونِ اسلام سے روگردانی کا نتیجہ

مسز برڈسل کال کتر صدر ینگ وومین کرسچن ایسوسی ایشن نے واشنگٹن میں بنگ کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے کہا ہے:

"امریکہ میں چودہ سال سے اوپر کی نوجوان لڑکیوں کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ ہے جو سب کی سب کنواری ہیں۔ ان کے مقابلے میں کنواروں کی تعداد نوّے لاکھ ہے۔ اس حساب سے تیس لاکھ کنواری لڑکیوں کے لیے شوہروں کا ملنا محال ہے۔ کیونکہ جنگ نے مردوں اور عورتوں کا عددی توازن بہت بڑی حد تک خراب کر دیا ہے۔"[2]

---

[1] اسلام اور جنسیات صد ۲۸۷

[2] زمزم لاہور ۱۵ ستمبر ۵۴ء

بتایا جائے کہ ایسی حالت میں کیا کیا جائے گا ۔ اگر تعداد ازدواج کی اجازت نہیں دی جاتی ہے تو عفت وعصمت کو دنیا کی کون سی طاقت بچا سکتی ہے۔ اور بالفرضِ محال بچ بھی جائے تو اس ظلمِ عظیم کا وبال کس کے سر آئے گا! اور ان تیس لاکھ تعداد کی گریہ زاری اور ان کے نالہ وشیون کیا کچھ نہ کریں گے۔ جس نے یہ لکھا بالکل سچ لکھا کہ :

"لوگ سمجھتے ہیں کہ تعدد ازدواج اور وحدت ازدواجی میں مقابلہ ہے ۔ لیکن یہ غلط ہے ۔ اصل میں مقابلہ ہے محدود تعدد ازدواجی کا لامحدود حرامکاری سے ۔ اسلام بعض سخت شرائط کے تحت محدود تعداد ازدواجی کی اجازت اس لیے دیتا ہے کہ لامحدود حرام کاری کا سدِ باب ہو لیکن جو وحدت ازدواجی کے قائل ہیں ان کے پاس لامحدود حرام کاری کے انسداد کا کوئی علاج نہیں ۔ اسی لیے تو وہ تعدد ازدواجی کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں ۔ مگر یہ آواز بلند نہیں کرتے کہ ایک عورت والے مرد کو دوسری جگہ شہوانی جذبات کی سیری کے لیے منہ کالا نہ کرنا چاہیئے ۔"

ہندوؤں کا اعترافِ حق

یہ تو مغرب کا اعترافِ حق تھا ۔ اب ہندوؤں کے متعلق سنیئے :۔

"مدراس ہندو مہا سبھا نے ہندو لاء کمیٹی کے نام جو یادداشت ارسال

کی ہے۔ اس میں پہلی بار ہندو سوسائٹی کے لیے بعض حالات میں تعدد ازدواج کی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ یعنی ہندوؤں کو بعض ایسے حالات بھی پیش آ سکتے ہیں جن میں ایک مرد کو کئی کئی عورتوں سے شادی کی اجازت ہونی چاہیے۔"[1]

ہمیں بتانا یہ ہے کہ اسلام نے عفت و عصمت اور پاکبازی کے لیے جو شاہراہ قائم کی ہے اس پر چلنے سے ہی عزت و آبرو اور پاکدامنی حاصل ہو سکتی ہے، دوسری کوئی شکل نہیں۔ اور وہ شاہراہ یہی ہے کہ جو عورتیں پسند آئیں ان سے شادی کی جائے۔ ایک سے کی جائے، ضرورت ہو تو دو سے، تین سے، حتیٰ کہ چار تک سے اجازت ہے۔ مگر عدل و مساوات کی ضروری شرطوں کے ساتھ۔

تعدد ازدواج میں عدل و مساوات

کن امور میں عدل و مساوات ضروری ہے اس کی کچھ بحث عورتوں کے حقوق میں آئے گی، کچھ یہاں لکھی جاتی ہے۔ اگر واقعتاً ضرورت نے ایک سے زیادہ بیویاں کرنے پر مجبور کر دیا ہے تو کر لی جائیں مگر بدکاری اور رُوسیاہی کی کبھی جرأت نہ کی جائے اور دوسری شادی کی جائے تو یہ یقین کر لے کہ ہمیں اپنی تمام بیویوں کے درمیان عدل و مساوات برتنی ہے اس کے خلاف نہیں کرنا ہے کیونکہ رب العزت کا حکم ہے:

---

[1] زمزم لاہور ۲۳ فروری ۵۴ء

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (النسآء)

"اگر تم کو احتمال ہو کہ عدل نہ برت سکو گے تو ایسی حالت میں ایک پر بس کرو۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيٰمة وشقه ساقط۔ رواه الترمذی وغیرہ۔ (مشکوٰۃ باب القسم)

"جب کسی مرد کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں میں عدل نہ کرے تو قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کا ایک پہلو ساقط ہوگا۔"

مقصد یہ ہے کہ متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں تمام بیویوں میں عدل و مساوات کی پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے، اور اس کے خلاف کرنے کی شکل میں اللہ تعالیٰ شوہر کو سزا دے گا۔ اور ساری مخلوق کے سامنے محشر میں اس کی ناانصافی کی یہ علامت ہوگی کہ اس کے جسم کا ایک حصہ ساقط ہوگا، اور یہ ایک طریقہ ہوگا اس شوہر کی تذلیل و توہین کا، جس نے اپنی بیویوں میں عدل و مساوات کی ضروری شرطیں پوری نہیں کی ہیں۔

اختیاری شے میں عدل

عدل و مساوات ان چیزوں میں ہے جو انسان کے قصد و اختیار میں ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گزری، باقی جو چیز انسان کے قصد و اختیار سے

باہر ہے۔ اس میں بھی عدل ومساوات کی سعی پیہم کرے ہاں اس سے آگے اس کی گرفت نہیں ہے۔ مگر رب العزت سے اپنی اس کوتاہی کی معافی مانگتا رہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان تقسیم میں عدل و مساوات سے کام لیتے تھے اور فرماتے تھے:

اللّٰھم ھذا قسمی فیما	"اے اللہ! جس میں مجھے
املك فلا تلمنی فیما	قابو حاصل ہے۔ اس میں
تملك ولا املك رواہ	میری یہ تقسیم ہے اس چیز میں
الترمذی۔	ملامت نہ فرما جس کا تو مالک
(مشکوٰۃ باب القسم)	ہے لیکن میں مالک نہیں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی واقعہ ہے کہ انہوں نے حضرت عروہؓ سے کہا: اے میری بہن کے نورِ نظر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں جب باری مقرر کرتے تو کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ بلکہ عدل ومساوات کی کارفرمائی ہوتی تھی۔ ہاں یہ البتہ ہوتا کہ ہم تمام سے آپ ملاقات فرماتے اور سب سے ملتے مگر رات میں انہی کے گھر میں آرام فرماتے جن کی باری ہوتی، دوسری کے یہاں غیر کی باری کے دن قیام نہیں کرتے۔" [1]

---

[1] بلوغ المرام باب القسم عن احمد وابی داؤد۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

آخری لمحات حیات میں عدل ومساوات

مسلم شریف میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے بعد نماز عصر ملتے تھے۔ [1]

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ میں عدل ومساوات برتنے کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات میں بھی اس کو فراموش نہ فرمایا۔ ایام مرض میں بھی دریافت فرماتے رہتے، کل میری باری کہاں ہے؟

کان یسال فی مرضه الذی مات فیه۔" این انا غداً؟" (بلوغ المرام باب القسم)	"مرض الوفات میں پوچھتے تھے کل میری باری کہاں ہے؟"

۔ (ماخوذ از اسلام کا نظام عفت وعصمت۔ ناشر مکتبہ نذیریہ، تینجی امرسدھو لاہور)

[1] ایضاً

عفت و عصمت اور تعدّد ازدواج

اس ذلت کے عذاب سے نجات کی صورت اور فضائلِ عفت کے حصول کا ذریعہ وہی ہے جس کی تعلیم اسلام نے دی ہے :

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء)

فطری داعیات و جذبات کی تسکین نکاح کے ذریعے حاصل کی جائے اور اصل سلسلہ میں اس حد تک اجازت ہے کہ ایک سے لے کر چار عورتوں تک سے بیک وقت شادی کی جا سکتی ہے ۔ بشرطیکہ وہ ان بلند اخلاقیوں کا مالک ہو ۔ جن سے اپنی متعدد بیویوں میں عدل و مساوات قائم رکھ سکے ۔ اور یکساں طور پر سب کے حقوق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ۔

تعدّد ازدواج کی اجازت عدل کی شرط کیساتھ

یہ حریص انسان کے لیے علاج کا دروازہ کھول رکھا گیا ہے ۔ یہ منشا نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں کو عقد میں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ یا اسلام ان کو مجبور کرتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ایک سے زیادہ شادی کریں اس آیت کا یہ مقصد قطعاً نہیں ۔ اسلام نے نہایت صفائی سے اعلان کیا ہے اور قرآن مقدس میں ہی اعلان کیا ۔

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ

"پھر ایک ہی بیوی پر بس کر دیا ۔ جو لونڈی تمہاری ملک

اَیْمَانُکُمْ ذٰلِکَ اَدْنٰی	میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور
اَلَّا تَعُوْلُوْا	میں زیادتی نہ ہونے کی توقع
(النساء-۱۰)	قریب تر ہے۔"

مخالفین اسلام جہاں سے اعتراض کرتے ہیں اس کی شہ رگ یہیں سے اسلام نے کاٹ ڈالی ہے۔ کیونکہ جب ایک سے زیادہ شادی کی اجازت اس حالت میں دی ہے کہ عدل و مساوات کے دامن کے چھوٹنے کا خوف نہ ہو۔ اور اس کی متعدد بیویوں کی صحیح معنی میں ضرورت بھی ہو۔ ایک مقام میں قرآن پاک ہدایت کرتا ہے:

فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ	"پس تم بالکل ایک ہی طرف
فَتَذَرُوْهَا کَالْمُعَلَّقَةِ۔	نہ ڈھل جاؤ جس سے اس کو
(النساء-۱۹)	ایسی کر دو کہ وہ بیچ و بیچ
	لٹکی ہو۔"

عدل و مساوات

اوپر کی آیت میں "عدل" سے مراد یہ ہے کہ عورتوں کے جو واجب حقوق ہیں اور جن کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے اس میں عدل و مساوات کا برتاؤ کیا جائے کیونکہ یہ انسان کے قصد و اختیار سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے کھانا، کپڑا، مکان، بیوی کے ساتھ رہنا سہنا، اور اس طرح کے دوسرے تعلقات۔ باقی محبت طبعی اور تعلق قلب۔ یہ ایسی چیز ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس میں شریعت نے سعی کی تاکید کی ہے۔ اپنی جدوجہد کے

باوجود اگر قلبی رجحان اور طبیعت کے میلان میں کمی و بیشی ہو، اس پر گرفت نہیں۔

وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا	"اور اگر اصلاح کر لو اور
فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا	احتیاط رکھو تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ
رَّحِیْمًا ۝	بڑی مغفرت والے اور بڑی
(النساء - ۱۹)	رحمت والے ہیں"

اور عدل اختیاری میں بقول مولانا عبدالماجد دریا آبادی:

"یہ بھی لازم نہیں کہ ہر معاملہ مساوات عددی ہی کے ساتھ کیا جائے ایک افریقی بیوی خوگر دوسری چیزوں کی ہو گی اور امریکی بیوی دوسری چیزوں کی، مسن اور ادھر سن بیوی کی ضرورتیں، خواہشیں، دلچسپیاں، سب ایک کم سن نوجوان بیوی کی ضرورتوں، دلچسپیوں، خواہشوں سے مختلف ہوں گی۔ مقصود یہ نہیں کہ ساری بھینسیں ایک ہی لاٹھی سے ہانکی جانے لگیں۔ مقصود ہر ایک کو بقدر امکان اور بلحاظ اس کے ذوق و حالات کے راحت پہنچانا ہے۔ فقہاء نے عدل بین الازواج (بیویوں کے درمیان انصاف) کو فرض قرار دیا ہے لیکن خود "عدل" کی تفسیر "عدم ظلم" سے کی ہے، کہ کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے"۔ [۱]

ظاهر الاية انه فرض	"ظاہر آیت سے عدل و مساوات
ان یعدل ای لا یجوز. (در مختار)	بیویوں میں فرض ہے یعنی حق تلفی

---

[۱] صدق جدید لکھنؤ ۸ ستمبر

عدل میں اندیشہ کے وقت صرف ایک کا حکم ہے

اوپر کی آیت میں "ذلک ادنیٰ ان لا تعولوا" (اس میں زیادتی نہ ہونے کی توقع غالب ہے) اور پھر یہ آیت:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً۔ (النساء - ۱)

"اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ رکھو گے تو بس ایک ہی بیوی پر بس کرو۔"

کھلا ہوا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایک ہی بیوی کے دستور کو اصل قاعدہ اسلام میں قرار دیا گیا ہے، اگر ساتھ ہی یہ بھی برداشت نہیں کیا گیا۔ کہ انسان کو ضرورت لاحق ہو، اور دوسری شادی کر لے۔

بلکہ اگر صحیح معنوں میں ضرورت ہے اور اس بات کو سمجھ میں آ رہی ہے کہ اگر دوسری شادی نہ کی تو گناہ میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے۔ ایسی ضرورت ناگزیر میں اسلام کا قانون یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شادی بھی کی جا سکتی ہے اور اس طرح پاکبازی کی زندگی جس سے ہلنے کا اندیشہ تھا۔ اس پر جم جانے کی کد وکاوش کی جا سکتی ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں اس طرح کی ضرورت آئے دن زندگی میں پیش آتی رہتی ہے۔ انسانی زندگی میں یہ چیزیں عنقا نہیں۔ کبھی کسی کی زندگی بانجھ ہوتی ہے، اور اولاد کا طبعی اشتیاق مجبور کرتا ہے۔ کبھی کسی کی بیوی دائمی مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور اس وقت مرد کا طبعی تقاضا اور مریضہ بیوی کو تیمارداری کی ضرورت دونوں چیزیں متقاضی ہیں کہ دوسری شادی کی جائے کبھی مرد کا جنسی میلان زیادہ قوی ہوتا ہے اور بیوی کمزور ہوتی ہے، اور کبھی ان کے علاوہ دوسری مجبوریاں پیش آتی ہیں:

صحابۂ کرام

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

غیر مسلموں کی نظر میں



مدحِ صحابہؓ

از شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب حالیؔ

جب اُمّت کو سب مل چکی حق کی نعمت — ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجّت — نبیؐ نے کیا خلق سے قصدِ رحلت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی
کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی

سب اسلام کے حکم بردار بندے — سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے — یتیموں کے، رانڈوں کے غمخوار بندے
رہ کفر اور باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے — کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکام دیں پر جھکا دینے والے — خدا کے لیے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط اک اللہ سے ڈرنے والے

خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہباں　　ہو گلّہ کا جیسے نگہباں چوپاں
سمجھتے تھے ذمّی و مسلم کو یکساں　　نہ تھی عبد و حُر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی
رہِ حق میں تھی دَوڑ اور بھاگ ان کی　　فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اِن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی　　شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وُہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وُہ

(مسدس حالی ص ۲۳، ۲۴)

صحابہ کرام (حضرت) محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی کامل اطاعت کرتے تھے

ہجرت سے تیرہ برس پہلے مکہ (معظمہ) ایک ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا۔ مگر ان تیرہ برسوں میں کیا ہی اثرِ عظیم پیدا ہوا۔ کہ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی۔ اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اسی قادرِ مطلق سے بکثرت دل بشدت دعا مانگتے۔ اسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے۔ اور حسنات و خیرات اور پاک دامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب انہیں شب و روز اسی قادرِ مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہ کہ وہی رزاق ہماری حوائج کا بھی خبرگیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں ہر ایک امر متعلقہ زندگانی میں اپنی خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثے اور تغیر میں اسی کے یدِ قدرت کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر اس نئی روحانی حالت کو جس میں خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے۔ خدا کے فضل و رحمتِ بااختصاص کی علامت سمجھتے تھے۔ اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کیے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے۔ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جوان ساری امیدوں کے ماخذ تھے۔ اپنا حیاتِ تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ اور ان کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے۔ جو ان کے رتبہ عالی کے لائق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ جو

بلا لحاظِ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالف و ہلاکت تھے مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا۔ اور گویا ایسا کرنا ان کی مصلحت تھی۔ مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کے بردباری سے وہ تعریف کے مستحق ہیں۔ ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنا گھربار چھوڑا۔ لیکن ایمانِ عزیز سے اپنا منہ نہ موڑا۔ اور جب تک کہ یہ طوفانِ مصیبت فرد ہووے حبش کو ہجرت کر گئے۔ پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی کہ ان میں (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب بھی شامل تھے۔ اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو جو ان کی نظر میں تمام روئے زمین پر سے مقدس تھا۔ چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے۔ اور یہاں بھی اسی جادو بھری تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ایک برادری واسطے ان لوگوں کے جو حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) صاحب اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے تیار کر دی۔

سر ولیم میور (لائف آف محمد جلد دوم)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہؓ میں اوّل درجہ کی لیاقتیں تھیں

ایک دوسرا عیسائی فاضل گاڈفری ہیگنس اپنی کتاب موسومہ اپالوجی فرام محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں لکھتا ہے:

"کہ باوجودیکہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور علی (علیہ السلام) کی ابتدائی

سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں جن میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن بہت سے ایسے ہیں جن میں بالکل اختلاف ہے۔ مثلاً عیسٰے (علیہ السلام) کے اوّل بارہ مریدوں کو نا تربیت یافتہ و کم رتبہ مانا گیا ہے۔ بخلاف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوّل مریدوں کے۔ کہ بجز اس کے غلام کے جو کچھ انہوں نے کام کئے ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان میں اوّل درجہ کی لیاقتیں تھیں۔ اور غالباً ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے۔"

مورّخ گبن کا بیان

عیسائی اس بات کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مسائل نے اس درجہ نشۂ دینی اس کے پیروؤں میں پیدا کیا کہ جس کو عیلے (علیہ السلام) کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے اور اس کا مذہب اس تیزی کے ساتھ پھیلا۔ جس کی نظیر دینِ عیسوی میں نہیں چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالی شان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آگیا۔ جب عیلے (علیہ السلام) کو سولی پر لے گئے۔ تو اس کے پیرو بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجے میں چھوڑ کر چل دیئے۔ اگر بالفرض اس کی حفاظت کرنے کی ان کو ممانعت تھی تو اس کی تشفی کے لیے موجود رہتے۔ اور صبر سے اس کے اور اپنے ایذارسانوں کو دھمکاتے۔ برعکس اس کے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد و پیش رہے اور اس کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر کل دشمنوں پر اس کو غالب کر دیا۔"

سر ولیم میور کا بیان

جس زمانے تک مقابلہ کرنا ممکن ہے۔ اس میں تکلیفات کی برداشت کرنے اور دنیاوی لالچوں کے قبول نہ کرنے میں دونوں (حضرت مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) برابر ہیں۔ لیکن محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تیرہ برس کے موعظہ نے بمقابلہ کل زمانۂ زندگی مسیح کے ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جو ظاہر میں لوگوں کی نظر میں بہت بڑا معلوم ہوتا ہے۔ مسیح کے تمام پیرو خوف کی آہٹ معلوم ہوتے ہی بھاگ گئے۔ اور ہمارے خداوند کی تعلیم نے ان پانچ سو آدمیوں کے دل پر جنہوں نے ان کو دیکھا تھا۔ خواہ کیسا ہی گہرا اثر پیدا کیا ہو۔ مگر ظاہر میں اس کا کچھ نتیجہ دکھائی نہیں دیا۔ ان میں سے کسی نے بھی اپنی خوشی سے اپنا گھر نہیں چھوڑا۔ اور نہ سینکڑوں مسلمانوں کی طرح بالاتفاق مہاجرت اختیار کی۔ اور نہ ویسا پُر جوش ارادہ ہی کسی سے ظاہر ہوا۔ جیسا کہ ایک عزیب شہر (یثرب) کے نومسلموں نے اپنے خون کے عوض اپنے پیغمبر کے بچانے میں کیا۔

چاروں خلفاء مجسمۂ اخلاص تھے۔ پہلے چاروں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے۔ ان کی سرگرمی ودلی ہی اخلاص کے ساتھ تھی۔ اور ثروت و اختیار پاکر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائے فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں۔ پس یہی لوگ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ابتدائی جلسہ کے شریک تھے جو پیشتر اس سے کہ اس نے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار پکڑی۔ اس کے جانبدار ہو گئے۔ یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا اور جان بچا کر اپنے ملک سے چلا گیا۔

ان کے اوّل ہی اوّل تبدیل مذہب کرنے سے ان کی سچائی ثابت ہوتی ہے۔ اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے ان کی لیاقت کی قوت معلوم ہوتی ہے:

سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت

آخری دم تک ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے دل ودماغ کی صفائی اور طاقت کا مطلع مکدّر نہ ہونے پایا۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دن باریابی دی۔ اور معاملات کی نازک صورت کو جانچ کر عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کو حکم فرمایا۔ کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ ایک دستہ فوج تیار کر کے جانبِ عراق روانہ کریں۔ بیماری کی حالت میں زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیدار زینت کے متعلق مضمون ان کی زبان پر جاری رہا۔ ایک شخص نے جو آپ کے بسترِ مرگ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ زمانۂ جاہلیت کے ایک شاعر کے کچھ اشعار مناسب حال پڑھے۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کہ ایسا مت کہو بلکہ یوں کہو:

آخری کام جو انہوں نے کیا۔ وہ یہ تھا کہ عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کو اپنے پاس بلایا۔ اور انہیں نصیحت کی اور فرمایا کہ میری آخری وصیت یہی ہے کہ درشتی اور سختی کو، نرمی اور لینت کو ساتھ ملائے رکھنا۔ تھوڑی دیر کے بعد ان پر غشی کا عالم طاری ہونے لگا۔ اور نزع کے وقت کو قریب پہنچتا دیکھ کر ان الفاظ کو زبان پر لا کر جان بحق تسلیم ہوئے۔ یا اللہ ایسا کر کہ میں سچّا مومن مروں۔ یا اللہ مجھے ان لوگوں کے گروہ میں اٹھا جن کو تو نے برکت بخشی ہے۔

ابو بکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) نے دو برس اور تین مہینے عہد حکومت کے بعد ۲۲ راگست ۶۳۴ء کو رحلت فرمائی۔ آپ کی خواہش کے موجب غسل میت انہیں ان کی بیوی اور آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) نے دیا۔ تکفین آپ کی انہیں کپڑوں میں ہوئی۔ جو وفات کے وقت پہنے ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا۔ کہ نئے کپڑے زندوں کے لیے موزوں ہیں۔ اور پرانے کپڑے جسم بے جان کے لئے۔ جن اصحاب نے رسول اکرم (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جنازے کو کندھا دیا تھا۔ وہی ابو بکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے جنازہ بردار ہوئے۔ انہیں اسی مزار میں دفن کیا۔ جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما تھے۔ خلیفہ مغفور کا سر اپنے آقا کے بازو برابر تکیہ زن تھا۔ عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) نے جنازے کی نماز پڑھائی۔ جنازے کو بہت دور نہیں جانا تھا۔ صرف مسجد نبوی کا صحن طے کرنا تھا۔ کیونکہ ابو بکر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) نے اسی مکان میں انتقال فرمایا جو رسول اللہ ... صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے رہنے کے لیے اپنے مکان کے سامنے تجویز فرمایا تھا۔ اور جہاں سے مسجد نبوی کے کشادہ صحن پر نگاہ پڑتی تھی۔ ابو بکرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے کا اکثر حصہ اسی مکان میں بسر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد چھ مہینے تو البتہ پہلے کی طرح زیادہ تر "سنح" میں ان کا قیام رہا۔ جو مدینے کے نواح میں واقع ہے۔ یہاں پر ان کا مسکن ایک سادہ سا مکان تھا۔ جو کھجور کے تختوں سے پٹا ہوا تھا۔ اس مکان میں وہ اپنی بیوی حبیبہ کے اعزہ و اقارب کے ساتھ رہتے تھے۔ حبیبہ سے ان کی شادی اس وقت ہوئی جبکہ وہ مدینے میں تشریف لائے تھے۔

ہر صبح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سوار ہو کر یا پیادہ پا مسجد نبوی کی طرف جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی حین حیات میں فرمانروا رہے تشریف

لے جاتے تھے تاکہ امور مملکت کو انجام دیں۔ اور ان کی غیر حاضری میں عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان کے قائم مقام ہوتے تھے۔ ہاں جمعہ کے دن جبکہ کوئی خطبہ یا وعظ کہنا ہوتا تھا۔ تو وہ دوپہر تک گھر میں رہتے تھے۔ اس دن لباس کے پہننے میں ذرا زیادہ احتیاط اور صفائی کو مدنظر رکھتے تھے۔ اس سیدھے سادھے مکان میں اوائل عمر کی سادگی اور روکھی پھیکی طرز زندگی کو مرعی رکھا۔ گھر کی بکریوں کے لیے چارہ آپ خود لاتے تھے۔ اور ان کا دودھ آپ خود دوہتے تھے۔ اوّل اوّل تو آپ نے اپنے خانگی اخراجات کی کفالت کے لیے تجارت کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر جب آپ کو معلوم ہؤا کہ ایسا کرنے سے انتظام سلطنت میں فرق آتا ہے۔ تو آپ نے سب کاموں کو چھوڑ دینا اور اپنے گھر کے خرچ کے ۶ ہزار درہم سالانہ کی رقم قبول کرنا منظور فرما لیا۔ چونکہ سنح مسجد نبوی سے بہت فاصلے پر واقع تھا اور مسجد نبوی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے سلطنت کے امور طے ہوتے چلے آتے تھے۔ اس لیے آپ نے یہاں نقل مکان کر لیا۔ اور ساتھ ہی بیت المال کو بھی یہیں لے آئے۔ اسلام کا بیت المال ان دنوں نہایت سادہ سا تھا۔ نہ تو اس کے لیے پہرہ اور چوکیدار کی ضرورت ہوتی تھی نہ حساب کے دفتر کی احتیاج۔ خراج کی آمدنی غربار میں تقسیم کردی جاتی تھی یا سامان جنگ اور اسلحہ پر صرف ہوتی تھی۔ مالِ غنیمت جب آتا تو آتے ہی یا آنے کے بعد دوسری صبح کو تقسیم کر دیا جاتا۔ اس تقسیم میں سب کا حصہ برابر سا ہوتا تھا۔ نومسلم اور دیرینہ مسلم ذکور و اناث غلام و احرار سب مساوی حصہ کے مستحق تھے۔ بیت المال اسلام پر ہر مومن عرب کا ایک سا دعویٰ ہوتا تھا۔ آپ کی وفات پر عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بیت المال کو کھلوایا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک دینار باقی ہے۔ جو شاید باتفاق تھیلیوں میں سے گر پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر سب کے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اور انہوں نے آپ کے لیے دعائے

مغفرت مانگی۔ آپ نے بیت المال میں سے جو کچھ بطور وظیفہ لیا تھا۔ اسے بھی آپ نے روا نہ رکھا۔ لہٰذا وفات کے وقت آپ نے حکم صادر فرمایا کہ بعض حصص اراضی جو میری ملکیت سے ہیں فروخت کی جائیں اور جو قیمت وصول ہو۔ اس میں بقدر اس روپے کے جو میں نے بیت المال میں سے لیا ہے بیت المال میں واپس داخل کر دیا جائے۔

ابوبکرؓ کی طبیعت نہایت ہی حلیم اور نرم واقع ہوئی تھی۔ آپ یہاں تک نرم دل تھے کہ لوگوں نے آپ کو "ٹھنڈی سانس بھرنے والا" کا خطاب دے رکھا تھا۔

تزک و احتشام اور عظمت و شوکت جو درباروں کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہوا کرتے ہیں۔ ان کے دربار میں نام کو نہ تھے۔ امور مملکت کے طے کرنے میں وہ نہایت مستعد اور سرگرم تھے۔ وہ اکثر راتوں کو اکیلے نکل جایا کرتے۔ تاکہ محتاجوں اور ستم رسیدہ لوگوں کی حاجت برآری اور شنوائی کریں۔ اور عمر (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) نے ایک دفعہ انہیں ایک اندھی غریب بیوہ کا پرسان حال پایا۔ جس کی حاجت برآری کے لیے خود تشریف لائے تھے۔ محکمۂ عدالت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سپرد کیا گیا۔ مگر روایت ہے۔ کہ سال بھر کے عرصے میں مشکل سے دو مدعی بھی مقدمے کے لئے نہیں آئے ریاست کی مہر پر الفاظ

کندہ تھے۔ خط و کتابت کا کام علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے سپرد

تھا۔ اعلیٰ عہدوں اور اعلیٰ فوجی خدمتوں کے لئے اپنے نائبوں کے انتخاب میں آپ نے کبھی طرفداری یا رعایت کو مدنظر نہیں رکھا۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں عزیمت اور استقلال کی کچھ کمی نہیں تھی۔ اسامہ (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے زیر کمان فوج روانہ کرنا اور مشرک قوموں کے برخلاف مدینہ کو محفوظ رکھنا اور وہ بھی

ایسی حالت میں کہ آپ تن تنہا تھے اور چاروں طرف گویا ایک کالی گھٹا چھا رہی تھی۔ اس عزم اور جرأت کا شاہد ہے۔ جو فتنہ و فساد کی آگ بجھانے اور بغاوت فرد کرنے میں بہ نسبت کسی بات کے زیادہ کارآمد ثابت ہوا۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی قوت کا راز وہ ایمان راسخ تھا۔ جو آپ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر لائے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۂ خدا مت کہو۔ میں رسول خدا کا خلیفہ ہوں۔ آپ کو ہمیشہ یہی سوال مدنظر رہتا تھا کہ حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کیا حکم تھا یا اس وقت وہ ہوتے تو کیا کرتے۔ اس سوال کے جواب پر عمل کرتے وقت وہ سرِ مو تجاوز نہ فرماتے تھے۔ اور اس طرح پر آپ نے شرک و بت پرستی کو پائمال کر دیا۔ اور اسلام کی بنیاد استوار قائم فرمائی۔ آپ کا عہد مختصر تھا۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور کوئی ایسا نہیں ہوا۔ جس کا اسلام کو ان سے زیادہ ممنون اور مرہونِ احسان ہونا چاہیئے۔ چونکہ ابوبکرؓ کے دل میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتقاد نہایت راسخ طور پر متمکن تھا۔ اور یہی عقیدہ خود رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلوص اور سچائی کی ایک زبردست شہادت ہے۔ لہٰذا میں نے آپ کی حیات و صفات کے تذکرے کے لیے کچھ جگہ زیادہ وقف کی ہے۔ اگر حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابتدا ہی سے اپنے کذاب ہونے کا یقین ہوتا۔ تو وہ کبھی ایسے شخص کو دوست اور عقیدت مند نہ بنا سکتے۔ جو نہ صرف دانا اور ہوشمند تھا بلکہ سادہ مزاج اور صفائی پسند بھی تھا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نفسانی عظمت و شوکت کا کبھی خیال نہیں آیا۔ انہیں شاہانہ اقتدار حاصل تھا۔ اور وہ بالکل خود مختار تھے۔ مگر وہ اپنی طاقت و اقتدار کو صرف اسلام کی بہتری اور کافۂ انام کے فائدہ پہنچانے میں عمل میں آئے۔ ان کی ہوشمندی اس امر کی مقتضی نہ تھی کہ خود فریب کھائیں۔ اور وہ خود ایسے متدین تھے کہ کسی کو دھوکا

نہ دے سکتے تھے۔

(از لی خلافت مصنفہ سر ولیم میور)

ماخوذ از "آیات بینات" جلد دوم حصہ چہارم

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایثار

پروفیسر تور آندرے نے سیرتِ نبوی پر جو کتاب لکھی ہے۔ اس کے پانچویں باب میں اس نے اعتراف کیا ہے کہ جن لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا۔ ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت وفادار اور قابل فخر دوست اور رفیق کار تھے۔ اور عجیب حسن اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد یہی دونوں ان کے پہلے دو جانشین بنے۔

ابوبکر دعوائے نبوت سے پہلے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوست تھے۔ اور وہی مردوں میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے انہوں نے نہایت وفاداری اور غیر متزلزل جاں نثاری کے ساتھ آخر دم تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی۔ اور ہر اعتبار سے رفاقت کا حق ادا کیا۔ اسی لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر تمام صحابہؓ کے ایمان کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور ابوبکرؓ کے ایمان کو دوسرے میں تو بھی ابوبکرؓ کا پلڑا بھاری نکلے گا۔

جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکّہ سے ہجرت کی تو وہ اپنی دولت کا بیشتر حصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے لیے خرچ

کر چکے تھے۔ اور جو باقی بچا تھا وہ ہجرت میں خرچ کر دیا۔ اور مدینے میں جو کچھ پس انداز کیا۔ وہ مہم تبوک کے موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں لا کر ڈال دیا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ کہ اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو۔؟ تو میں نے جواب دیا آدھا مال ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ اور آدھا مال آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا ہے' اس کے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت ابو بکرؓ سے یہی سوال کیا۔ تو انہوں نے فوراً کہا۔ میں اپنے اہل و عیال کے اللہ اور اس کا رسول (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی اللہ اور رسول کی رضا) چھوڑ آیا ہوں۔ اسی لئے سارا اثاثۃ البیت لے کر آ گیا ہوں۔

حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں۔ کہ میں نے ہمیشہ کے لیے فیصلہ کر لیا۔ کہ آئندہ کبھی بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آگے بڑھنے کا خیال دل میں نہ لاؤں گا:۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت

۲۶ ذی الحجہ ۲۳ ھجری کو (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ساڑھے دس سال کے عہد حکومت کے بعد انتقال فرمایا۔ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص "عمر" (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھے۔ کیونکہ یہ انہی کی دانائی اور استقلال کا ثمرہ تھا۔ کہ ان دس سال کے عرصے میں شام مصر اور فارس کے علاقے جن پر اس وقت سے اسلام کا قبضہ رہا ہے۔ تسخیر ہو گئے ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مشرک اقوام کو مغلوب تو کر لیا تھا۔ لیکن ان کے عہد میں افواج

اسلام صرف شام کی سرحد تک ہی پہنچی تھیں۔ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جب مسندِ خلافت پر بیٹھے۔ تو اس وقت ان کے قبضے میں صرف عرب تھا۔ مگر جب آپ نے انتقال فرمایا۔ تو آپ ایک بڑی سلطنت کے خلیفہ تھے۔ جو فارس، مصر، شام بازنطن اپنے سلطنت کے بعض نہایت ہی زرخیز اور دلکشا صوبوں پر مشتمل تھی۔ مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہونے کے آپ کو کبھی اپنی فراست اور قوت فیصلہ کی متانت کے میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب سے اپنے آپ کو ملقب نہیں کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے۔ اور مسجد نبوی کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں؟ حالانکہ شہنشاہ یعنی خلیفہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے۔

"عمر" (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی سوانح عمر کا نقشہ کھینچنے کے لیے صرف چند خطوط کی ضرورت ہے۔ سادگی اور پابندی فرائض ان کے اصول کے اعلیٰ ارکان تھے۔ اپنی اہم خدمت کے بجالانے میں کسی کی رعایت نہ رکھنا اور سرگرمی سے کام لینا آپ کا خاصہ ہو گیا تھا۔ اور اس بڑی جوابدہی کا بار آپ کو ایسا گراں معلوم ہوتا تھا۔ کہ بسا اوقات آپ فرماتے کہ ؎

مرا اے کاش کہ مادر نزادے[1]

اے کاش! بجائے اس کے میں گھاس کا تنکا ہوتا۔ آپ کا مزاج ناصبور اور جلد مشتعل ہو جانے والا تھا۔ اور ایام جوانی میں بلکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی کے آخری حصہ میں بھی آپ انتقام کے سخت مؤید اور حامی خیال کیے

---

[1] کاش کہ میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔

جاتے تھے۔ تلوار کو نیام سے نکالنے کے لیے آپ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اور آپ ہی نے جنگِ بدر کے خاتمے پر یہ صلاح دی تھی کہ تمام قیدیوں کو تہ تیغ کیا جائے۔ لیکن عمر اور رتبے نے ان کے مزاج کی تندی اور درشتی کو متبدل بہ حلم کر دیا تھا۔ فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب آپ نے بلا رو رعایت کیا۔ سلطنت کی مختلف قومیں اور جماعتیں جو مختلف الاغراض اور مختلف المقاصد تھیں۔ آپ کی قوت اور دیانت پر کامل بھروسہ رکھتی تھیں۔ اور آپ کے تنومند بازو نے قانون کے قواعد کو جاری اور سلطنت کو نہایت عمدگی سے سنبھالے رکھا۔ صحابہؓ میں سے جو زیادہ ممتاز تھے۔ انہیں آپ اپنے پاس مدینہ میں رکھتے جس کی وجہ بلاشبہ کچھ تو یہ تھی کہ صلاح مشورہ سے آپ کو تقویت دیں اور کچھ اس لیے (جیسا کہ آپ کا قول تھا) کہ میں نہیں چاہتا کہ ان کو اپنے سے کم رتبہ دے کر ان کی شان و عزت میں فرق لاؤں۔

ہاتھ میں تازیانہ لے کر آپ مدینہ کی گلیوں اور بازاروں میں پھرا کرتے اور جو قصور وار ہوتا۔ اسے وہیں سزا دیتے۔ یہ بات ضرب المثل ہو گئی تھی کہ "عمر" کا تازیانہ دوسرے کی تلوار سے زیادہ خوفناک ہے۔ مگر بایں ہمہ آپ نہایت نرم دل تھے۔ اور بے تعداد واقعات آپ کے حلم اور مہربانی کے مذکور ہیں۔ مثلاً بیواؤں اور یتیموں کی حاجت برآری کرنا۔ ایک مثال ہم یہاں درج کرتے ہیں:

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ قحط کے ایام میں عرب میں سفر کر رہے تھے۔ آپ کا گزر ایک غریب نادار عورت پر ہوا۔ جو بچوں کو لیے ہوئے چولہے کے پاس بیٹھی تھی۔ اور بچے بھوک کے مارے بلبلا رہے تھے۔ چولہے پر ایک خالی ہنڈیا بچوں کی تسلی کے لیے بچاری عورت نے چڑھا رکھی تھی (حضرت) عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے جب دیکھا تو آپ بھاگتے ہوئے دوسرے گاؤں میں گئے۔ گوشت اور روٹی لائے

گوشت خود ہنڈیا میں چڑھایا۔ اور خوب سالکھانا پکاکر بچوں کو کھلایا۔ اور انہیں ہنستا کھیلتا چھوڑ کر تب آگے کو روانہ ہوئے (سر ولیم میور)

ماخوذ:

"آیات بینات" جلد دوم حصہ چہارم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سادگی و نرم دلی

پروفیسر تور آندرے نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دنیا بھر کے حکمرانوں میں نہایت امتیازی شان حاصل ہے۔ فاروق الاعظم کا لقب ان سے زیادہ کسی حکمران کو زیب نہیں دیتا۔ ان کی مومنانہ سیرت بالکل بے داغ ہے جس زمانے میں وہ دنیا کی طاقتور ترین سلطنت پر حکمران تھے۔ اس وقت بھی ان کی زندگی ویسی ہی سادہ تھی جیسی حکمران ہونے سے پہلے تھی فتوحات کی بدولت اکثر صحابہ آسائش اور فراغت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر وہ خلیفہ ہونے کے باوجود بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ اپنے لئے لیتے تھے۔ اور جو لباس وہ پہنا کرتے تھے اس میں پیوند لگے ہوتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ کہ اے عمر! اگر شیطان تمہیں راہ میں دیکھ پائے تو خدا کی قسم وہ بھی تمہاری ہیبت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ ان کی عدالت تمام دنیا میں ضرب المثل ہے کیونکہ انہوں نے اپنے بیٹے کو بھی معاف نہیں کیا۔ ان کی سطوت اور ہیبت اگرچہ سب کے دلوں میں چھائی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود وہ ہر شخص کے ساتھ نہایت نرمی کا برتاؤ کرتے تھے۔ جب وہ بیت المقدس سے واپس آ رہے تھے۔ تو راہ میں ایک ضعیفہ ملی جس نے

ان سے کہا کہ اگر تم مدینے جارہے ہو تو عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہنا کہ میں بہت مفلوک الحال ہوں لیکن انہوں نے مجھے مالِ غنیمت سے کچھ نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ سُن کر اس سے کہا کہ عمرؓ کو یہ بات کس طرح معلوم ہو سکتی تھی ؟ اس ضعیفہ نے کہا خلیفہ کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی حالت کا پتہ لگائے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا۔ تمہاری ضرورت کتنی رقم سے پوری ہو سکتی ہے۔ اس نے کہا فی الحال مجھے پچیس دینار کافی ہوں گے حضرت عمرؓ نے مطلوبہ رقم اسے دے کر رسید لکھوالی۔ جب مدینے واپس آئے تو اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر سے کہا اس رسید کو میری وفات کے بعد میری ہتھیلی پر رکھ دینا تاکہ میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں تو اسے دکھا سکوں۔

خدماتِ محدثینؒ

رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

غیر مسلموں کی نظر میں



مدحِ محدّثین کرامؒ

از شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب حالیؔ

گروہ ایک جویا تھا علمِ نبیؐ کا لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

اِسی دھن میں آسان کیا ہر سفر کو اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سنا خازنِ علم دیں جس بشر کو لیا اس سے جا کر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا مناقب کو چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدّس کا توڑا
نہ مُلّا کو چھوڑا نہ صُوفی کو چھوڑا

مسدّس حالی صفحہ ۳۰ - ۳۱

عظیمُ الشان فن

کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری۔ نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح "اسماء الرجال" کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

(ڈاکٹر اسپرنگر ماخذ تدوین حدیث صفحہ ۴۵)

(سیرت النبیؐ جلد اوّل صفحہ ۳۹)

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مصنفوں اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کی سوانح حیات محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مفصّل ہو۔

(اپالوجی فار محمد اینڈ دی قرآن)

یہاں کوئی دھوکا نہیں دے سکتا

کوئی شخص یہاں "سیرت النبیؐ" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے۔ یہاں دن کی پوری روشنی ہے۔

(لائف آف محمدؐ از باسورتھ اسمتھ صفحہ ۱۰۸)

ڈاکٹر مار گولیوتھ نے کہا:

"مسلمان علم حدیث پر جتنا فخر کریں بجا ہے۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت

امام بخاری کی تصنیف "صحیح بخاری" کی سب سے زیادہ قدر کی جاتی ہے اور روحانی ، دنیاوی معاملات غرض دونوں حیثیت سے قرآن کے بعد معتبر سمجھی جاتی ہے ۔ اس کتاب میں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے الہامات وافعال واقوال ہی درج نہیں بلکہ قرآن کے مشکل مقامات کی تفسیر بھی درج ہے ۔

(ٹامس ولیم بیل اورنٹیل جیوگریفیکل ڈکشنری مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء)

حدیث کے لیے سفر

محمد بن اسمٰعیل ابو عبداللہ البخاری ۱۲ ار شوال ۱۹۴ھ شہر بخارا میں پیدا ہوئے ۔ فن حدیث کا مطالعہ گیارہ سال کی عمر میں شروع کر دیا ۔ اور سولہ سال کی عمر میں حج کو گئے ۔ اور مکہ و مدینہ کے بہترین استادانِ حدیث سے علم حاصل کیا ۔ پھر طلب علم ہی میں مصر گئے ۔ اور آئندہ سولہ سال سارے ایشیا کے دورے میں صرف کیے ۔ اس کے بعد وطن تشریف لائے ۔ ان کی شہرت کا غلغلہ "جامع صحیح" کے نام سے ان کی ایک کتاب حدیث نے بلند کر دیا ۔ انتخابِ حدیث میں انہوں نے انتہائی تنقیدی قابلیت کا ثبوت دیا ہے ۔ اور روایت متن میں انہوں نے احتیاط کی حد کر دی ۔ اس کے ساتھ وہ جا بجا اپنی توضیح وتشریح بھی نفسِ حدیث سے الگ پیش کرتے

جاتے ہیں۔ صحیح بخاری کی روایتوں کی نقل میں بڑی صحت و اسناد کا اہتمام شروع ہی سے رہا ہے۔ صحیح بخاری کا ترجمہ مع حواشی کے فرنچ زبان میں موجود ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد اوّل صفحہ ۴۸۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ الحدیث

امام بخاری اس طبقہ کے اوّلین شخص ہوئے ہیں، جنہوں نے حدیثوں کے مجموعہ کو خوب جانچا اور پرکھا ہے۔ یہ تنقیدی طریقہ بہت مفید ثابت ہوا اور بخاری کی صحیح کا اسناد اس وقت سے آج تک مسلّم رہا ہے۔ حدیثوں کے کچھ مجموعے تو بخاری سے قبل بھی تیار ہو گئے تھے۔ لیکن راویوں پر جرح و تنقید اور اسناد کی تحقیق ان کے زمانہ سے چلی۔ بخاری کے ابواب (پیراگراف) تراجم (پیراگرافوں کے عنوانات) سے ظاہر ہے کہ وہ فقہ کی مکمل کتاب تیار کر رہے تھے۔ ان کی صحیح کی ترتیب، عین منطقی ترتیب کے مطابق اور مناسب ہے۔ بہ حیثیت مجموعی ان کی کتاب ابتدائے اسلام اور عربی تمدّن کے مطالعہ کے لیے ایک اہم ترین ماخذ ہے۔ خود بخاری کی یہ صحیح عموماً بڑی احتیاط سے نقل ہوئی ہے۔ ان کی احتیاط اور نقل حدیث صحیح میں شدّت اہتمام کا اندازہ اس روایت[1] سے ہو سکتا ہے

---

[1] منقول ہے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر حدیث نقل کرنے سے پہلے دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔

کہ یہ ہر حدیث کے نقل کرنے سے قبل حق تعالیٰ کے حضور میں سجدہ شکر ادا کرتے تھے۔

(ہیوز کی ڈکشنری آف اسلام ص ۱۴۲) ماخوذ از "خالص اسلام"

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہایت عاجزی سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں نبی آخر الزمان جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قرآن حکیم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، محدثین عظام اور تمام صالحین و بزرگانِ دین و جملہ مومنین و مسلمین کی محبت قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے، آمین ثم آمین!

اللھم صل وسلم علی محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت وسلمت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید ٥

الخادم المخلص
العبد الضعیف
محمد حنیف یزدانی

۹، اپریل ۱۹۶۹ء
۲۱، محرم الحرام ۱۳۹۰ھ
بروز بدھ بوقت ۵ بجے عصر

مُرشدِ جیلانیؒ کے ارشاداتِ حقانی

جمع وترتیب: مولانا محمد حنیف یزدانی

کتابت، طباعت نہایت عمدہ، سفید ولایتی کاغذ، خوبصورت ٹائیٹل

ناشر: مکتبہ نذیریہ، چیچہ وطنی امرسدھو، ڈاکخانہ کوٹ لکھپت لاہور

قیمت: بارہ (۱۲) روپیہ

تبصرہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

جون ۱۹۷۳ء، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

مولانا محمد حنیف صاحب نے اپنے اس کتابچے میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ کی کتب سے ان کے ارشادات نقل کیے ہیں۔ جن کا تعلق توحیدِ حقیقی سے ہے۔ "نفع ونقصان صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ مخلوق سے مانگنے والا بے عقل ہے۔ خدا کی لکھی ہوئی تقدیر کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ غیب دان صرف اللہ ہے۔" مولانا نے ان عنوانات کے تحت مرشد جیلانیؒ کے اقوال نقل کر کے ان کے عقیدت مندوں کی توجہ دلائی ہے کہ اپنے رسوم وعقائد کو ان کی تعلیمات کی روشنی میں بدلیں، اور اپنی اصلاح کریں۔

کتاب کے آغاز میں پیر جیلانیؒ کے سوانح اور ان کے ارشادات و ملفوظات کو بھی درج کر دیا گیا ہے۔ ہماری نظر میں مولانا کی زیرِ نظر کتاب عامۃ الناس کے لیے قابلِ مطالعہ ہے۔ ہم اس کے مطالعہ کی پُرزور سفارش کرتے ہیں۔